خطوطِ مشاہیر



مولانا محمد علی ۔ مولانا اکبر
مولانا شبلی

ایک ضروری التماس

جو اصحاب اِس کتاب کا مطالعہ فرمائیں - انکی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ہمیں از راہِ کرم اپنا نام اور ڈاک کا مکمل پتہ لکھ بھیجیں تاکہ ہمارے ہاں سے اُردو علم و ادب کی جو نہایت مُفید کتابیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی ہیں - اُن کی اِطلاع اور دیگر مطبُوعات کی فہرست ہم اُن کی خدمت میں روانہ کرتے رہا کریں - اُمید ہے کہ ہمارے معزز بھائی اور بہنیں ہماری اس درخواست کو شرفِ قبول بخش کر نہ صِرف اپنا پتہ بلکہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام و پتے بھی ہمیں بھیجکر ممنون فرمائینگی -

(شیخ) عنایت اللہ منیجنگ ایجنٹ - تاج کمپنی لمیٹڈ
قرآن منزل - ریلوے روڈ لاہور

خطوطِ مشاہیر

حصّہ اوّل

یعنی

مولانا شبلی کے ۳۹ اکبر الہ آبادی کے ۲۰۰ اور

مولانا محمد علیؒ کے ۳۰ مفصّل اور دلچسپ خطوط کا گلدستہ

مُرتّبہ

مولانا عبدالماجد دریابادی

چار دیباچوں اور تقریباً چارسو حاشیوں کے اضافہ کیساتھ

ادبی لطافتوں اور علمی۔ مذہبی۔ سیاسی معلومات کا مجموعہ

ناشران۔

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ قرآن منزل۔ ریلوے روڈ لاہور

امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت دھرم چند بھارگو
بی۔ایس۔سی چھپی اور شیخ عنایت اللہ منیجنگ ڈائرکٹر نے تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
سے شائع کیا۔

دیباچہ

خط کی عربی جمع "خطوط" کو مکتوبات کے معنی میں استعمال کرنا اور ایک دوسرے عربی لفظ کی طرف اضافت کرنا قاعدہ سے صحیح نہیں۔ لیکن اُردو محاورۂ عام نے اسے جائز کر دیا ہے اور یہ سندِ جواز کافی ہے ؎

اِن خطوں کا بیشتر حصّہ پہلے بھی کسی نہ کسی مجموعہ میں نکل چکا ہے۔ بعض خط اس مجموعہ میں بالکل پہلی بار شائع ہو رہے ہیں اور بہت سے خط ایسے ہیں۔ جن میں اب اِتنا عرصہ گذر جانے کے بعد کانٹ چھانٹ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ حذف شدہ حصّہ اپنی اصلی صورت میں دیا جا رہا ہے۔ خطوں پر میرے حاشیے اب تعداد میں بھی بہت زیادہ بڑھا دیئے گئے ہیں اور پُرانے حاشیے تقریباً بالکل بدل دیئے گئے ہیں۔ دیباچہ ایک چھوڑ چار چار اب ہو گئے ہیں۔ غرض یہ مجموعہ فی الجملہ بالکل نیا ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے ؎

خط کی حالت تصنیف و تالیف سے بالکل الگ ہوتی ہے کتابیں تو لکھی ہی اِس غرض سے جاتی ہیں کہ عام ہوں اور پبلک تک پہنچیں ہر اشارہ کنایہ و تلمیح کی تشریح ان میں از خود موجود رہتی ہے ورنہ انھیں سمجھے کون؟ خط کی صورت اِس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہاں مکتوب الیہ سیاق کلام، موضوع مراسلت سے پوری طرح واقف رہتا ہے۔ وہ ہر رمز و ہر کنایہ ہر ضمیر کو بے تکلف سمجھتا جاتا ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے وہی عبارتیں چیستان بن جاتی ہیں اور ذہن کے سامنے ایک عجب اُلجھن پیدا کر دیتی ہیں۔ غالب

کے خطوط حسنِ ادب و انشار کا بہترین نمونہ ہیں۔ اِن تک میں بیسیوں پچاسوں قصہ طلب تلمیحیں ہیں۔ جو لطف ان خطوں کے پانے والوں کو اُن اشاروں کے سمجھنے والوں کو آیا ہوگا۔ اُسکا آدھا بھی آج ہم آپ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہر مخصوص ماحول اپنے ساتھ کیفیات بھی مخصوص رکھتا ہے اِدھر ماحول بدلا۔ اُدھر وہ کیفیات بھی رخصت ہو گئیں۔

میں نے اپنی والی کوشش کی ہے کہ اپنے حاشیوں اور خصوصی دیباچوں کی مدد سے ماحول کی اس اجنبیت کو کم کر دوں اور "ماضی" کے خشک پس منظر میں کسی حد تک "حال" کی جیتی جاگتی روح ڈال دوں ——— اس سے زیادہ ایک بے بضاعت ہیچمدان کے بس میں اور ہے کیا؟

مولانا شبلی، حضرت اکبر الہ آبادی، مولانا محمد علیؒ اپنے وقت کے مشاہیر میں ہوئے ہیں۔ مولانا شبلی (متوفی ۱۹۱۴ء) اپنے زمانہ کے ایک ممتاز ادیب، مورّخ، سیرت نگار، متکلّم اور مقرّر تھے۔ وہ پڑھے لکھوں کے حلقہ میں پوری شہرت رکھتے تھے۔ میر اکبر حسین الہ آبادی (متوفی ۱۹۲۱ء) شاعر و ظریف کی حیثیت سے ملک بھر پر چھائے ہوئے تھے۔ مولانا محمد علیؒ (متوفی ۱۹۳۱ء) کو ایک زبردست قومی لیڈر، اہلِ قلم اور پُر جوش خطیب کی حیثیت سے عوام و خواص سب نے جانا۔ میرے تعلقات اِن سب حضرات سے مخلصانہ ہونے کے ساتھ ہی محض خوردانہ اور نیازمندانہ تھے۔ معاصرانہ اور مساویانہ نہ تھے۔ نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا شبلی کے زمانہ میں تو میری کالج کی طالب علمی بس ختم ہی ہوئی تھی۔ حضرت اکبر میرے والد مرحوم کے ملنے والے اور سن میں ان سے کچھ بڑے ہی تھے۔ مولانا محمد علی البتہ سن میں صرف چودہ سال بڑے تھے اور بے تکلّف ہو ہو کر

مجھے گستاخ بھی بناتے رہے۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ ان کی اخلاقی عظمت اور دماغی بلندی دونوں نے "ایاز" کو کبھی اپنی حد سے باہر قدم ہی نہ رکھنے دیا:۔

خطوط کے مطالعہ سے قبل اِن سب امور کا لحاظ رکھ لینا ضروری ہے۔ مشاہیر (زندہ اور مرحومین) کے عنایت ناموں کا پورا ایک انبار ابھی باقی ہے۔ عجب کیا کہ آئندہ اِن سے آپ کو مزید زحمت دی جاتی رہے:۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر ۱۹۴۳ء

عبدالماجد

خطوطِ شبلی
یا
شبلی نامہ

(صفحہ ۱۱ تا صفحہ ۳۶)

دیباچہ

مولانا شبلی (۱۸۵۸ء تا ۱۹۱۴ء) کے کل خطوط مجھے اپنے نام کے (دستی رقعوں کو ملا کر) کل ۴۰ کی تعداد میں محفوظ ملے۔ توضیحی حاشیوں کے اضافہ کے ساتھ نذرِ ناظرین ہیں۔

بجز پہلے خط کے یہ سارے خط مولانا کی زندگی کے آخری دَور کے ایک بہت مختصر زمانہ کے ہیں۔ یعنی نومبر ۱۹۱۳ء سے لے کر جولائی ۱۹۱۴ء تک کل نو مہینہ کی مدت کے مولانا اُس زمانہ میں سیرت النبی کی تالیف میں مشغول بلکہ منہمک تھے۔ اور ندوہ کے اندرونی اختلافات سے ملول و مایوس ہو کر اس سے گویا ہٹتے جا رہے تھے۔ خطوط میں اِن دونوں چیزوں کے اثرات قدرتاً نمایاں ہیں۔

یہ بھی خوب ذہن میں رہے کہ میرا سن اس وقت کل ۲۱-۲۲ سال کا تھا۔ نیا نیا کالج سے گریجویٹ ہو کر نکلا تھا۔ ایم۔ اے میں فلسفہ لیا۔ اس میں ناکام رہا۔ مولانا بلکہ مولوی ہونا الگ رہا۔ اس وقت اِن مقامات

کے قریب ہو کر بھی نہیں گذرا تھا۔ زبانوں پر "مسٹر" کے لقب سے مشہور تھا۔ اور عام شہرت ایک ملحد فلسفی کی رکھتا تھا۔ مولانا کا سن اس وقت ۵۶-۵۷ سال کا تھا اور ملک میں شہرت وہ علاوہ ادیب اور انشا پرداز ہونے کے ایک "روشن خیال" عالم کی رکھتے تھے۔ اپنی جسارتوں اور مولانا کی مسلسل شفقتوں اور رعنائیوں پر نظر کرتا ہوں تو حیرت میں رہ جاتا ہوں ؎

نو عمری میں اپنے متعلق حسن ظن اکثر کو ہوتا ہے۔ میں تو خاص طور پر اس کا مریض تھا۔ مکتوب ۳۳ (نیز مکتوب ۶) سے معلوم ہوگا کہ مولانا نے میری اس خود بینی کا علاج کس لطف و لطافت سے کیا ہے۔ مکتوب ۲۵ سے ظاہر ہوگا کہ میری کس درجہ رعایت انہیں ملحوظ تھی اور مکتوب ۶۰ میں تو انہوں نے عزت افزائی کی حد کر دی۔ مجھ سے اپنے خاص معاملات میں مشورہ طلب فرماتے ہیں!

"مولانا" میں اب کب ہوں؟ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ لیکن ۱۳ء و ۱۴ء میں تو کوئی برائے نام بھی مجھے مولانا یا مولوی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کھلم کھلا کالج سے نکلا ہوا "مسٹر" تھا اور ۲۱ سال کا خام عقل نوجوان ——— مکتوب الیہ کو خوب پہچانے بغیر اگر خطوط پڑھنا شروع کر دیجیے گا تو میرا تو کوئی ہرج نہیں۔ آپ ہی دھوکے میں رہیئے گا۔ مغالطہ میں پڑیئے گا۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر ۴۴ء

عبدالماجد

خطوطِ شبلی

(۱)

مجبّی!

کالج ابھی تو بند ہے۔ میں عید کی صبح کو چلوں گا۔ وہیں جو کچھ کہئے گا۔ کرونگا۔ میاں عبدالباری کے معاملہ میں کس کا قصور ہے[1]۔ پبلک سے کسی کی سفارش کرنا اس وقت بہت آسان ہوتا ہے۔ جب خود اس نے بھی اپنے کو پبلک میں پیش کیا ہو۔ سیّد سلیمان بلکہ عبدالسّلام و عبدالواجد[2] تک کے لئے کسی سے کچھ کہنا نہایت آسان ہے۔ لیکن عبدالباری کی تمام داستان خود کہنی پڑتی ہے[3]۔

---

[1] ۱۹۱۲ء ہے مولانا بمبئی گئے ہوئے ہیں مولوی عبدالباری ندوی جو اب ۱۹۴۳ء میں ماشاءاللہ حاجی اور مولانا اور صوفی اور فلسفی ہیں! اسوقت دارالعلوم ندوہ سے ابھی فارغ ہو کر نکلے تھے اور ہر طرح ہوشیار ذہین، سنجیدہ و صاحب فکر تھے مگر بیچارہ کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا میرے بے تکلّف دوستوں میں تھے۔ میں نے مولانا کو توجّہ دلائی تھی کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم انکا داخلہ تو وظیفہ دلا کر علی گڈھ (اسکول یا کالج) کرادیجئے کہ انگریزی کی بھی کوئی سند ان کے پاس ہو جائے۔

[2] یعنی موجودہ مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی بالقابہ اور مولانا عبدالسلام ندوی (مصنّف اسوۂ صحابہ وغیرہ) اور خواجہ عبدالواجد ندوی استاد حلیم مسلم کالج کانپور۔

[3] مولوی عبدالباری صاحب اسوقت تک نہ مضمون نگاری کے عادی تھے نہ اور کسی حیثیت سے ملک سے روشناس ہو رہے تھے۔

حمیدؔ کے لئے جب میں نے کالج میں کوشش کی تو پورے دو برس تک کسی کو یقین نہیں آیا - لوگوں نے کہا کہ یہ تو تم ہو حمید نہیں ہیں - عبد الباری کو تقریر یا تحریر کسی صورت میں پیش کرنا تھا - ان کی ظاہری صورت سے بجز اس کے کہ کسی سکول کا نیم تعلیم یافتہ شخص ہے اور کیا متبادر ہوتا ہے - عربی دانی کا کوئی اثر ان کے چہرے پر نہیں ہے - میں ان کی قدر کرتا ہوں اور ان کو قابلِ ترقی سمجھتا ہوں اور اس کے لئے آمادہ ہوں کہ ان کے وظیفہ میں خود اپنی جیب سے حصہ لوں - لیکن میں پبلک تو نہیں بن سکتا - پولٹیکل کروٹ کا مضمون آج لکھنے بیٹھا[۲] اور ختم بھی کر دیا - لیکن اب تو سب یہی بولی بولنے لگے ہیں - اور آزاد تو مجھ سے آگے ہیں[۳] ؎

شبلی - ۱۵ ستمبر ۱۹۱۲ء - بمبئی

(۲)

تسلیم - ترجمہ پہنچا - یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ خوش خط ہیں -

---

[۱] یعنی مولانا حمید الدین فراہی بی - اے مصنف تفسیر القرآن (عربی) مولانا کے عزیز قریب تھے اور سن میں چھوٹے - شاگرد بھی تھے ؎

[۲] مسلمانانِ ہند کی پولیٹکل کروٹ "مولانا کا ایک اہم سیاسی مضمون تھا - اس زمانہ کے لحاظ سے ایک حد تک انقلاب انگیز مسلم گزٹ (ہفتہ وار لکھنؤ) کے تین نمبروں میں نکلا تھا ؎

[۳] اشارہ ہے مولانا ابو الکلام آزاد - ایڈیٹر - الہلال (کلکتہ) مولانا شبلی اور دوسرے بے تکلف احباب کی زبان پر آزاد ہی کے نام سے مشہور تھے ؎

لیکن میری ضعف بصارت مستدعی ہے کہ ذرا جلی لکھیئے۔ مارگیولوس کا پایہ جرجی زیدان سے بہت بلند ہے۔ وہ اس مکار کا خوشہ چین نہیں۔ اس کی وسعتِ نظر بے انتہا ہے اگرچہ اسی کے ساتھ سخت بد دیانت اور غلط نتائج نکالنے والا ہے۔ میں نے اس کی کتاب کا پورا ترجمہ کرا لیا ہے۔ میور کے ماخذ بالکل ضعیف اور ناقابل استناد ہیں[۱]۔

میں نے بمشاہرہ تا ۱۰۰ مترجم کے لئے اشتہار دیا تھا۔ متعدد گریجویٹ کی درخواستیں آئی ہیں۔ ہاشمی صاحب (خارج کردہ کالج) بھی انہی میں ہیں[۲] گو بی۔اے نہیں ہیں۔ کسی کو انتخاب کرنا ہوگا۔ اب میری معیت کی ضرورت ہے۔ آپ کی اسکیم اب کیا ہے؟ کاش آپ کے کسی کام میں میں آپ کے کام آسکتا۔

والہاوسن صاحب کا ترجمہ صرف وفات تک مطلوب ہے۔

شبلی

حیدرآباد۔ کاچھی گوڑہ
۸ نومبر ۱۹۱۳ء

---

[۱] میرا تعلق اب سیرت نبوی کے اسٹاف سے ہو چکا ہے اور میں نے انگریزی ترجمہ کی پہلی قسط بھیجی ہے۔ ضمناً یہ بھی تذکرہ کر دیا ہے کہ انگریزی مستشرقین میں اس وقت مارگولیوس اور میور دو بہت بلند پایہ سمجھے جاتے ہیں۔ مارگولیوس کا ایک ماخذ جرجی زیدان ہے۔ مولانا اسی کا جواب دے رہے ہیں۔

[۲] یعنی سید ہاشمی فرید آبادی جواب مشاہیر یونان و روما کے مترجم اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۳)

میں جدید اجازت بھی بھیج چکا ہوں۔ آپ کے آگرہ جانے سے قبل[۱] عبدالسلام سے[۲] جو آپ کے ہمسایہ ہیں دریافت فرمائیں اور اگر اس میں بھی تردد ہو تو الگ بھی ارسال ہے۔

اسمتھ کی کتاب کا بھی خط بھیج دیجئے[۳]۔

شبلی

۳ جنوری ۱۹۱۳ء

(۴)

تسلیم۔ آپ کا پورا پتہ کیا ہے؟ ولہاوسن کا آرٹکل جو آں حضرت[۴] پر ہے اس کا ترجمہ کیجئے (انسائیکلوپیڈیا۔ اڈیشن ۹-۱۰- جلد ۶)

شبلی

حیدرآباد۔ ۵ نومبر ۱۹۱۳ء

---

[۱] مجھے سیرت نبوی کے سلسلہ میں ترجمہ کا کام ڈیڑھ دو گھنٹہ روز کر دینے کے معاوضہ میں ۵۰ روپے ماہوار مل رہے ہیں۔ مولانا کے خزانچی ایک ندوی حافظ صاحب شاید ہر مہینہ مولانا کے تازہ حکم کے منتظر ادائے رقم کے باب میں رہتے تھے۔ میں اس سال آخر دسمبر میں آگرہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں گیا تھا۔

[۲] یعنی مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھی شاگرد ہونے کے علاوہ مولانا کے ہم وطن بھی ہیں۔

[۳] میں نے رابرٹس اسمتھ کی مشہور کتاب (Religion of the Semites) کی سفارش کی تھی۔

(۵)

مجتبیٰ!

سلام مسنون - دوسری قسط بھی ترجمہ کی پہنچی - ترجمہ کی خوبی مستغنی عن التعریف ہے - آپ مجھے تحریر فرمایئے کہ آپ کس شغل میں ہیں اور آپ کی اسکیم کیا ہے؟ میں نے ۲۰۰ روپیہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب ندوی دارالعلوم کے پاس مخصوص آپ کی مد میں بھیج دیئے ہیں - یعنی جب مہینہ ہو جائے یا جب آپکو ضرورت ہو آپ اُن سے رقم منگوالیں - ایک ہدایت کا پرچہ اس خط میں بھی ملفوف ہے - میرے اشتہار پر جن لوگوں نے درخواستیں بھیجیں - اُن میں سے میں نے ہاشمی کو بلایا ہے - ابھی تک وہ نہیں آئے - فرض کیجئے وہ نہ آئیں تو کیا چار پانچ مہینہ کے لئے بھی آپ اسٹاف میں مستقل تعلق نہیں رکھ سکتے - اصل یہ ہے کہ پہلی جلد میں اب انگریزی اقتباسات کی جو جگہیں خالی ہیں اِن کے بغیر کام رُکا پڑا ہے - آپ صرف مترجم نہیں بلکہ مصنّف بھی ہیں - اس لئے آپکے سوا کوئی اور شخص مشکل سے میرے اِرادوں اور خواہشوں کے موافق کام کر سکیگا - بہرحال جو فیصلہ ہو مطلع کیجئے گا ؏

ترجمہ میں آنحضرتؐ کے متعلق مفرد کی ضمیر نہ استعمال کیجئے بلکہ جمع کی - میں اپنی مستقل قیامگاہ کا فیصلہ ابھی نہ کر سکا - ممکن ہے کہ پیری اور ضعف کی بدہمتی مجھ کو وطن کی پابندی اور "بہ شہر خود روم و شہر یار خود باشم" پر آمادہ کرے وہاں مکان ہے، رعایا ہے - احباب ہیں - عزیز ہیں - غرض اپنا رکے سوا اور سب کچھ ہے - پولیٹیکل معاملات میں جو طوائف الملوکی پیدا ہو گئی ہے - سخت

قابل نفرت ہے۔ وزیر حسن اور امیر علی کا کیا مقابلہ ہے۔ قوم حقیقت میں سر سید مرحوم کے وقت میں بھی اندھی تھی اور اب بھی ہے ؏

حیدر آباد دکن۔ ۱۵ نومبر ۱۹۱۳ء شبلی

(٦)

مجتبیٰ!

سلام مسنون! مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے خیالات اور تجویزات بہ تفصیل مجھ کو اطلاع دی۔ مگر آپ نے اسکا لحاظ نہیں کیا کہ قدیم مصنفین اور بانیان فن، ابن سینا۔ طوسی۔ رازی۔ ابن رشد وغیرہ نے سرکاری ملازمتوں کے ساتھ علمی خدمتیں انجام دی ہیں۔ سر سید کے مہمات مشاغل صدر الصدوری کے زمانہ کے ہیں۔ خالص علمی خدمت کے لئے دنیا میں بہت کم موقع ہے یعنی دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے۔ یہاں فیلوشپ کا اب تک طریقہ نہیں مشرقی جامعہ کے بعد جو جلد قائم ہوگا (یعنی اس سال) یہ طریقہ جاری ہوگا لیکن معلوم نہیں ہیں کے لئے یا باہر والوں کے لئے بھی[ل۲]۔ نواب عماد الملک سے میں

[ل۱] مولانا کو سیاسی معاملات میں افراط و تفریط دونوں ناپسند تھیں۔ سید وزیر حسن (جو کہ بعد کو چیف جج ہو کر سر بھی ہو گئے) اس وقت مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے۔ مولانا اس وقت کے مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ کے ہمراہ ولایت واقعۂ مسجد کانپور کے سلسلہ میں گئے۔ وہاں رائٹ آنریبل سید امیر علی (صدر لندن مسلم لیگ) سے۔ اُن سے ایک جزئی معاملہ میں شدید اختلاف کی نوبت آگئی ؏

[ل۲] مکتوب ہذا میں مولانا نے پوچھا تھا کہ آئندہ کیا کرنا چاہتے ہو بس اس کے جواب میں میں نے ایک طومار لکھ مارا تھا کہ سرکاری ملازمتیں تو میرے مذاق کی چیز نہیں البتہ حیدر آباد کی مجوزہ جامعہ میں اگر کوئی فیلوشپ اس طرح کی ہو کہ باہر رہ کر اسکے لئے کام کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں

نے ابھی بذریعہ ایک خط کے پوچھا[۱] ہے۔ اتفاق یہ کہ آپ کے خط پہنچنے کے وقت اُن کا دستی خط آیا تھا اور میں جواب لکھ رہا تھا۔ عبدالحق صاحب آپکی کتابیں بھیج دیتے۔ تو میں عماد الملک کو دکھلا سکتا[۲]۔

ہاں فوراً ایک امر کامل غور اور مشورہ احباب کے بعد لکھ بھیجئے میں اب واپس آنا چاہتا ہوں اور لکھنؤ خواہ مخواہ قیام کرنا پڑے گا۔ لیکن دارالعلوم کے حالات اور ارکان کے تعلقات و خیالات کے لحاظ سے ایسا تو نہ ہو کہ مجھ کو تکلیف ہو۔ یعنی گو میں کسی معاملہ میں دخل نہ دونگا۔ لیکن حالات بہرحال کانوں میں پڑیں گے۔ اس سے شاید کوفت ہو۔ میں سیرت کی پہلی جلد ۴-۵ مہینہ میں تمام کرنا چاہتا ہوں اور اس زمانہ کو نہایت سکون کے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سید سلیمان کو بلایا ہے۔ غالباً وہ آجائیں۔ اگر آپ صرف ۴-۵ مہینہ کے لئے صیغہ انگریزی کی افسری اور مہتممی کا کام انجام دیتے۔ تو پہلی جلد نکل جاتی۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ یورپ کے بیشمار ذخیرہ میں سے کیا کیا چیزیں لینے کے قابل ہیں اور عام مترجم یہ بتا نہیں سکتے۔ یہ کام کون کرے۔

شبلی

حیدرآباد۔ کاچی گوڑہ۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۱۳ء

---

[۱] نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی بی۔ اے صدر انجمن ترقی اُردو و حیدرآباد کے عمائد خاص میں سے تھے۔

[۲] مولوی (اور اب ڈاکٹر) عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو میری پہلی تصنیف فلسفہ جذبات ۱۹۱۳ء میں انہیں کی انجمن کی طرف سے شایع ہو رہی تھی۔

(۷)

جناب من! میں نے مولوی عبدالحق سے آپ کی کتاب سائیکالوجی مانگی تھی کہ عماد الملک بہادر کو دکھلاتا - جو بہر حال فائدہ سے خالی نہ تھا- انہوں نے لکھا کہ وہ کتاب مذکور واپس بھیج چکے - نیز انہوں نے لکھا کہ وہ کتاب چھپ رہی ہے - بعد اشاعت عماد الملک کو دکھلاؤ - میں نے اطلاعاً آپکو لکھا تھا عنقریب آتا ہوں کوئی مکان ۲۵-۳۰ روپیہ کرایہ کا اچھا مل سکے تو نظر میں رکھیے -

شبلی ۲۷ نومبر ۱۹۱۳ء

(۸)

مجبی - سلام مسنون - ولہاوسن کے مضمون کے بعد اب مقدم ضرورت یہ ہے کہ عرب کے متعلق انسائیکلوپیڈیا وغیرہ سے مضمون جو قریباً دس بارہ صفحوں کا ہو یا بشرط ضرورت اس سے زیادہ لکھ دیجیے - جس میں امور ذیل کے متعلق معلومات ہوں - عرب کی قدامت - عرب میں کون کون حکومتیں قائم ہوئیں - حمیری، سبائی، نابتی خاندانوں کے مختصر حالات اور انکے کتبے - عمارات قدیم مثلاً غمدان - مآرب حصن ناعط - تہذیب تمدن - میں جلد تر روانہ ہونا چاہتا ہوں - لیکن واقعات میرے اختیار میں نہیں - آپ نے میرے ضروری خط کا جواب نہیں لکھا -

شبلی

۴ نومبر ۱۹۱۳ء

(۹)[1]

جناب ماجد صاحب زاد لطفہٗ - یورپین تصانیف کے متعلق سیرت کا ٹکڑا بھیجتا ہوں - اس میں دو باتیں مطلوب ہیں (۱) انگریزی نام انگریزی حرفوں میں لکھ دیئے جائیں (جہاں اردو خط میں ہیں) (۲) مصنفین یورپ کا جو نقشہ دیا ہے - اس میں معمولی اور کم حیثیت تصانیف کو قلم زد مثلاً جان ڈیون پورٹ کی کتاب - اس نقشہ کے تمام نام انگریزی خط میں لکھ دیجئے -

شبلی ۶ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۰)

جناب عبدالماجد صاحب

یہ ۲۵ صفحہ سے شروع ہے - لیکن میرے پاس اس کے پہلے تو صرف ۱۶ صفحہ تک پہنچا ہے بیچ کے ۸ صفحے کہاں ہیں -

شبلی ۲۰ دسمبر ۱۹۱۳ء

(۱۱)

جناب ماجد صاحب دام لطفہٗ

کسی وقت آ کر انگریزی کتابوں کی فہرست بنا دیجئے -

شبلی ۵ جنوری ۱۹۱۴ء

---

[1] مولانا اب سفر سے واپس آ گئے ہیں اور لکھنؤ امین آباد پارک کے ایک بالاخانہ پر مقیم ہیں - یہاں سے دستی رقعوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ؏

(۱۲)

جناب ماجد صاحب

کل جو کام بھیجا ہے۔ اس سے آپ فارغ ہو جائیں تو عنوان۔ "عرب و تہذیب و تمدن" کے صفحات کو پورا پڑھ جائیں اور جہاں جہاں انگریزی نام ہیں۔ اُن کی تصحیح کر دیں۔ نیز انگریزی خط میں اُن کو لکھ دیں۔ شیخ عبدالقادر کے مترجمہ اوراق آپ کو مدد دیں گے۔

۶ جنوری ۱۹۱۴ء شبلی

(۱۳)

ہاں ہارگیو لوس کا پورا ترجمہ موجود ہے۔ باقی جو ترجمے ہیں۔ اُن میں عرب قدیم کا ذکر نہیں۔ شبلی ۷ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۴)

جناب ماجد صاحب زاد لطفہٗ۔ یورپ کے خرافات کے متعلق اسلام کا میرے پاس پہلے سے بڑا سرمایہ ترجمہ شدہ موجود ہے۔ اس کے متعلق آپ کچھ نہ لیں۔ فارسٹر کا جغرافیہ تاریخی شاید آپ کے پاس ہے۔ اس میں عرب قدیم کے متعلق معلومات مفیدہ نادرہ انتخاب فرمایئے۔ گلاری کو الٰہ آباد لائبریری سے دریافت فرمایئے کہ وہاں ہے یا نہیں۔

۹ جنوری ۱۹۱۴ء شبلی

(۱۵)

اسلام کے وقت روم۔ فارس، ہند کی تمدنی و اخلاقی کیا حالت تھی؟

اس کو تلاش کر کے لکھئے ۔مورخوں کی تاریخ عالم کا آپ کیا ذکر کرتے ہیں[۱]
میں نے اکثر سنی ہے ۔ اسلام کے متعلق محض عامیانہ معلومات ہیں ۔
شبلی ۱۹ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۶)

مولوی عبدالماجد صاحب بی ۔ اے
اب عرب کے متعلق اگر مل سکے تو صرف آثار یعنی قدیم قلعہ جات
وغیرہ پر کچھ لکھئے ۔ اور نہ مل سکے تو اب نشان کردہ مقامات کا ترجمہ جنہیں
آنحضرت کی مدح یا ذم ہے (نعوذ باللہ)
شبلی ۲۴ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۷)

مولوی عبدالماجد صاحب
۱ ۔ شیخ عبدالقادر کے صفحات ترجمہ عنایت فرمائیے ۔
۲ ۔ اس وقت جو چیز زیر تحریر ہے وہ رومن امپائر اور فارس کی
اخلاقی و تمدنی حالت قبل اسلام ہے ۔ مولوی امیر علی صاحب نے اپنی
کتاب میں ایک خاص عنوان کے نیچے اس کو لکھا ہے ۔ میں اصل ماخذ
سے اقتباسات چاہتا ہوں ۔ شبلی ۲۵ جنوری ۱۹۱۴ء

---

[۱] میں نے Historian's History of the World. کی سفارش کی تھی ۔
اس وقت اس کا بڑا شہرہ تھا۔

(۱۸)

مکرمی - اب تو آپ کے احسانات (رسادل کے پیرایہ ہیں) فوق الحد ہوتے جاتے ہیں[1] - مولوی امیر علی کا ترجمہ مقصود نہ تھا بلکہ اُن کے ماخذوں سے لینا مقصود تھا - میں انکا حوالہ نہیں دے سکتا ع[2]

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

۳۱ جنوری ۱۹۱۴ء شبلی

(۱۹)

مکرمی جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے

اسوقت ایک نہایت ضروری مشورہ کی غرض سے آپکو تکلیف دیتا ہوں[3] -

یکم فروری ۱۹۱۴ء شبلی

---

[1] مولانا کو رسادل بہت مرغوب تھی - میں نے دو تین بار بھیجی تھی یہ اسی کا ذکر ہے ؛

[2] میں نے امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام باب اول کی تلخیص کر کے بھیجی تھی ؛

[3] تحریر بالا شب کو ملی - میں اسی وقت گیا - مولانا بہت دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے ماحصل یہ تھا کہ گورنمنٹ آجکل مجھ سے بدظن ہے - خصوصاً معاملہ کانپور کے متعلق میری نظموں سے - حکیم اجمل خان حاذق الملک مجھے آج مسٹر برن چیف سکریٹری کے پاس لے گئے تھے - وہ بہت کبیدہ تھے - حالانکہ اس سے پیشتر نہایت اخلاق و تپاک سے ملتے تھے تم اس کے نام ایک مفصل چٹھی اس مضمون کی میری طرف سے لکھ دو کہ میں مدت العمر کبھی انگریزی گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں - میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان یگانگت بڑھے - اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت

(۲۰)

محبّی! جس خط کے لئے میں نے کہا ہے۔ وہ آدمی کے ہاتھ نہ بھیجئے گا۔ یہ بھی مناسب موقع پر بڑھا دیجئے گا۔ میں نے اپنے کانشنس کے مطابق معاملہ . . . میں پانچ ارکان کو ساتھ لے کر جو کیا۔ باوجود اس کے کہ بعد کو پبلک کے شور و غل کی وجہ سے سب نے اخبارات کے ذریعہ سے اپنی براءت ظاہر کی اور یہ لکھا کہ ہم نے فلاں شخص کی وجہ سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔ لیکن میں اپنی رائے پر اپنے فرض کے مطابق قائم رہا۔ شبلی

(بقیہ صفحہ ۲۲) دراز سے چلی آتی ہیں دُور ہوں چنانچہ اس پر میری تمام تصانیف شاہد ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ سنہ میں میں نے الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری قریباً فرض ہے اور اسی سال ندوہ کے سالانہ جلسے میں وفاداری کا ایک رزولیوشن بھی پاس کرایا۔ پھر معاملہ مولوی عبدالکریم میں مجھے محض اس جرم پر کہ میں نے اپنے ضمیر کے مطابق ایک باغیانہ مضمون کی اشاعت بند کی۔ اخبارات میں گالیاں سننا پڑیں۔ یہ رہا واقعہ کانپور کے متعلق نظمیں تو وہ ایک ہنگامی جوش کا نتیجہ تھیں جسمیں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ میں بھی شریک تھا ؎

لہ یہ رقعہ نمبر ۱۹ کا ضمیمہ ہے۔ خلاف معمول بند لفافہ کے اندر رکھ کر آیا۔ جہاں پر نقطے ہیں ان سے مراد واقعۂ مولوی عبدالکریم تھی۔ مولانا عبدالکریم ایک پُرجوش دیندار عالم دارالعلوم ندوہ کے صدر رہے۔ انکے قلم سے جہاد اسلامی پر ایک مضمون رسالہ الندوہ میں نکلا۔ جو وقت کے معیار و مذاق کے مطابق باغیانہ اور شورش انگیز خیال کیا گیا تھا۔ مولانا شبلی نے اپنے اختیارات سے کام لیکر الندوہ کے اس نمبر کی اشاعت روک دی تھی ؎

(۲۱)

مولوی عبد الماجد صاحب

سیرت کا دیباچہ جو ترجمہ کے لئے گیا ہے - عنایت کیجئے - خوشنویس اس کی کاپی لکھیں گے - شبلی ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء

(۲۲)

مکرمی ماجد صاحب

۱ - اب آپ کیا کر رہے ہیں ۲- انگریزی کتابوں میں دیکھئے - حسب ذیل کتابیں ہیں یا نہیں (۱) نبٹ (۲) ولسٹیڈ (۳) جغرافیہ فارسٹر (دوسری جلد) (۳) مضمون دار المصنفین کا جو انگریزی ترجمہ آپ نے کیا تھا بیضہ کی دفتی میں ہے - میاں مسعود سے رجسٹرڈ بھجوا دیجئے - (۴) سرقہ کے متعلق کیا کارروائی ہوئی[1] - داخل دفتر یا زیر تحقیقات (۵) میاں مسعود کا پتہ کیا ہے[2] ؟ (۶) میاں مسعود سے پوچھئے کہ کمرہ بند ہے، تو خوشنویس کیا کرتے ہوں گے اور خود کمرہ کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے جبکہ ڈبکے

---

[1] مولانا اب پھر سفر پہ باہر گئے ہیں اور اب کے الہ آباد میں اپنے حقیقی چھوٹے بھائی مولوی اسحٰق کے ہاں مقیم ہیں - وہ الہ آباد کے نامور وکیل تھے - اس درمیان میں مولانا کے کمرہ میں چوری ہوئی اور کچھ چیزیں اٹھ گئیں ؛

[2] یعنی آج کے مولوی حاجی صوفی مسعود علی ندوی قدوائی بھیاری منیجر دار المصنفین عملی آدمی اس نوعمری کے زمانہ میں بھی تھے ؛

کی چوٹ چوریاں ہوتی ہیں (۷) مفصل جواب لکھیئے۔
مولوی ابوالکلام آئے تھے اور کہہ کر گئے تھے کہ ندوہ دیکھنے جاتا ہوں۔ شبلی ۲۸ فروری ۱۹۱۴ء

باغ الہ آباد۔ کوٹھی مسٹر اسحٰق وکیل

(۲۳)

تسلیم! اکارلائل وغیرہ کو ہات نہ لگایئے وہ عربی میں موجود ہے۔ گبن کی بھی ضرورت نہ تھی۔ سر سید مرحوم کے ہاں اس کا پورا ترجمہ قلمی موجود تھا اور میں نے بارہا پڑھا ہے۔ میں نے جن کتابوں کے نام پر نشان کر دیئے ہیں وہ قابل ترجمہ ہوں تو ان کو بھیجئے۔ فارسٹر کا ایک نسخہ تو اب آیا۔ لیکن پہلے نسخہ کی صرف ایک ہی جلد ہے یا دونوں۔ وہ نسخہ حیدرآباد کا ہے اور تقاضا آیا ہے۔

بھوپال سے اب تک جواب نہیں آیا۔ پھر لکھتا ہوں۔ یہاں میں دونوں وقت کھانا کھاتا ہوں اور بہت صحیح ہوں۔ اس لئے ابھی تو یہیں رہونگا۔ عبدالسلام کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے وہ کیوں رکیں گے۔ یونہی بہتر ہوگا کہ کوئی نیا شخص تیار کیا جائے[۲]۔ اگر تاریخی کتابوں سے فراغت

---

[۱] مولانا کی صحت اس وقت اچھی خاصی گر چکی تھی۔ لکھنؤ میں صرف ایک وقت کا کھانا رہ گیا تھا۔

[۲] اس وقت ہم لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ مذہبی نہیں خالص علمی ایک ماہنامہ المعارف کے نام سے نکالا جائے۔ نگران و سرپرست مولانا ہوں اور ذمہ دار ایڈیٹر مولوی عبدالسلام صاحب ندوی۔ مگر عین اس وقت مولوی صاحب کا بلاوا الہلال کلکتہ کے اسٹاف کے لئے آگیا۔

ہو چکی تو فلسفہ مذہب کو لیجئے۔ میری الماری میں چند کتابیں ہیں۔
شبلی الہ آباد۔ صحتیا باغ ۳ر مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۴)

حسب ذیل مضامین سے وقتاً فوقتاً تحریر فرمایئے۔ لیکن خاص اقتباسات بھی ہوں کہ میں بعینہ نقل کر سکوں۔ الحاد و رد الحاد پر دو کتابیں انگریزی میں دفتر سیرت میں ہیں۔ وجود باری کے دلائل۔ مذہب کی تائید و تردید۔ نکاح۔ طلاق۔ وراثت کے اصول (عقلی و تمدنی حیثیت سے) نیز ان چیزوں کی تاریخ، اثبات روح یا تردید ــ میاں عبد السلام تو کلکتہ جا رہے ہیں۔ اب رسالہ کا کیا حال ہوگا۔ ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔[1]
شبلی الہ آباد ۵ مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۵)

مکرمی! اجزا پہنچے۔ یہ ملحوظ رکھئے کہ آپ کبھی کسی حالت میں دو ڈھائی گھنٹہ روزانہ سے زیادہ کام نہ کیجئے۔ اس قدر کافی ہے اس میں جتنا ہو جائے۔ مضمون کے لئے کتابوں کا دیکھنا یا مہیا کرنا بھی انہیں تین گھنٹوں میں داخل ہے۔ مذہب والحاد پر ویسی تحقیقات کی ضرورت نہیں جو آپ نے الکلام کے لئے کی تھی[2]۔ ایک دو مستند کتابیں کافی ہیں

---

[1] حاشیہ ابھی اوپر گذر چکا۔

[2] میں نے اپنی شدت الحاد کے زمانہ میں شروع ۱۹۱۱ء میں مولانا کی کتاب الکلام پر بڑی مفصل و مبسوط تنقید الناظر لکھنؤ کے متعدد نمبروں میں لکھی تھی۔

ہاں نکاح، وراثت، تعزیرات، تعدد ازواج کی تاریخ اور ان کے جدید اصول کے متعلق لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ شبلی

۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۶)

مضمون اور کتاب دونوں پہنچے۔ آپ کے عدم تقرر کا افسوس[1] ہوا مضامین حسب فرصت، وراثت، جرائم، تعزیرات پر بھی لکھئے گا۔

دہلی } شبلی ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء

---

[1] لکھنؤ کیننگ کالج میں فلسفہ پڑھانے کی جگہ عارضی طور پر خالی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے لئے کوشش کی تھی اور ایک سند نامہ مولانا سے بھی حاصل کیا تھا۔ نقل ملاحظہ ہو:

"مولوی عبدالماجد صاحب بی اے کو میں ایک مدت سے جانتا ہوں۔ اُن کے علمی اور خصوصاً فلسفیانہ مضامین میں نے کثرت سے پڑھے ہیں مجھ کو یہاں تک معلوم ہے۔ ہندوستان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو نہایت دقیق فلسفیانہ مسائل کو اس خوبی سے ادا کر سکتا ہو جس طرح کہ عموماً مولوی عبدالماجد صاحب کے مضامین میں پائے جاتے ہیں۔

میں انگریزی نہیں جانتا۔ لیکن مصر و شام میں یورپ کا فلسفہ جس قدر عربی میں منتقل ہوا ہے۔ سب میرے پیش نظر ہے۔ میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ کسی عربی ترجمہ یا مستقل تصنیف میں بھی فلسفیانہ مسائل اس خوبی سے ادا نہیں کئے گئے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف بالطبع فلاسفر ہیں۔ انکا ذوق خالص علمی ذوق ہے۔ وہ ہمہ وقت فلسفہ اور متعلقات فلسفہ کے مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں اور یہ بالکل قطعی ہے

(۲۷)

مسٹر محمد علی نے ترجمہ دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظوں کی پابندی نے عبارت کو بالکل بے اثر اور بدمزہ کر دیا ہے۔ مترجم سے کہئے۔ کہ اسی مطلب کو اپنے انداز بیان میں ادا کریں۔ اس لئے آپ ان کو ایک دفعہ اور تکلیف دیجئے۔ؔ

شبلی دہلی ۱۹ اپریل ۱۹۱۴ء

(۲۸)

ترجمہ پہنچا۔ اب بھی یہ ترجمہ ہی ہے۔ میں نے بھی سنا۔ لوگ پسند نہیں کرتے اگر ان صفحات کا کچھ معاوضہ ٹھہرا ہو تو مطلع فرمایئے۔ آپ اپنی رقم (ماہوار) پیارے صاحب (کوٹھی نواب علی حسن خان) سے منگوا لیجئے۔ ان کو الگ لکھ دیا ہے اور مدت ہوئی کہ لکھ دیا تھا۔ عبدالسلام نے آپ کو خبر نہ کی ؛

شبلی ۲۷ اپریل ۱۹۱۴ء

(بقیہ صفحہ ۲۷) کہ گو وہ فلسفہ میں ایم۔ اے نہیں ہیں۔ لیکن کثیر التعداد ایم اے سے بہتر ہیں ؛ اگر وہ فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوں تو میں کالج کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔

ان اوصاف کے علاوہ انکے ذاتی اخلاق و عادات۔ متانت و سنجیدگی اور شرافت نسب کی بہتر سے بہتر میں شہادت دے سکتا ہوں"۔ شبلی نعمانی ۵ اپریل ۱۹۱۴ء

لہ سیرت نبوی کے ابتدائی حصّہ کا انگریزی ترجمہ میں نے کیننگ کالج کے ایک عیسائی استاد سے کرا کے مولانا کی خدمت میں دہلی بھیجا تھا۔ مولانا نے اُسے "مسٹر" محمد علی کو دکھا کر یہ رائے حاصل کی ؛

لہ انہیں مترجم صاحب نے دوبارہ کوشش کی تھی ؛

(۲۹)

مولوی کرامت حسین[1] صاحب کی کتاب پر دو چار سطریں لکھ دونگا فرصت اور دماغ کہاں - سید حفیظ صاحب[2] سے کہہ دیجئے کہ چاہیں تو میرا اسباب نواب علی حسن صاحب کے پاس رکھوا دیں - آپ انگریزی کتابوں کو دیکھ کر قرآن مجید کے متعلق قابل سند مصنفین کی رایوں کا ترجمہ کیجئے موافق یا مخالف - شبلی ۲۹ اپریل ۱۳ء دہلی

(۳۰)

نولدیکی کا ترجمہ میرے پاس موجود تھا - تاہم آپ پورا کر دیجئے آپ کا ترجمہ قابل سند ہوگا - آپ ۲۰ تاریخ سے ۶ دن پہلے ہمیشہ یاد دہانی کا کوئی اشارہ بھیج دیا کیجئے کہ وقت مقررہ پر رقم پہنچ جایا کرے - مجھ کو خیال نہیں رہتا - اب کے ۵۰ روپے بھیج دیئے گئے ہیں

شبلی

دہلی - مکان حکیم اجمل خاں صاحب ۱۶ مئی ۱۳ء

(۳۱)

ماہوار کابل بھیج دیجئے - اور ہمیشہ تاریخ معین سے ۵ دن

---

[1] جسٹس سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا (پنشنر جج الہ آباد ہائی کورٹ) ایک فلسفی شخص تھے - انکی کتاب علم الاخلاق پر دیباچہ میں مولانا سے لکھوانا چاہتا تھا ؛

[2] موجودہ ڈاکٹر حفیظ سید ایم - اے پی ایچ ڈی استاد اردو الہ آباد یونیورسٹی ؛

پہلے بھیجا کیجئے۔ شبلی از بمبئی
اکبر بلڈنگ۔ بھاجی کلہ ۲۸ مئی ۱۳ء

(۳۲)

مجی! خط پہنچا۔ سید کرامت حسین کی کتاب مولوی ابوالکلام مجھ سے لے گئے کہ وہ خود ریویو لکھ دیں گے۔ حیدر آباد کی نسبت آپکا خیال صحیح نہیں۔ مولوی سید حسین صاحب کی نسبت یہ خیال کہ بہ حیثیت پریسیڈنٹ انجمن اُردو آپ کی کتاب پڑھ چکے ہوں گے۔ عجب حسن ظن ہے مولوی صاحب موصوف نے مشاہیر مصنفین کی کتابوں کے بھی دو ہی ایک صفحے پڑھے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بڑی چیز وہاں شہرت ہے جب تک کوئی شخص عام شہرت پیدا نہ کرے۔ لوگوں کو خود حضور نظام سے سفارش کرنے میں تامّل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ابھی دیر ہے اور نہ اس کی کوئی مثال موجود ہے۔ میرے لئے جب مولوی صاحب نے سفارش کی تھی تو حضور نظام نے خود جواب میں لکھا تھا کہ مجھ کو خوشی ہوئی کہ ایسے شخص کے لئے آپ نے سفارش کی اور میں ان کی سب تصنیفات اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ بہرحال اس کی امید بہر دست نہیں ہوسکتی۔ فلسفہ کے باب میں میری سفارش تحسین ناشناس ہوگی۔ البتہ اگر مولوی عبدالحق ان کو خوب یقین دلادیں تو شاید کوئی صورت ہوسکے:۔

آپ نے مذہب پر آج ایک ٹکڑا بھیجا۔ لیکن ابھی تو نولدیکی کا مضمون قرآن باقی ہے وہ پورا کر لیجئے۔ میں نے اور عنوانات جو پہلے

لکھے تھے - انکا بھی خیال رکھئے ؎

مولویوں نے میرے کفر کے فتوے چار پانچ لکھ کر بھوپال بھجوائے ہیں اور اشاعت کفر میں سفرائے ندوہ سے کام لیا جارہا ہے۔ آفتاب احمد خان اور علی گڈھ کی سخت پارٹی اصلاح ندوہ کی مخالف اور حالات موجودہ کی حمایت پر جان لڑا دینے کے لئے آمادہ ہے یہ ہے ہمارا اخلوص - غیر زمانہ گو حقیقت شناس نہیں ہے۔ تاہم سچ ہمیشہ نقاب میں نہیں رہے گا ؎

شبلی

اکبر بلڈنگ - بھاٹی کلہ بمبئی - ۱۱ر جون ۱۹۱۳ء

(۳۲)

جناب من! آپ کی رقم ماہوار دہلی سے پہنچے گی - نولدیکی کا مضمون متعلق قرآن آپ نے ناتمام چھوڑ دیا - پورا کرکے بھیج دیجئے - انگریزی کتابوں میں ایک کتاب قرآن مجید کی تاریخی ترتیب پر ہے - اس کا یا اس کے اقتباسات کا ترجمہ ارسال فرمایئے -

مشکل یہ ہے کہ اب ضرورت پڑتی ہے کہ مترجم کی معیت ہو۔ اور یہاں اس قدر رہنے کا ارادہ ہے کہ ایک جلد بہمہ وجوہ تیار ہو کر نکل جائے - گذشتہ مہینوں میں فضول وقت بہت ضائع ہوا -

ندوہ کو جس قدر سنبھالا جائے - بگڑتا جائیگا - اگرچہ اس سے اس قدر نفع ہوا کہ یہ لوگ ندوہ کے کاموں میں زیادہ سرگرم ہو گئے اور شاید عمارت وغیرہ میں کچھ کام چل جائے - رہا نصاب تعلیم - تو اُسے

زمانہ خود درست کرلیگا۔ ندوہ دیوبند نہیں بن سکتا اور خود دیوبند کب تک دیوبند رہ سکتا ہے۔

تاریخی نظموں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا ہے۔ الہلال دیکھئے گا۔ یہاں بڑا سکون اور خاموشی ہے۔ دن بھر چپ چاپ گذر جاتی ہے کوئی جھانکتا تک نہیں۔

شبلی

اکبر بلڈنگ۔ بھائی کلّہ۔ بمبئی ۱۶ جون ۱۹۱۴ء

(۳۴)

اصل یہ ہے۔ کہ میں آپ کا مطلب ہی نہیں سمجھا تھا۔ میں اخبار کے لئے ریویو سمجھا تھا۔ رسالہ سامنے تھا[1]۔ مولوی ابوالکلام نے دیکھا اور مانگ لیا۔ بہرحال اب کلکتہ سے منگوایا ہے۔ بقیہ ترجمہ نولدیکی پہنچا۔

شبلی ۲۰ جون ۱۹۱۴ء

(۳۵)

تسلیم۔ آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست کتب انگریزی میں ایک کتاب ہے۔ جس کا اردو نام آپ نے "قرآن کی تاریخی ترتیب" لکھا ہے۔ یہ کتاب ہمارے کام کی ہوگی۔ اس کا ترجمہ یا اقتباس ارسال فرمائیے۔ باقی نواب علی حسن خاں سے منگوا سکتا۔ تو یہی کارڈ کافی ہوگا۔ البتہ تلاش کرنے کی زحمت آپ کو ہوگی۔ کتابیں الگ صندوق میں ہیں

---

[1] اُسی مولوی کرامت حسین صاحب والے رسالہ کا ذکر ہے۔

نواب صاحب نکلوا دیں گے۔ سیرت کے ترجمہ انگریزی کا ذمہ مسٹر محمد علی نے لیا ہے[1]۔ براہ راست کرنل عبید اللہ خاں سے خط و کتابت ہو کر۔

شبلی ۲۳ر جون ۱۹۱۴ء

(۳۶)

کارڈ پہنچا۔ ہرگز ہرگز اس کا ترجمہ نہ کیجئے۔ ایسی کم رتبہ چیزوں کا ترجمہ مقصود نہیں ہے[2]۔ شبلی ۲۳ر جون ۱۹۱۴ء

(۳۷)

لیکی کی ہسٹری کے متعلق آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اس کی دوسری جلد میں عورتوں کی پوزیشن کا ایک مستقل عنوان ہے اور نہایت مفصل ہے اس کا اقتباس بھی درکار ہے۔ شبلی

بمبئی۔ بھائی کلہ۔ اکبر بلڈنگ ۸ر جولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

نہیں دواخانہ کی غلطی نہیں ہے۔ رقم ابھی تک نہیں آئی۔ شاید پہلے مہینہ کی طرح لکھنؤ چلی گئی اور وہاں سے واپس ہو گی۔

شبلی

---

[1] اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

[2] میں نے لکھا کہ (SALE) کی وہ کتاب ادنی قسم کی ہے۔

(۳۹)

سرو ست آپ کوئی ترجمہ یا اقتباس نہ فرمائیں اور اس واقعہ کو
بہ صیغہ راز رکھیں ؎۱

شبلی

۲۹ ؍ جولائی ۱۹۱۴ء (بمبئی)

؎۱ سیرت نبوی کی بھوپال سے گرانقدر مالی امداد ہو رہی تھی - اب مولانا کے خلاف علماء کے ایک طبقہ نے یورش کی کہ شبلی تو خود ایک بد دین - فاسد العقیدہ شخص ہے اور اپنے اسٹاف میں بھی کھلے ہوئے بیدینوں کو رکھے ہوئے ہے نیتجہ یہ ہوا کہ میرا تعلق سیرت کے اسٹاف سے ختم ہو گیا ٭

ضمیمہ خطوطِ شبلی

ذیل کے دو خط میرے نام کے نہیں۔ لیکن میرے ہی مجموعہ میں نکل آئے۔ بطور ضمیمہ انہیں بھی درج کئے دیتا ہوں۔ پہلا خط والد ماجد مرحوم کے نام ہے۔ نومبر ۱۹۰۸ء میں میرے بڑے بھائی صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ والد مرحوم نے منہیات شرعی سے محترز رہ کر کچھ رقم بہ طور نذر حقیر اس خوشی کے موقع پر دینی درسگاہوں کو پیش کی تھی اور اس سلسلہ میں ندوہ کو بھی یاد رکھا تھا۔ ندوہ اس زمانہ میں عبارت تھی مولانا شبلی کی ذات سے۔ بہرحال وہ مکتوب حسب ذیل ہے:۔

۲۸ شوال ۲۶ھ۔ دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ

جناب مکرم زاد مجدکم۔ السّلام علیکم۔

صاحبزادہ کے عقد نکاح کی جو بہ پابندیِ شریعت کامیابی کے ساتھ ہوا۔ مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ کی نذر حقیر نہیں۔ بلکہ نہایت خلوص و ہمدردی پر دلالت کرتی ہے۔

جلسہ سنگِ بنیاد ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء میں آپ ضرور تشریف لائیے۔ میں ممنون ہوں گا۔ والسلام

شبلی نعمانی

دوسرا کارڈ میرے چچا زاد بھائی ڈاکٹر محمد سلیم مرحوم کے نام ہے۔ مئی ۱۹۱۰ء میں اُن کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ اُنہوں نے بھی

ایصالِ ثواب کی نیت سے کچھ رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حسب ذیل جواب موصول ہوا :۔

تسلیم!

کارڈ پہنچا۔ آپ کی والدہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ رقم نہ بھیجی ہو تو دفتر میں مولوی عبدالحی صاحب کے نام بھیجئے۔ میں آجکل کلکتہ میں ہوں۔

شبلی

۲۶ر مئی ۱۹۱۰ء

خطوطِ اکبر
یا
اکبر نامہ

(صفحہ ۳۷ تا صفحہ ۲۱۸)

دیباچہ

حضرت اکبر (۱۸۴۶ء تا ستمبر ۱۹۲۱ء) اپنے زمانہ کے مشہور ترین شاعر اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ساتھ ہی بڑے پختہ ایمان والے عارف باللہ۔ افسوس ہے کہ دنیا نے انکو اس آخری حیثیت سے بالکل نہ جانا۔ بلکہ شاعری کی مد میں بھی صرف ظرافت ہی کے نقیب کی حیثیت سے پہچانا تاہم جس حد تک اور جس حیثیت سے بھی انہیں جانا پہچانا۔ شہرت ان کے نام کی اور کلام کی جی بھر کر ہوئی۔ آج سے ۲۵۔۳۰ سال اُدھر انکا کلام گھر گھر پھیلا ہوا تھا۔ ہر پڑھے لکھے کی زبان پر اُن کے دو چار شعر شوخی اور دل لگی کے رنگ کے ضرور تھے ٭

مجھے شرفِ نیاز ۱۹۱۲ء میں حاصل ہوا۔ مہینہ غالباً مارچ تھا یا شاید اپریل ہو۔ بی۔اے کا امتحان دینے لکھنؤ سے الہ آباد گیا ہوا تھا۔ (لکھنؤ اس وقت یونیورسٹی سے محروم تھا اور ڈگری کے امتحانوں کے لئے

الہ آباد جانا ہوتا تھا، وہیں حضرت اکبرؔ کی خدمت میں پہلی بار حاضری دی۔ مرحوم کا سن ۶۶ سال کا تھا۔ شہرت کا آفتاب عروج کو پہنچا ہوا اور میں اپنی عمر کے بیسویں سال میں۔ سلسلۂ مراسلت ایک سال بعد ۱۹۱۳ء سے شروع ہوا اور آخر سال تک برابر قائم رہا۔ کچھ خطوط ضائع بھی ہوئے ہوں گے۔ تقریباً دو سو محفوظ رہ گئے۔ مدت مراسلت کوئی آٹھ نو سال رہی

ابتدائی مکاتبت کے وقت میں فلسفی قسم کا دہری تھا۔ ۱۹ء سے خطوط کا رنگ بدلا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں حضرت کی وفات کے وقت میں بحمداللہ پورا مسلمان تھا۔ اس اصلاح حال میں کسی حد تک دخل حضرت اکبر کی شخصیت و تعلیمات کو بھی ہے۔ تبلیغ بڑے مزے سے کرتے رہتے تھے۔ دل نشین اور موثر انداز میں۔ سننے والے کو پتہ بھی نہ چلتا اور وہ دین کی محبت یا وقعت دل میں بٹھانے چلے جاتے۔ اس کے دلچسپ نمونے ان صفحات میں کثرت سے اور بار بار ملیں گے۔ اکبر شاعر اور ظریف شاعر سے پہلے کہیں پہلے مومن۔ اور مومن گر تھے۔

اکبر نثر پر توجہ کرتے تو یقیناً ایک نامور ادیب ہوتے۔ اُن کے حسن ادب اور شگفتہ نگاری کے نمونے اِن اوراق میں شروع سے آخر تک بکھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ چھوٹے چھوٹے جملے بات میں بات پیدا کرنا طوالت۔ ثقالت سے بچنا۔ پیچیدہ ترکیبوں۔ مغلق لفظوں سے احتیاط۔ بیان کی صفائی، روانی، سلاست یہ سب اُن کے قلم کے خاص جوہر ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ باتیں اُتھلی نہیں۔ گہری۔ مطالب کی بلندی۔ خیالات کا عمق۔

اکبر نرے ادیب ہی نہیں اچھے خاصے مفکر اور فلسفی بھی تھے مغربی فلسفے پر نظر رکھنے والے؛

اکبر پڑھتے کم تھے۔ سوچتے زیادہ تھے۔ دوسروں کے خیالات جذب کم کرتے خود انہیں کے خیالات اُبلتے زیادہ رہتے تھے۔ فلسفہ خوان فلسفہ دان کم تھے۔ دانش آموز۔ حکمت آفریں زیادہ تھے اور انکی ذہانت بے پناہ تھی۔ اگلے صفحات میں ان سب کی مثالیں ملاحظہ ہوں *

معاصرت کا ابتلا بھی عجیب ہوتا ہے۔ بعض معاصرین پر چبھتی ہوئی اور ایک یا دو جگہ دِل کو دُکھ پہنچانے والی رائے زنی جو ملے گی۔ وہ خاص حالات اور خاص ماحول کا نتیجہ تھی اور اب بالکل قابل معافی ہے۔

محرومی اور بدنصیبی اپنی ہے کہ ایسے شفیق اور محترم بزرگ کا سایۂ عاطفت اتنے دنوں تک نصیب رہا۔ لیکن نہ اُن کے ظاہری اور باطنی کمالات ہی سے استفادہ کیا اور نہ اُن کی خدمت ہی کا حق ادا کیا۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر ۱۹۴۴ء

عبد الماجد

خطوطِ اکبر

(۱)

از الہ آباد ۲۶ اگست ۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - عنایت نامہ کا شکر گذار ہوں - اگرچہ علالت اور مصائب نے تعلقات دنیا کو بار اور زندگی کو ناگوار کر دیا ہے - لیکن جب تک سانس ہے جو اس کے دام سے بالکل رہائی پانا کیونکر ہو سکتا ہے - ایک ایسے قابل اور فاضل اور شائق تحقیق ہونہار نوجوان کی طرف جیسے کہ آپ ہیں کیونکر نہ دل کھچے - مدتیں گذریں - میں نے جسمانی آرام اور تکلیف اور دلخوشی اور رنج کا مفہوم پیش نظر رکھ کر یہ خیال کیا تھا کہ آرام اور رنج کا ساتھ ہو سکتا ہے اور تکلیف اور خوشی کا ساتھ ہو سکتا ہے - یہ کوئی نازک خیالی نہ تھی - لیکن اس بنیاد پر ایک سلسلہ مضمون چل نکلا تھا پورا نہ ہوا اور میں اور کاموں میں اُلجھ گیا - اسی ضمن میں پین و پلیثر[۱] اور چند دیگر الفاظ کے متعلق کچھ نوٹ لئے تھے الہلال

---

[۱] (PAIN - PLEASURE) اس وقت یعنی ۱۹۱۳ء میں میں فلسفۂ جذبات لکھ رہا تھا - نفسیات کی بہت سی اصطلاحیں اُردو میں گویا پہلی بار آ رہی تھیں - نوعمری کا زمانہ ایک تو یوں ہی جوش کا ہوتا ہے (میرا سن اس وقت ۲۱ سال کا تھا) پھر پہلی تصنیف

ہیں یہ بحث دیکھ کر میں نے بغیر زیادہ غور کے ایک خط ایڈیٹر صاحب کو لکھ دیا جس کو انھوں نے چھاپ دیا ہے۔ جہاں کانکریٹ آئیڈیاز[1] نہیں ہیں وہاں ایک زبان کے ایک لفظ کے مقابلہ میں دوسری زبان میں کوئی لفظ پانا جو بلحاظ تمام شیڈس آف مِیننگ[2] کے بالکل مطابق ہو۔ بہت مشکل ہے۔ اِس کے وجوہ آپ پر ظاہر ہیں۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ ہملٹن[3] نے جو بلحاظ صفات بیان کے بہت ممتاز سُنا جاتا ہے (اب تو وہ داخل دفتر ہو گیا ہے) افسوس ظاہر کیا ہے کہ انگریزی میں یونانی الفاظ فلسفہ کا پورا مفہوم ادا کرنے کو الفاظ نہیں ملتے۔ جب یہ صورت ہے تو غیر ذمہ دار لوگوں کے مشورے پر عمل کرنے میں آپکا تامل حق بجانب ہے۔ بعد غور کے

(بقیہ صفحہ ۴۵) جوش دُہرا دُہرا تھا۔ مولانا ابوالکلام صاحب الہلال کی فرمائش پر کتاب کا ایک باب الہلال میں اشاعت کے لئے گیا۔ میں نے اِن دو انگریزی لفظوں کے ترجمے حظ و کرب تجویز کئے تھے۔ الہلال نے اس پر نوٹ دیا کہ ان کے بجائے لذت و الم مناسب ہیں اور اس پر ایک طویل و سرگرم بلکہ تلخ و تند سلسلۂ بحث الہلال ہی میں چل نکلا الہلال نے اپنی تائید میں ایک مکتوب حضرت اکبر کا شائع کیا تھا۔ اِس خط اور اس کے بعد والے خطوط میں اشارے اِسی بحث سے متعلق ہیں ؛

[1] Concrete Ideas مادی تصورات۔ مادی و محسوس چیزوں کے تصوّرات

[2] Shades of Meaning معانی کے باریک و نازک فرق ؛

[3] سر ولیم ہملٹن۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں برطانیہ کے ایک نامور فلسفی تھے؛

میں اپنے خط کو واپس لیتا ہوں۔ آپ نے کوئی شعر نہیں کہا کہ میں کہہ سکوں کہ فلاں لفظ کے عوض میں فلاں لفظ ہو۔ تو زیادہ معنی خیز ہو۔ آپ اصطلاحات علمی کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اگر ہماری زبان یا مشرقی لٹریچر میں انہوں نے رواج پالیا۔ (جس کی بہت کم اُمید ہے) تو انکی پابندی خواہ مخواہ لازم آئے گی۔ بلحاظ ڈفنیشنن[1] (تعریفات) کے ذہن مفہوم قائم کرنے میں خطا نہ کریگا۔ منشی امیر احمد صاحب مرحوم مینائی[2] نے ایک دفعہ مجھ سے بذریعہ تحریر سوال کیا تھا (۱۸۹۸ء میں) کہ محاورے اور اصطلاح میں کیا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ محاورے نے جس طرح ترکیب پائی ہے۔ اسی ترکیب کی پابندی بولنے میں ضروری ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اس محاورے کا استعمال کیا جائے۔ یہ جائز ہے کہ اس مفہوم کو اور الفاظ میں ادا کریں۔ لیکن اصطلاح کی پابندی ضرور ہے جو شخص اس علم یا فن میں بحث کرے۔ وہ اپنے مفہوم کو اسی اصطلاح میں ادا کرے۔ (یہ میں نے مختصر لکھ دیا ہے مثالیں ترک کی ہیں) منشی صاحب مرحوم نے بہت پسند کیا اور منظور فرمایا۔ بس آپ جو الفاظ (بعد غور) مقرر فرمائیں گے۔ ہم طالبانِ علم پہ اس کی پابندی لازم ہوگی۔ پس یہ خیال ضروری ہے کہ حتی الامکان ثقالت و طوالت سے احتراز کیا جائے

---

[1] (Definations)

[2] اردو کے مشہور شاعر اور امیر اللغات کے مصنف ۔

اور تعریفات واضح طور پر لکھ دی جائیں۔ راحت و الم۔ لذت و الم راحت و اذیت۔ لذت و اذیت۔ حظ و کرب وغیرہ میں سے جو چاہئے لے لیجئے۔ "میں آپ کے شعر سن کر بہت محظوظ ہوا" "اُن سے ملنے میں کچھ حظ نہ آیا" "حظ نفسانی سے احتراز کرنا چاہیئے"۔ اردو فارسی میں بلاشبہ یہ الفاظ پلیثر کے مفہوم میں مستعمل ہیں۔ کرب تو عربی میں بھی تکلیف و مصیبت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں پڑھتا ہوں وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی موسیٰ وھارون ونجیناھما وقومھما من الکرب العظیم۔ البتہ کرب شاید پین کا بڑھا ہوا درجہ ہے۔ لیکن جیسا میں عرض کر چکا۔ تعریفات لکھ کر جو اصطلاح مقرر کر دیجئے گا۔ اس کی پابندی ہو جائے گی۔ کم از کم معنوں میں اختلاف نہ ہوگا اور یوں تو ہر شخص کا دل ہے اس کی حالت ہے۔ اس کی زبان ہے۔ کوئی عاشق آہ کرنے میں حضرت قیس کے سروں کا پابند نہیں۔ بہر کیف آپ کے سامنے نہایت مشکل اور عظیم الشان کام ہے۔ اور اسوقت اور اسی جماعت میں آپکے مذاق اور آپ کے معلومات نے آپکو اسکا اہل کیا ہے۔ ہم لوگوں کو حق نہیں ہے کہ بغیر شرکت اور ذمہ داری کے آپ کو ٹوکیں۔ ہاں مشورت مطلوب ہو تو حاضر رہنا چاہیئے۔ یہ تو خیر کچھ الفاظ کا مرتب اور یکجا کرنا ہے۔ اللہ آپ کا علم اور آپ کی عمر زیادہ کرے۔ امید تو یہ رکھنی چاہیئے کہ عالم معانی میں آپ کے ذریعہ سے طبع انسانی کو فائدہ ہوگا اور بالآخر آپ کسی بڑے اور مفید نتیجے پر پہنچ کر اس کو اپنی صفائی بیان سے روشن

کریں گے۔ میں تو آپ سے ملنے کا بہت مشتاق رہتا ہوں۔ بہت سے امور ہیں۔ جن پر آپ کی توجہ رجوع کروں اور اپنی تسکین کے لئے آپ سے اظہار خیال چاہوں۔[۱] کیا کہوں عجب مصائب میں ہوں اور کوئی ہم نفس وہمدرد وہم خیال پاس نہیں۔ بسا اوقات لکھنا مشکل ہوتا ہے معلوم نہیں یہ مطول نیاز نامہ آپکو کیونکر لکھ سکا۔ پھر بھی جس ارادے سے قلم اُٹھایا تھا پورا نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ بعد ماہ صیام دو چار دن کو لکھنؤ آؤں ہنگامہ اور تکلفات کی جگہ سے دل اجتناب کرتا ہے آپ اگر کبھی الہ آباد تشریف لائیں تو جب تک میں یہاں ہوں بوریا اور نان جویں حاضر ہے۔ میاں حفیظ صاحب کہاں ہیں[۲]؟ پاس تو وہ ہو ہی گئے ہوں گے معلوم ہو تو اطلاع دیجئے۔ خدا کرے آپ کو کالج کورس سے جلد نجات ملے[۳] مغربی فلاسفروں کو (بعض مباحث میں) آپ نے ماشا اللہ خوب اسٹڈی کیا۔ شاید ہی کوئی آپکا مقابل ہو۔ آپ کو اتنی فرصت ملے کہ آپکا باطنی فلاسفر

---

[۱] اللہ اللہ! یہ ۶۷ سال کی عمر کا فاضل فلسفی و شاعر۔ ۲۱ سال کی عمر کے نوخیز سے خطاب کر رہا ہے! حد ہے انکسار و تواضع کی ؎

[۲] میرے قدیم رفیق و ہم سبق۔ اب ڈاکٹر حفیظ سید ایم اے پی۔ ایچ ڈی وغیرہ کے القاب سے ملقب الہ آباد یونیورسٹی میں اردو کے استاد ہیں۔ اُسوقت غالباً بی۔ اے کرکے ٹیچرز ٹریننگ کالج میں تعلیم پا رہے تھے ؎

[۳] میں اس وقت فلسفہ لے کر ایم۔ اے میں پڑھ رہا تھا ؎

اوراق لیل و نہار کو دیکھ کر ہمارے سامنے ایک ادبی مجمل تصنیف یا کم سے کم مغربی فلسفے یا عام فلسفے کا تعارف کرے[1] ؎

(۲)

الہ آباد - یکم ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ ! میں نے ابھی الہلال کو لکھ بھیجا ہے - کہ میں اس تحریر کو واپس لیتا ہوں آپ کو بھی اجازت دیتا ہوں کہ ان الفاظ کی بحث میں (جس غرض سے وہ پیش ہے) مجھ کو اپنے خلاف نہ سمجھئے - آپ کی کل تحریر سے مجھ کو اتفاق ہے - بجز اس کے کہ ہیپنس[2] کا ترجمہ لذت میں ابھی نہیں سمجھا - لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد سمجھ لینے کو تیار ہونگا الفاظ کو ہمارے مفہومات کا تابع ہونا چاہیئے - مدت سے مجھ کو یہ آئڈیا تھا - لیکن کالکٹو سیکالوجی[3] کا لفظ آپ سے سنا اور بہت خوش ہوا - اور آئندہ کے لئے آپ سے بہت امیدیں ہوگئیں ؎

آپ فلاسفر ہیں - شعر کی قدر زیادہ نہ ہوگی - لیکن واقعات موجودہ کے لحاظ سے شاید ان اشعار کو ناپسند نہ کیجئے -

بھائی صاحب تو ادھر فکر مساوات میں ہیں
شیخ صاحب[4] کو سنا ہے کہ حوالات میں ہیں

---

[1] یہ لفظ صاف پڑھا نہ جاسکا - اندازے سے لکھ دیا گیا ہے ؎

[2] (Happiness)   [3] (Collective Psychology)

[4] ملاحظہ ہو صفحہ ۴۷

قوم کے حق میں تو الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں
صرف آخر کے مزے ان کی ملاقات میں ہیں
سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بکف
بس ہمیں اس رزولیوشن کی خرافات میں ہیں

افسوس ہے کہ مجھ کو حوادث نے بہت ہی دِل شکستہ اور بے تعلق کر دیا۔ ورنہ آپ کا ایک اچھا اسسٹنٹ ہوتا۔ یہ بھی سمجھتا ہوں ؎ہر کسے را بہر کاری ساختند۔ میں لکھنو آؤں گا تو ضرور آپ کو اطلاع دوں گا۔ خدا آپ کو مدارج عالی عطا کرے اور راحت القلوب بنادے اگر مولوی کرامت حسین صاحب[ل] سے ملاقات ہو تو میرا سلام فرما دیجئے گا۔ یاد آتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے ایک زمانے میں بہت سے علوم و فنون کے مصطلحات انگریزی و عربی و اردو جمع کیے تھے۔ مصطلحات کمیٹی[ع] کا

(صفحہ ۴۶ کا) کانپور میں گولی چلی ہے اور ایک قدیم مسجد جو ایک زیر تعمیر سڑک کے درمیان پڑتی تھی۔ اُسکا طہارت خانہ وغیرہ شہید کر دیا گیا ہے۔ بہت سے مسلمان گرفتار ہوئے ہیں اور انہیں میں اس وقت کے ایک مشہور عالم و خطیب مولانا آزاد سبحانی بھی ہیں۔

ل سید کرامت حسین کنتوری بیرسٹرایٹ لا الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے اور اب پنشن کے بعد لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہربرٹ اسپنسر کے فلسفہ کے گویا حافظ تھے۔ اردو انگریزی عربی تینوں زبانوں میں صاحب تصنیف تھے۔

ع غالباً انجمن ترقی اردو کے ناظم اول ہونے کی حیثیت سے ٭

ترجمہ میں نے اپنے ایک عزیز سے جو بہت ذہین اور ذی علم ڈاکٹر ہیں۔
لکھوا کر بھیجدیا تھا۔ دعاگوے شما
اکبر حسین

(۳)

الہ آباد - ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - محبّت اور قدر افزائی کا سراپا شکر گذار ہوں - علیل تھا پھر مہمانوں کا سلسلہ رہا - کل ڈاکٹر اقبال صاحب جو مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے دہلی گئے - اس سبب سے جواب خط اب تک نہ لکھ سکا تھا - میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جو اصطلاحیں مقرر کر دیجئے - طالب علم کو مان لینا چاہیئے - آپ کے پاس ہوتا تو اظہار رائے میں آسانی ہوتی - بہر حال آج یا کل مختصر جواب عرض کروں گا - جونپور کا قصد ہے اگر اچھا رہا تو وہاں سے لکھنواؤنگا[1] - انشاء اللہ - اگرچہ آپ ماشاء اللہ خود لائق و فائق ہیں - لیکن امید ہے کہ مکالمت زبانی سے وسعت خیال پیدا ہو - آپ سے ملنے کا آرزومند بھی ہوں -

آپکا دعاگو اکبر حسین

---

[1] جونپور میں حضرت اکبر کے فرزند اکبر ڈپٹی کلکٹر تھے - میری مستقل سکونت اس وقت تک لکھنؤ کی تھی اور کئی سال بعد تک رہی *

(۴۷)

الہ آباد - ۱۴ ستمبر ۱۳ء

حبیبی و مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ آپ جب یہاں مجھ سے ملے تھے - اس کے بعد میں شدید مصائب میں مبتلا ہو گیا - میرا لڑکا سید ہاشم جو نہایت ذہین - ہونہار - توانا - بالا بلند - موزوں طبع - عاقل - خدا پرست، شعر فہم - میرا خادم مشیر و شفیع تھا اور جس نے چودھویں سال میں قدم رکھا تھا - یکایک سرسام میں مبتلا ہو کر مجھ سے ہمیشہ کو جدا ہو گیا - بی بی پہلے مر چکی تھیں ؎ - وہی لڑکا دنیاوی زندگی کا سہارا تھا - مذہب اور فلسفۂ تصوف نے دیوانگی سے محفوظ رکھا - لیکن بیحد افسردہ اور دنیا سے بے تعلق ہو گیا ہوں - ہوش و حواس سے مجبوری ہے - میں نے الہلال کے آرٹیکل نہیں دیکھے تھے - صرف اسی پر نظر پڑی تھی کہ حظ و کرب لذّت والم میں کس کو ترجیح ہے - پچھلے دونوں لفظ بہت مانوس تھے - میں نے الہلال کو دو سطریں لکھ بھیجیں - اس کے بعد میں نے آرٹیکل پڑھے آپ کی مشکلات کا خیال آیا - لہٰذا میں نے دست برداری کی ؎

نہ گفتہ نہ دارد کسے با تو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

"دانم چرا نگویم" کی تو افراط ہے - لیکن مددا ور کام کی بات بہت کم ہے - آپ نے اپنے پہلے خط میں بہت صحیح خیالات ظاہر کئے تھے - کہ

؎ اور یہ بیوی صاحبہ حضرت اکبر کی خاص محبوب بیوی تھیں +

اِس کام کے اہل ہندوستان ہی میں نہیں ہیں۔ بیشک کیوں ہونے لگے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابو الفضل کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اکبر پیدا ہوں تو وہ بھی پیدا ہوں۔ یہ میرا خیال ضرور ہے کہ ترجمہ کرنیوالے کو اس زبان میں جس میں ترجمہ کیا جائے۔ زیادہ تجربہ چاہیئے۔ کیونکہ بہ نسبت سمجھنے کے سمجھانا مشکل ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ماشاء اللہ آپ زبانِ عربی کے قواعد سے بیگانہ نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ بہرطرح اطمینان ہے۔ مجھ کو بہت شبہ ہے کہ آیا یہ الفاظ جن کو ہم آپ جمع کرتے ہیں کبھی وہ زندگی پائیں گے جو مغربی فلسفیانہ الفاظ کو حاصل ہے۔ لیکن بہرکیف کوشش کرنی چاہیئے۔ سید سلیمان[1] سے مجھ سے شاید ملاقات ہوئی ہو۔ یا نہیں اگرچہ ان کی تحریر میں جیسا کہ آپ نے خود نوٹ کیا ہے Irrelevent[2] باتیں بہت ہیں (اور بغیر ان کے وہ کام ہی نہیں چل سکتا) لیکن کچھ اچھے Suggestions[3] بھی۔ اگر وہ آپ کے مشیر اور خادم ہیں تو بہت آسانی ہو سکتی ہے۔ وہ وہیں موجود ہیں اور بلا تکلف بحثیں ہو سکتی ہیں۔ میں تو اولاً خود بے بضاعت، دوسرے بے حد معذور ہو رہا ہوں۔ چار دن سے اعضا شکنی ہے۔ داہنے کان میں

---

[1] جواب ماشاء اللہ مولانا حاجی شاہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی ہیں۔ اسوقت الہلال میں مولانا ابو الکلام کے رفیق تھے اور انکی بھی ایک تحریر اسی مسئلہ مصطلحات پر شائع ہوئی تھی۔

[2] یعنی غیر متعلق [3] یعنی مشورے۔

درد ہے۔ دیکھئے کب سفر کے قابل ہوں ارادہ تو یہ ہے کہ جونپور جاؤں وہاں دو ایک دن رہ کر لکھنؤ آؤں۔ میرا دل تو اب زیادہ دنیاوی زندگی کے نتائج سے متعلق ہے۔ منطقی شاید کہتے ہیں کہ بلا مدد الفاظ خیال نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجھ کو تو غم بلا امداد الفاظ ہوتا ہے اور پھر شاعر کی زبان کا کیا ٹھکانا۔ میں آپ کو مذاق شعر سے کس طرح بے بہرہ سمجھوں۔ غالب کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت دل آویز ہے۔ درحقیقت جو شعر میں نے آپ کو لکھے تھے۔ وہ شعر نہ تھے۔ پولٹیکل ہنگامے کے متعلق ایک رائے کا اظہار تھا۔ آج مشکل سے لکھنے کو بیٹھ سکا۔ کچھ نوٹ کر دیئے ہیں۔ عضویات مجھ کو بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یائے نسبت لگا یئے تو الف اور تے کو حذف کر دینا ہی اولیٰ نظر آتا ہے طبعیات سے طبعی متنازعہ لفظ تو حظ ہے اور شاید کرب بھی۔ اس کے متعلق کچھ نوٹ لکھ دیئے ہیں۔ طبیعت نہایت مضمحل ہے۔ کتابیں بند پڑی ہیں اور بے ترتیب

---

[1] انڈین پریس الہ آباد نے ایک مصوّر ادیب کے نام سے نکالا تھا۔ میرا ایک مضمون اس میں غالب کے فلسفہ پر نکلا تھا۔

[2] میں نے اردو مصطلحات نفسیات کی ایک فہرست رائے و مشورہ کے لئے چار یا پانچ دوسرے صاحبوں کے علاوہ حضرت اکبر کی خدمت میں بھی بھیجی تھی۔ اکبر نے اسی فہرست کو اپنی ترمیمات کے ساتھ واپس کیا ہے۔

[3] میں نے فزیالوجی کے لئے "عضویات" اور فزیالوجیکل کے لئے "عضویاتی" تجویز کیا تھا اس وقت تک اردو میں فزیالوجی کے لئے "علم وظائف الاعضا" مستعمل تھا۔

ہیں۔ کچھ مدد نہ لے سکا۔ درد سر سے پریشان ہوں۔ میں آپ کے مشاغل اور عادات اور حالات سے آگاہ نہیں ہوں۔ لہٰذا اس لکھنے کی جرأت نہ کر سکا گر دو چار دن کو یہیں تشریف لائیے۔ خدا آپ کو ترقیات ظاہری و باطنی عطا کرے[۱] اور آپ اس مصرعہ کے مصداق ہوں ع

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد

افسوس ہے کہ اسباب انتشار قومی بہت جمع ہیں اور کوئی شخص اتنا فارغ البال نہیں نظر آتا کہ پوری آزادی سے طلب علم میں زندگی صرف کرے۔ اچھی سوسائٹی بھی ہم کو میسّر نہیں۔ آپ سے انشاءاللہ ملاقات ہو گی تو بہت باتیں ہو سکیں گی۔

آپ کا نیازمند اور دعاگو۔ سیّد اکبر حسین

ہاں جناب الہلال صاحب نے میرا خط نہیں چھاپا۔ لکھا کہ میرے دوسرے آرٹیکل کے منتظر رہیئے۔ آپ کی فلسفہ دانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ میں نے اُن کو بھی مشورہ دیا کہ جب جملہ امور متعلقہ پر لحاظ کرنا منظور و ممکن نہیں تو اعتراض سے اعراض اولیٰ ہے۔ بہرکیف یہ خفیف بات ہے۔ ہوتا ہی رہتا ہے۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام فرما دیجئے[۲]

---

[۱] اس بے ہنر کو اگر کچھ بھی آیا ہے تو اس میں اکبر جیسے باخدا کی دعاؤں کو یقیناً دخل ہے۔

[۲] مولوی عبدالمجید صاحب اس وقت نائب تحصیلدار تھے۔ ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ گریڈ تک پہنچ کر پنشن لی۔

تیسرے خانے میں جہاں میں نے آپ کے دو لفظوں میں سے ایک لفظ سرخ روشنائی سے لکھ دیا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مجھ کو وہی لفظ مرجح معلوم ہوتا ہے ۔

ہاں ایک ضروری خیال ظاہر کرنے سے رہ گیا۔ غالباً علمائے مصر نے اِن علوم میں مغربی فلسفہ سے باخبر ہو کر تصنیفات کی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو کیوں نہ اُن سے بشرط امکان موافقت کی جائے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ اِن جملہ الفاظ کو پبلک کے سامنے بغرض کری ٹی سزم[۱] پیش کر دیں اور بعد کسی بحث کے جو بیش ہو فیصلہ ہو۔ یہ خط روانگی سے رہ گیا تھا۔ کان کے درد میں مبتلا ہوں ۔

(۶)

الہ آباد ۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ آپ نے خط میں جو مضمون متعلق الفاظ سابقہ و لاحقہ[۲] وغیرہ کے لکھا ہے وہ نہایت صحیح ہے۔ آپ نہ صرف مرادف المعانی الفاظ ڈھونڈھتے ہیں۔ بلکہ ایک عمدہ سسٹم الفاظ کا اُردو میں قائم کیا چاہتے ہیں اور اسی بات نے آپ کے کام کو بہت مشکل کر دیا ہے۔ Happiness Misery

---

[۱] یعنی تنقید (Criticism)۔

[۲] یعنی Prefix اور Suffix ۔

کا ترجمہ دُکھ سکھ بہت اچھا ہے - لیکن یہ الفاظ اس انجمن میں بے وقعت ہیں۵ - اتفاقاً مولوی حمیدالدین صاحب سے ملاقات ہوئی میں خوش ہوا کہ آپ نے ان کے پاس بھی فہرست بھیج دی تھی - پبلک کے سامنے پیش کرنے سے میرا یہی مطلب تھا کہ ایسے بزرگوں کے سامنے پیش ہو وہ فرماتے تھے - کہ Prestige کا ترجمہ دھاک صحیح ہے - میں نے کچھ کہا نہیں لیکن یہ خیال آیا کہ شاید رعب میں یہی مطلب پورا ہو جاتا ہے - میں نے تو اُردو میں مفہوم کے اعتبار سے سطوت کو پاکیزہ لفظ سمجھا تھا - البتہ خود تاثری کی ترکیب صحیح نہ معلوم ہوئی - یائے توصیفی اسم صفت میں بڑھاتے ہیں - خود متاثری البتہ ہو سکتا ہے - بعد استعمال غیر مانوس نہ رہے گا - میں سخت تکلیف میں ہوں - اس وقت کان پر پلٹس باندھی گئی ہے - نجات ملے تو قصدِ سفر کروں -

اکبر حسین

(۶)

الہ آباد - ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - ایک بات ذہن میں تھی لکھنا بھول

---

۵ اشارہ ہے مولانا ابوالکلام کے ہم خیالوں کی جانب - جن کے ہاں قواعد عربیت پر زیادہ زور تھا -

۶ یعنی مولانا حمیدالدین فراہی مرحوم مفسر قرآن اسوقت میور کالج الہ آباد میں عربی کے استاد تھے ؎

گیا۔ اُسی فہرست الفاظ کے متعلق جو آپ نے پہلے بھیجی تھی۔ اور جو اسوقت میرے سامنے نہیں ہے Abstract Ideas کا ترجمہ لوگوں نے خیالات منتزعہ کر رکھا ہے۔ انتزاع سے جس کے معنی کھینچنے اور نکالنے کے ہیں۔ آپ نے شاید کوئی اور لفظ رکھا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہوگا۔ ورنہ یہ میں تنظر کرتا۔ لیکن آپ نے نہ خیال کیا ہو تو اب خیال کر لیجئے۔ اگر لفظ موزوں موجود ہو تو عدول کی کیا ضرورت۔ پرسٹیج کے لئے ایک لفظ وقار رات میرے ذہن میں آیا۔ لیکن صرف اُردو بول چال میں یہ لفظ اس آئیڈیا کے قریب ہے۔ تمہارا وقار رات جاتا رہا۔ تمہارا بڑا وقار ہے بشرط صحت کامل جونپور جانے کا ارادہ ہے۔ حفظ کا ٹھیک اپوزٹ ٹرم مجھ کو سوائے حرمان کے کوئی نہیں ملتا۔ دعاگوئے شما۔ اکبر حسین

لیکن حرمان میں بین کا آئیڈیا صریحی نہیں ہے۔ اُردو میں مایوسی کے معنوں میں شعرا کی زبان پر ہے۔ یاس و حرمان غالباً کہہ سکتے ہیں۔ وہ محظوظ ہوئے۔ میں محروم رہا۔ لذت والم میں کچھ حرج نہیں لیکن واضع مصطلحات کو اختیار ہے۔ آپ کے دوست الہلال کا زرِ ضمانت ضبط ہو گیا ؎

مغرب کی برق ٹوٹ پڑی اس غریب پر
دورِ فلک ہلال کو لایا صلیب پر

۱؎ مقابل لفظ ٭ ۲؎ الہلال کی ضمانت بین اس زمانہ میں گورنمنٹ نے ضبط کر لی اور پرچہ کو کچھ روز کے لئے بند ہونا پڑا۔ اکبر صنعتوں کے بھی بادشاہ تھے مغرب اور غریب کی۔ اور مغرب اور ہلال کی اور برق ہلال اور فلک کی مناسبتیں بالکل ظاہر ہیں۔

(۸)

جونپور - ۱۶ استمبر ۱۹۱۳ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! میں کل جونپور پہنچا - دن بھر درد سر میں مبتلا رہا۔ صحت کی خرابی نے مجھ کو بیکار کر دیا ہے - میں سمجھتا ہوں کہ لفظ وقار پرسٹیج کے لئے نہایت اچھا بلکہ ٹھیک اُسی سینس[۵۱] میں ہے جس میں انگریز پرسٹیج کا لفظ یہاں استعمال کرتے ہیں - دھاک اور رعب اسٹرانگ ٹرمس[۵۲] ہیں - وقعت بہت ڈھلا لفظ ہے وقار، سطوت کی طرح سجل، سڈول اور آپ کی پسند کے لائق ہے اور روزمرہ میں داخل ہے - اس کے لغوی معنی میں بھی (وزن - دباؤ - گراں ہونا) پرسٹیج کے لغوی معنی کا آئڈیا تاویلاً موجود ہے - لیکن میں زور نہیں دیتا ع اپنی وہی صلاح ہے جو یار کی صلاح - آپ نے محاورہ اُردو سے استدلال کر کے لفظ حظ و محظوظ کو میری نظر میں پلیزر سے ایسا موافق و قریب کر دکھایا ہے کہ میں لذت کی سفارش اسی بنا پر کہ سکتا ہوں کہ وہ بھی کام دیتا ہے اور شاید پاپولر[۵۳] ہے - امید کہ بشرط صحت دو تین دن بعد لکھنؤ حاضر ہوں - آپ سے ملنے کی بھی مسرت بلکہ عزت حاصل کروں -

اکبر حسین

---

۵۱ Sense. یعنی مفہوم ؞

۵۲ یعنی تیز الفاظ ؞

۵۳ Popular. یعنی مانوس - عام فہم

(۹)

عنایت فرمائے من سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ مس ماڈ[۱] سے آگاہ ہو گئے۔ برہنہ ہو کر ایسا ناچتی ہیں کہ شائقین سائنس کو وجد آجاتا ہے[۲]۔ ہندستان آرہی ہیں۔ لوگوں نے روکنا چاہا۔ پانیر لکھتا ہے کہ اگر آج اس ناچ کی اجازت ملی تو *The prestige of the White woman. in India will be somewhat injured.*

اب ذرا دیکھئے "برسٹج" یہاں کس سنس میں استعمال ہوتا ہے۔ دہاک کا لفظ موزوں نہیں ہے شاید سطوت بھی بے موقع ہو۔ البتہ وقعت کا لفظ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ وقعت میں بھی دہاک کا آئڈیا موجود ہے۔ اطلاعاً لکھا گیا۔ امید کہ آپ اچھے ہوں۔ میں ہنوز زیر علاج ہوں۔ خدا کرے۔ آپ جلد الفاظ کے پھندے سے رہائی پائیں۔ آپ کے ذہن کو عالم معانی کے بالاتر درجوں میں مصروف ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ بغیر الفاظ کے کام نہیں چلتا - دعا گوئے[۳] شما۔

اکبر حسین

۱؎ *Maude*۔ اُس وقت انگلستان کی مشہور رقاصہ تھیں۔

۲؎ *Tango Dance.* کے نام سے اس کا ایک خاص رقص ایسا ہوتا تھا کہ انتہائی تیز گردش کے وقت لباس کے سارے تار ہوا میں اڑنے لگتے تھے اور جسم دو چار سیکنڈ کے لئے بالکل برہنہ ہو جاتا تھا۔

۳؎ اب مسلسل ایسی دعائیں دینے رہنے والا کون ملیگا۔

(۹)

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ کی محبت اور عنایت اور مہربانی اور سعادت اور نیک دلی ہے کہ آپ نے مجھ کو قابل مشورت سمجھا ہے۔ اگر کچھ جانتا بھی تھا تو اب سب بھول گیا۔ اردو زبان پر بھی عبور نہیں ہے۔ البتہ مذاق شاعری کے سبب سے لفظوں کی ترتیب سے وسیع معانی پیدا کر لینے کا کچھ سلیقہ تھا۔ وہ بھی اب حیرت اور غم کی کثرت سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ میں نے الہلال کی گواہی اسی سبب سے واپس لی تھی کہ ایک لفظ پر کسی ایک پہلو کے لحاظ سے ٹوک دینا آسان ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی نظر میں مفہومات فلسفہ ہیں۔ آپ سسٹم چاہتے ہیں۔ سمٹری[۱] چاہتے ہیں نہایت بلند اور مشکل کام ہے۔ اعتراض بیجا ہے۔ بجز اس کے کہ آپ ہی کی طرح آپ کے ساتھ اس کام میں دن رات غرق رہے۔ بہرکیف جن امور کی نسبت آپ نے مشورہ کیا ہے۔ کچھ نوٹ اس نیاز نامہ کی پشت پر مندرج ہیں۔ خدا کرے آپ کو کچھ مدد دے۔ اگر زندگی باقی ہے تو جلد آپ سے ملنے کی مسرت حاصل کرونگا۔ انشاء اللہ بشرط صحت کل یا پرسوں جونپور اور دو تین دن بعد لکھنو کا قصد ہے۔ میں قیصر باغ میں راجہ[۲]

---

[۱] Symmetry. یا تناسب

[۲] یعنی راجہ علی محمد خان بہادر والئی محمود آباد۔ بعد کو مہاراجہ ہو گئے تھے اس وقت سارے قومی حلقہ میں راجہ صاحب سے مراد وہی ہوتے تھے۔

صاحب کے یہاں ٹھہرا کرتا تھا۔ لیکن تکلفات کا متحمل نہیں ہوں اور خیالات بہت کچھ بدل گئے ہیں بلکہ کم ہو گئے ہیں۔ غالباً امین آباد پارک حاجی عبدالحق صاحب ایجنٹ گراموفون کمپنی کے مکان پر ٹھہروں۔ وہ میرے ایک قدیم بے تکلف شناسا ہیں۔ میری تسکین کو جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اس کا شکر گذار ہوں۔ آفتاب علم آپ اب بھی ہیں۔ خدا کا فضل شامل حال رہا۔ تو عمر و عروج کے ساتھ آپ کی شعاعیں زیادہ ہوتی جائیں گی یہ رسائی میں زیادہ ہوں گی۔ اب عقلوں تک پہنچتی ہیں تو آئندہ دلوں تک پہنچیں گی۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے صحیح ہے۔ لیکن جہاں آپ وہاں ہم۔ ہم آپ سے زیادہ کیا خوش عقیدہ ہو سکتے ہیں۔ ہاں عمر اور تجربہ کے سبب سے EGO.[۱] آپ کے مقابلہ میں زیادہ محسوسات کا مجموعہ ہے۔ اکبر

(۱۰)

جونپور۔ یکم اکتوبر ۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں ۲۵ ستمبر کو یہاں آیا۔ دو ایک دن کے بعد ارادہ لکھنؤ کا تھا۔ لیکن طبیعت صحیح نہ رہی۔ جرأت سفر نہ کر سکا۔ ادھر حضرت حفیظ ابدی کا خط پہنچا کہ مولوی عبدالماجد صاحب دہلی سے ۸ ۲ / کو لکھنؤ آئیں گے۔ اور دوسرے دن پھر دہلی چلے جائیں گے۔ اس سبب سے امید نہ رہی کہ آپ لکھنؤ میں ملیں گے۔ اگر اچھا رہا۔

---

[۱] فلسفہ کی اصطلاح "نفس" یا "انا" کے معنی ہیں۔

تو انشاء اللہ کل صبح کی ریل میں لکھنؤ کا قصد ہے۔ سردست تو امین آباد پارک میں حاجی عبدالحق صاحب ایجنٹ گراموفون کمپنی کے مکان پر قیام کا قصد ہے پھر دیکھا جائیگا اگر زیادہ قیام ہوا۔ میں نے پرسٹیج کا ترجمہ وقار آپ کو لکھا اور اسی پر اطمینان ظاہر کیا۔ لیکن غور کے بعد معلوم ہوا کہ جہاں تک "وہائٹ ومن" کے فقرے سے تعلق ہے وقار نہایت ٹھیک ہے۔ لیکن انگلش ریس کا پرسٹیج انڈیا میں وقار کے سنس میں بہت صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ہم کبھی کہتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب کا حکام میں بہت وقار ہے۔ اس سے رعب و سطوت کا مفہوم نہیں نکلتا۔ لہذا آپ کی سطوت قائم رہتی ہے۔ رعب ہو یا سطوت رعب میں (Intensity) زیادہ ہے۔ سطوت کے معنی حملے کے ہیں۔ لیکن رعب کا مفہوم بھی ہماری زبان میں تو ہے۔ خدا کرے آپ اچھے ہوں اگر میں لکھنؤ پہنچا اور آپ نہ ملے تو حسب ضرورت الہ آباد ہی خط بھیجئے گا ؀ اکبر حسین

(۱۱)

الہ آباد - ۱۱ر اکتوبر ۱۳ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! میں ۷ر اکتوبر کو بخیریت الہ آباد پہنچ گیا۔ لیکن طبیعت کو سکون و اطمینان نہیں ہے۔ نہیں معلوم اس وقت کیا پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔ کہ قوم و گورمنٹ دونوں کی بدگمانی سے حفاظت ہو۔ خدا ملک پر رحم کرے۔ میں آپ صاحبوں کی مہمان نوازی

ومحبت وعنایت کا نہایت ممنون[۱] ہوا۔ خدا نیکنامی کے ساتھ مدارج عالی کو پہنچائے۔ آپ کن علوم کے فرہنگ یکجا کر رہے ہیں اور ہر علم میں کس مصنّف یا مصنّفین کی تصنیفات کو پیش نظر رکھا ہے اگر جواب میں طوالت ہو تو جانے دیجئے کچھ بات نہیں ہے۔ عزیزی مولوی عبدالمجید صاحب کی خدمت میں دعا و سلام۔ اکبر حسین

(۱۲)

۱۵ اکتوبر ۱۳ء

عزیزم سلمہٗ۔ میں نے آپ کو حصہ دوم کلیات کا بھیج دیا۔ پہنچا نہیں ؟ آپ نے اس کا ذکر نہیں لکھا۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام فرما دیجئے۔ دُعاگو اکبر حسین

(۱۳)

الہ آباد۔ ۲۱ اکتوبر ۱۳ء

عزیز المکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ۳ ستمبر کے پرچہ الہلال میں جو فہرست علوم کے نام کی شائع ہوئی ہے۔ کاش ہر ایک علم کے ساتھ اس علم کے دو ایک مسئلہ بھی لکھ دیئے جاتے تو یہ فہرست بہت مفید ہو جاتی۔ کیوں نہ صاحب مضمون سے درخواست کی جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ الہلال

---

[۱] حضرت اکبر اس درمیان میں لکھنؤ تشریف لائے اور ایک آدھ وقت کا کھانا غریب خانہ پر تناول فرمایا۔

نے موجودہ مضمون شائع کر دیا ہے۔ کِس تاریخ کے پرچہ میں شائع کیا ہے؟
اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا اسلام فرما دیجئے۔

آپ صاحبوں کا دعاگو و ترقی خواہ   اکبر حسین

اپنی صحت و تندرستی کی طرف بہت توجّہ رکھئے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ اِس بحث کا کہ ایگو[1] ہمارے موجودہ جسم کا کاز[2] ہے یا افکٹ[3] کیا قطعی فیصلہ ہوا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ سول[4] کی انڈویجوالٹی[5] اور اس کا پہلے سے موجود رہنا تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن بلا انڈویجوالٹی کے مادہ حیات مانا گیا ہے اور اِس بات میں اختلاف ہے کہ بعد مرگ انڈویجویل سول[6] قائم ہے یا نہیں۔ اگر ذہن میں ہو تو اشارۃً لکھیئے گا۔ ورنہ زحمت فضول ہے۔ آپ کو اپنے کام کی طرف توجّہ کرنا چاہیئے جو سر دست پیش اور ضروری ہے۔

(۱۶)

الہ آباد۔ ۹ رمئی ۱۹۱۴ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کو خط لکھنے کا اِرادہ

---

[1] (Ego) [2] (Cause) یعنی علت یا سبب

[3] (Effect) یعنی معلول یا نتیجہ [4] (Soul) یعنی روح ∴

[5] (Individuality) یعنی شخصیت یا انفرادیت ∴

[6] (Individual Soul) یعنی روح شخصی ∴

کر رہا تھا۔ لیکن ایڈریس بھول گیا۔ یہ کارڈ اگر آپ کو مل جائے تو اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے۔ پھر دوسرا خط لکھوں گا۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجئے۔ نیازمند۔ اکبر حسین

(۱۵)

۴ امئی ۱۹۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! مولوی شبلی صاحب سے یہ سن کر میں مطمئن ہوا تھا۔ کہ آپ اُن کے کام میں باضابطہ مددگار ہو گئے ہیں[1] آپ کی تعریف کرتے تھے۔ انشاء اللہ بمرورِ ایام آپ ہر طرح کا اطمینان اور ترقی حاصل کریں گے۔ الحمد للہ کہ آپ کا فلسفہ جذبات[2] مرتب و مکمل ہو گیا۔ میں آپ کو پھر خط لکھوں گا۔ اس وقت ایک امر دریافت طلب ہے اگر بلازحمت ممکن ہو تو مطلع فرمایئے۔ کتاب موسوم بہ منجد (عربی ڈکشنری) شاید وہاں ندوہ بک ڈپو میں فروخت کے لئے موجود ہے۔ یہاں اس کی خواہش ہے یہ دریافت طلب ہے کہ اس کی کیا قیمت ہے اور کس سے درخواست کرنی چاہیئے۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام فرما دیجئے۔ اکبر حسین

---

[1] مولانا نے مجھے سیرت نبویؐ کے سلسلہ میں انگریزی سے ترجموں کے لئے معاوضہ پر رکھ لیا تھا۔ ملاحظہ ہو خطوطِ شبلی کا ابتدائی حصہ۔

[2] میری پہلی کتاب۔

(۱۶)

الہ آباد - ۲۸ مئی ۱۹۲۱ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کا شکر گذار ہوں مجھے میرے خطوں کے جواب مِل گئے اور اطلاعیں حاصل ہوگئیں - کتاب جو آپ نے سعادت اور محبت اور قدر دانی سے بھیجی ہے - پہنچی[1] اور مجھ کو اپنا یہ شعر یاد آیا ؎

کھلا دیوان مرا تو شورِ تحسیں بزم میں اُٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطبع کا بل آیا

لہٰذا بے تکلفانہ ۵ر کا منی آرڈر بھیجتا ہوں - قیمت سے کچھ تعلق نہیں امید کہ آپ بلا عذر قبول فرمائیں گے - اور مجھ کو ممنون کریں گے - آپ کی محنت و توجہ نہایت ستائش کے قابل ہے - اُردو زبان میں یہ بہت قیمتی علمی اضافہ ہے - خدا آپ کو علمی ترقیاں نصیب کرے - سخن دِل کش بہت ہیں سخن سنجیدہ کے لئے بہت سمجھ چاہیئے - میرا ایک مطلع سن لیجئے ہے تو اور ہی رنگ - لیکن کچھ حظ حاصل کر سکیں گے -

بہت دشوار ہے شائستۂ راہ طلب ہونا
نظر کو حد میں رکھنا شوق دِل کا با ادب ہونا

گرمی نے بدحواس کر رکھا ہے ورنہ مطول خط لکھتا - انشاء اللہ پھر کبھی

---

[1] وہی فلسفہ جذبات ہدیتہً ارسال خدمت کی گئی تھی ؛

اپنے بھائی صاحب کے حضور میں تسلیم عرض کر دیجئے۔

آپکا دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۷)

الہ آباد - ۳۱ مئی ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ: میں نے قیمت نہیں دی۔ صرف طبع میں گویا شرکت کی۔ کوئی بات نہیں۔ آپ نے کیوں ایسا خیال فرمایا۔[1] آپ کو معلوم نہیں۔ آپ کے والد ماجد صاحب مرحوم میرے کیسے خاص عنایت فرما تھے۔ مجھ کو تو آپ کا خادم اور دعاگو رہنا چاہیئے۔ قطع نظر اس کے فی الواقع آپ کی محنت و توجہ اس کتاب کی تالیف بلکہ تصنیف میں مستحق اس بات کی ہے کہ اس کی قدر کی جائے۔ امانت رہنے کی کیا ضرورت ہے[2]۔ اس رقم کی بساط ہی کیا ہے۔ اپنے دلی خلوص اور ہمدردی کو میرے لئے امانت رہنے دیجئے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ واپس نہ کیا۔ میں ضرور سمجھتا کہ آپ نے ادب ملحوظ نہ رکھا۔ الحمد للہ کہ آپ صرف تحریر میں خط اقلیدس ہیں۔ بہ تاؤ میں شاخ گل ہیں۔ خدا روز افزوں ترقی نصیب

---

[1] میں نے لکھا تھا کہ "میں نے تو کتاب ہدیۃً پیش کی تھی۔ آپ نے قیمت ادا فرما کر سخت محجوب کیا"۔

[2] میں نے لکھا تھا کہ "آپ کی ناخوشی کے خوف سے رقم فوراً واپس نہیں کی۔ امانت رکھی ہوئی ہے۔ اجازت ہو تو اب واپس کر دوں"۔

کرے۔ میں نے کتاب فوراً جلد بندھنے کو دیدی۔ انشاءاللہ بغور دیکھوں گا۔ اشعار کی نسبت انشاءاللہ کبھی مِل سکا تو گفتگو ہوگی۔

دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۸)

الہ آباد۔ ۱۴ جون ۱۹۱۲ء۔

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ : میرا خط پہنچا یا نہیں جس میں میں نے آپ سے سنہ ہجری آپ کے والد صاحب مرحوم کے انتقال کا دریافت کیا ہے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجیے ! ایک اسٹیٹمنٹ آپ کی تعلیم اور تصنیفات کا لکھ لیا جائے تو اچھا ہے۔

آپ کا مشتاق دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۹)

الہ آباد۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سُنی۔ اب کیا شغل رہتا ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے۔ دِل چاہتا ہے کہ دو ایک روز کو لکھنؤ آؤں۔ بعض صاحبوں سے مِلوں اور زیادہ تر آپ کے مِلنے سے سرورِ دل حاصل کروں۔ کیا کہوں ایسے آلام اور مصائب روز افزوں میں مبتلا ہوں کہ طبیعت بجھی ہوئی ہے۔ پھر وہاں قیام میں بھی بہت تکلف ہوتا ہے۔ میں صرف سادہ غذا کھا سکتا ہوں۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔ سید اکبر حسین

(۲۰)

الہ آباد۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط نے مجھ کو مطمئن کیا تھا[1]۔ اور دل شکر گذار ہو گیا تھا۔ میں یکم اکتوبر کے بعد انشاء اللہ سفر کر سکوں گا۔ جناب محمد نسیم[2] صاحب بہت اصرار کر گئے تھے کہ آیئے۔ انکا خط آیا ہے۔ کہ میں توڑالی باغ میں رہتا ہوں۔ لیکن آپ کے لئے قیصر باغ والے مکان میں قیام مناسب ہو گا۔ مکان خالی ہے یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ آرام آپ کو مولوی نہال الدین[3] صاحب کے یہاں ملے گا۔ اور وہ بہت شوق سے چاہتے ہیں کہ آپ اُنکے مہمان ہوں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ بڑی مہربانی یہ ہو گی کہ اجازت دیدی جائے میں خود اپنا انتظام کر لوں۔ صرف جائے قیام کافی ہے۔ قیصر باغ میں۔ ابھی اس خط کا جواب نہیں آیا۔ خیالات اور حوادث نے میرے دل کو ایسا کر دیا ہے۔ کہ موجودہ سوسائٹی کا مدیون بننا نہیں چاہتا۔ کبر سے نہیں بلکہ اپنی ناتوانی کے سبب سے۔ افسردگی بھی مانع ہے۔ آپ کے طالبعلمانہ مذاق نے آپ کی طرف دِل کھینچا اور آپ کی برادرانہ

---

[1] میں نے لکھا تھا کہ اب کے لکھنؤ تشریف لایئے تو غریب خانہ کو سرفراز کیجئے۔

[2] حاجی محمد نسیم صاحب بی اے لکھنؤ کے نامور ایڈوکیٹ۔

[3] خان بہادر مولوی حاجی نہال الدین مرحوم پنشنر رجسٹرار چیف کورٹ اودھ۔

محبّت نے۔ مقصود بھی یہی ہے کہ آپ سے ملوں اور دو ایک صاحبوں سے جن کو ذوق سخن ہے اور اظہار ارادت کرتے ہیں اگرچہ آپ کی زحمت کا بھی خیال ہے۔ لیکن یہ کچھ بہت وقیع نہیں ہو سکتا۔ آپ کب باہر تشریف لیجائیں گے۔ در باب ملازمت کے آپ کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں[1] انشاء اللہ ملاقات ہوگی تو مفصل طور پر گفتگو ہوگی ؛

دعاگو۔ اکبر حسین

(۲۱)

الہ آباد۔ ۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ! یکم اکتوبر نے آپ کو میرا منتظر کر دیا ہوگا۔ ایسے اسباب جمع ہو گئے اور جمع ہوتے جاتے ہیں کہ میں ہنوز سفر کو اٹھ نہ سکا۔ نہ تاریخ معین کر سکتا ہوں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ ہفتے عشرے طبیعت بہت نادرست رہی۔ اب تک مطمئن نہیں ہوں۔ ایک صاحب نے دہلی سے ۱۴ کو تشریف آوری کی اطلاع دی ہے۔ دیکھئے کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بہر حال جب آسکا۔ حاضر ہونگا۔ آپ سے تکلف ہی کیا ہے۔ دہلی سے مراسلت کا منتظر ہوں۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا اسلام فرما دیجئے۔

دعاگو۔ اکبر حسین

---

[1] ایم اے کی تکمیل کا خیال چھوڑ کر اب میں ملازمت کی فکر میں ہوں۔ پیش نظر خصوصیت کیساتھ صرف تعلیمی عہدے ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۹ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے نیز آئندہ مکتوب نمبر ۲۷ میں ؛

(۲۲)

۱۰/۹/۱۴ پرپاوان ضلع پرتاب گڑھ

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ

میں انشاءاللہ کل گیارہ بجے لکھنؤ پہنچوں گا - اس وقت آپ کو کسی زحمت کی ضرورت نہیں - بجز اس کے کہ سایہ میں ایک بستر لگ جائے - کھانا راہ میں کھا لوں گا - دعاگو اکبر حسین

(۲۳)

الہ آباد - ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - ایک ہفتہ سے نزلہ اور درد سر وغیرہ میں مبتلا تھا - اب کچھ افاقہ ہے - تعجب ہے کہ میرا پہلا خط نہ پہنچا - آپ کے بعض فقرات مندرجہ خط طلب تاریخ کی داد دی تھی - تاریخ گوئی میں اپنی عدم مہارت کا حال لکھا تھا - لطیفے کے طور پر ایک تاریخ آپ کے حضرت والد مرحوم کی اسوقت ذہن میں آئی ؎

پیشوائے قوم والا مرتبت — شیخ عبدالقادر عالی صفات[۱]

آخرت ہی پر نظر رکھتے تھے وہ — سمجھے تھے دنیائے دوں کو بے ثبات

جاہ و منصب میں وہ گو ممتاز تھے — کرتے تھے یاد خدا دن ہو کہ رات

ان کے ذکر و شغل کا تھا یہ اثر — شغل ہی میں نکلی تاریخ وفات

۱؎ دیکھئے صفحہ ۷۰

	۱۳۳۰
ش	۳۰۰
غ	۱۰۰۰
ل	۳۰

لفظ شغل صوفیہ کے عمدہ اور اہم الفاظ میں سے ہے۔

مجھے یاد نہ رہا کہ حضرت مرحوم کہاں دفن ہوئے -
اخیر مصرعہ میں لفظ شغل نے بہ اعتبار کل مصرعہ کے معنی کے جگہ خوب پائی ہے - پھر فکر کروں گا - لیکن یہ ایک نہایت لطیف و مختصر پاکیزہ اور مقدس مادہ ہے - آپ کے بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم -
اکبر حسین

(۲۴)

الہ آباد - ۴ ستمبر ۱۹۱۱ء
عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے - کیا شغل رہتا ہے - آپ سے ملنے کو اکثر دل چاہتا ہے - اکبر حسین

(۲۵)

الہ آباد - ۸ ستمبر ۱۹۱۱ء
عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! مجھ کو حیرت ہوئی کہ آپ ایسے شعر کہہ سکتے ہیں - جو رنگ سخن ظاہر ہوتا ہے - وہ بہت پختہ ہے - کیا کہنا

(گذشتہ صفحہ ۱) مولوی حاجی محمد عبدالقادر صاحب - ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لی - اکتوبر ۱۹۱۲ء مطابق شوال ۱۳۳۰ھ میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے - ادھر ارکان حج سے فراغت پائی ہی تھی اور ابھی منیٰ میں تھے کہ ۱۱-۱۲ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے مکہ معظمہ لائے گئے - علاج کی ہر امکانی کوشش کے باوجود ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو صبح تڑکے عین نماز فجر کے وقت گناہوں سے دھلے دھلائے لبیک کہتے کہتے داعی اجل کو ہی لبیک کہہ گذرے جنت المعلیٰ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ کے پائیں میں جگہ پائی (دیکھئے صفحہ ۱)

چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے - اول میں کوئی جگہ اعتراض کی نہیں ہے - بلکہ آپ کی تقلید مناسب ہے - دوم میں البتہ کہیں کہیں کچھ اصلاح کی ضرورت ہے بہرکیف میں آپ کی غزل دیکھ کر بہت خوش ہوا - یہ شعر تو ہر اعتبار سے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے

رہی ہر چند عقل صبر آموز   نہ گئیں بیقراریاں نہ گئیں

کیا خوب کہا ہے - آپ انشاءاللہ بڑی باطنی ترقیاں حاصل کریں گے - دو دن سے طبیعت اچھی نہیں - نزلے میں مبتلا ہوں - زیادہ نہ لکھ سکا -

دعاگو   اکبر حسین

کبھی دل چاہے تو دو ایک دن کے لئے چلے آیئے - آپ تو طالبعلمانہ حالت میں ہیں اور میرے عزیز ہیں - سفر کا بل میرے ذمہ

(۲۶)

الہ آباد - ۱۲ دسمبر ۱۴ء

ڈیر فرینڈ - اگر بالکل ہی قابل اعتراض نہ ہو تو میری رائے میں اس وقت بلا لحاظ قلت معاوضہ کے کوئی خدمت قبول کر لیجئے - فائدہ یہ ہوگا

(نوٹ صفحہ ۷۰) ۱۹۱۱ء سے میرا دور غزل گوئی شروع ہوتا ہے - شادی سے دو سال قبل شروع ہوا اور شادی کے ڈیڑھ دو سال بعد تک رہا - پہلی غزل "نذاہیاں نہ گئیں" "بیقراریاں نہ گئیں" کی زمین میں تھی - یہی غزل اصلاح کے لئے حضرت اکبر کی خدمت میں روانہ کی ہے - حالانکہ طبیعت پر رنگ حسرت موہانی کا غالب تھا ❖

کہ پبلک کو آپ کی قابلیت سے واقفیت ہوگی - اور ایک حق دعویٰ باضابطہ پیدا ہو جائیگا - عمل اور اظہار عمل کے لئے ایک اچھا پوزیشن ہاتھ آئیگا - موجودہ سیکرٹری صاحب کا زمانہ بھی غنیمت ہے[1] - اور یوں تو ہم ہیں اور دُنیا - میں اس وقت سخت نزلہ میں مبتلا ہوں - بات کرنا دشوار ہے آئندہ پھر کچھ لکھوں گا - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم -

اکبر حسین

(۶۷)

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - سید افتخار حسین صاحب نے بخوشی اجازت نہیں دی[2] - لیکن میں بہت خوش ہوا کہ انھوں نے اجازت دیدی! انشاءاللہ حاضر ہوں گا - لیکن براہ کرم تکلف کو دخل نہ دیا جائے - میں سادہ غذا شوربا چپاتی کھاتا ہوں اور وہ بھی بہت کم - سفر میں اور بھی ڈرتا ہوں - میں قصد کروں گا کہ نماز مغرب وہیں پڑھوں - اگر یہ نہ ہوسکا تو بہرکیف ۷ بجے تک حاضر ہوں گا - شب کو بہ سبب شکایت چشم نقل و

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ ۱ بر صفحہ ۶۷ - سکرٹری سے مراد چیف سکرٹری مسٹر رچرڈ برن سی - ای - آئی (یوپی گورنمنٹ) چیف سکرٹری کے ہاتھ میں اسوقت سب ہی کچھ تھا اور مسٹر برن اردو اور فارسی کے شائق اور ہم لوگوں پر مہربان بھی تھے ؛

[2] یہ دستی رقعہ ہے - میر صاحب لکھنؤ آئے ہوئے ہیں اور سید افتخار حسین صاحب کاکوروی بی اے ڈپٹی مجسٹریٹ کے ہاں قیصر باغ میں مقیم ہیں میں نے شام کے کھانے پر حضرت اکبر کو مدعو کیا ہے ؛

حرکت میں تکلّف ہوتا ہے - دعوتوں میں کہیں نہیں جاتا - لیکن آپ کے یہاں غذائے روحانی کی طمع شوق سے پہنچائے گی - اگر آپ کا ایک آدمی رہبری کو اس وقت آجائے تو بہتر ہے - یعنی بعد مغرب -

اکبر حسین

(۲۸)

الہ آباد - ۵ جنوری ۱۵ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کی غزل دیکھ کر کم تعجب ہوا اور زیادہ خوشی ہوئی - تعجب اس بات کا کہ ابتدا ہی میں ایسے کھرے شعر آپ کہنے لگے - تعجب میں کمی اس لئے کہ اچھی فطرتی سمجھ اور علم نے آپ کی طبیعت کو معنی کا عمدہ سانچا بنا دیا ہے - نقص و زیادت کو دخل نہیں - خوشی اس بات کی کہ اِن خیالات کو میں نے پسند کیا - طریقہ اظہار بھی خوب ہے - شاعری - پالٹیکس - اخلاق - عملی فلسفہ سب کی جھلک ہے رکاکت سے خالی -

اہل وفا بھی - الخ خوب ہے نہایت صحیح و بامعنی ہے -

غالب زبان و شوق - الخ بہت ہی بلیغ ہے -

یہ کیا ہوا - الخ اس میں بھی معلوم سے نامعلوم کی طرف کیا لطیف صعود ہے

حیراں ہوں - الخ وجد آفرین شعر ہے - میرے دل کو بھی - اس

لہ یہ دوسری غزل "تسخیر کر چلے" "تدبیر کر چلے" کی زمین میں کہہ کر حضرت اکبر کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کی تھی ؎

بھی ہیں کیا بلاغت ہے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ الغرض سب شعر کم و بیش اچھے ہیں۔ اب رہی زبان و طرزِ بیان۔ اس میں کوئی نقص نہیں۔ البتہ افزائش حسن کی گنجائش ہے۔ طبیعت کا نشو و نما خود اس کو پیدا کر لیگا۔ جب عالم معنی کے استغراق سے طبیعت آسودہ و بے فکر ہو کر حسن صورت کا مذاق پیدا کرے گی۔ تحریر میں ان اشارات سے زیادہ اس وقت میری قوت سے باہر ہے۔ بہر کیف آپ کو داد دیتا ہوں۔ سبحان اللہ کہتا ہوں۔ ترقی عمر و اطمینان کی دعا کرتا ہوں۔ میں عجیب تردّدات میں رہا اور رہوں۔ کبھی بلا تو کچھ کہونگا۔ ارادہ لکھنؤ کا ہو رہا ہے۔ آیا تو ملاقات ہوگی۔ معلوم نہیں آپ کے کیا مشاغل ہیں۔ علی گڈھ کا کیا ہوا؟

اکبر حسین

(۲۹)

۱۵؍۹ عنایت فرمائے من۔ جب آپ اپنے آپکو اس فرض کے انجام دینے کے قابل سمجھتے ہیں تو یہ سند کافی[1] ہے۔ میں آپ کے خط کو ڈاکٹر اقبال صاحب کے پاس بھیجتا ہوں۔ اگر کوئی دوسری تجویز پیش نظر نہ ہوئی تو ڈاکٹر صاحب غالباً لحاظ فرمائیں گے۔ خواجہ[2] صاحب تو آپکا ذکر

---

[1] پنجاب یونیورسٹی میں اُردو لکچرار کی جگہ قائم ہوتی ہے۔ میں اس خیال خام میں مبتلا ہوا کہ اس کے لئے کوشش کی جائے ؂

[2] یعنی خواجہ حسن نظامی دہلوی ؂

بہت تخصیص کے ساتھ کرتے تھے - میں اس وقت نہایت غیر معمولی تردّدات میں مبتلا ہوں - خدا اطمینان نصیب کرے - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم - نیاز مند اکبر حسین

(۳۰)

الہ آباد - ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء

عزیزِ مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - میں نے اسی وقت ایک طویل تحریر کے ساتھ جس میں مختصراً آپ کے اوصاف مندرج تھے - مع آپ کے خط کے ڈاکٹر اقبال صاحب کو بھیج دیا - تاکہ وہ آپ کی پاکیزہ اور ستھری زبان اُردو کو خود دیکھ لیں - میں اِن غیر معمولی تردّدات کے سبب سے جو بعض حاسدوں نے پیدا کر دیئے ہیں - نہ صرف کسی قدر اندیشہ ناک بلکہ مغموم و افسردہ بھی ہوں کہ کیا پوزیشن لے کر عالمِ ہستی میں آیا ہوں خیر جو کچھ ہو

ع جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکیگا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا

اکبر حسین

(۳۱)

۱۵ فروری ۱۹۱۵ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - ڈاکٹر اقبال صاحب کا خط بجنسہٖ ارسال خدمت ہے - کاش آپ سے ان سے ملاقات مراسلت ہو جاتی یہ سُنتا ہوں کہ نواب محمد اسحٰق صاحب نے سکرٹری شپ[1] سے استعفیٰ دے دیا -

[1] یعنی علی گڈھ کالج کی سکرٹری شپ سے ۔

کیا عجب ہے کہ بلحاظ حالات بمجبوری مجھ کو لکھنؤ آنا پڑے۔ ہز آنر کو سلام[۱] کے لئے۔ اگر آیا تو بڑی خوشی ہوگی کہ آپ سے ملوں گا۔ اکبر حسین

(۳۲)

الہ آباد۔ ۱۷ فروری ۱۵ء

عنایت فرمائے مخلصان دام الطافکم۔ میں خود آپ کا ممنون ہوں کہ اِن تحریکوں میں آپ مجھ کو اپنا محب اور نیاز مند یقین کرتے ہیں۔ میں نے مدت سے اور بالخصوص ریٹائر ہونے کے بعد علالت اور بے تعلقی اور افسردہ دِلی کے سبب سے حکام سے مِلنا اور تمام پبلک جلسوں میں جانا ترک کر رکھا ہے۔ لیکن اِس وقت بعض اعزہ و احباب کے نزدیک بلحاظ میرے حالات کے اِس کنارہ کشی کی کچھ غلط تعبیر ہو سکتی ہے سُنا گیا کہ ہز آنر نے کبھی یاد فرمایا تھا۔ لہٰذا خیال یہ ہے کہ اُنسے لکھنؤ میں مل لوں۔ اگر یہ عزم پختہ ہو گیا تو انشاءاللہ بشرط زندگی و توانائی ۲۰ر فروری کے بعد کسی تاریخ غالباً فروری ہی میں لکھنؤ آؤں۔ حاجی عبدالحق صاحب کے ہاں امین آباد پارک میں ٹھہرنے کا قصد ہے۔ آمد و رفت میں آسانی ہوتی ہے اگر آیا تو آپ کو مطلع کرونگا۔ انشاءاللہ

دعا گو۔ اکبر حسین

---

[۱] "ہز آنر" یعنی صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر ؛

(۳۳)

جونپور - ۲۱ مارچ ۱۵ء

عزیزم محترم سلمہ اللہ تعالیٰ - حضرت اقبال صاحب کا خط آیا ہے - یہ فقرہ اسی میں ہے "عبدالماجد صاحب کی نسبت رجسٹرار یونیورسٹی کو لکھا ہے - دیکھئے سنڈیکیٹ اُردو لکچرشپ کا کیا فیصلہ کرتی ہے" اطلاعاً لکھتا ہوں - میں عجب غیر معمولی حالتوں میں رہا اور ہوں - لکھنو آنا ہوا تو انشاءاللہ ملاقات ہوگی - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم گذارش کر دیجئے - شوقِ ملاقات -

نیاز مند - اکبر حسین بنگلہ سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر

(۳۴)

۳۱ مارچ ۱۵ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں انشاءاللہ آج سہ پہر کو لکھنو پہنچکر امین آباد پارک نمبر ۳۶ میں حاجی عبدالحق صاحب کے یہاں ٹھہروں گا اگرچہ بعد اس کے شاید قیصر باغ چلا جاؤں - ممکن ہے کہ شب کو آپ سے ملاقات ہو - حضرت عزیزؔ کو بھی مطلع فرما دیجئے - اکبر حسین

(۳۵)

امین آباد پارک نمبر ۳۲ بالاخانہ - یکم اپریل سہ پہر

محبی زاد لطفہ - کل توانائی نہ تھی - کہ ملنے کا قصد کرتا - آج ۸ بجے

ٖٖٖ؎ یعنی لکھنو کے مشہور شاعر مرزا محمد ہادی عزیزؔ صاحب ند گلگدہ ؟

صبح کو نہ آپ مکان پر تھے نہ بھائی صاحب۔ واپس آیا۔ آپ کس وقت مکان
پر رہتے ہیں۔ کل صبح اگر اُٹھ سکا تو پھر انشاء اللہ حاضری کا قصد کرونگا
اکبر حسین

(۳۶)

۶ر اپریل سنہ ۱۵ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ نہ حاضر ہو سکنے کا افسوس ہے۔ کیا کرتا نہایت
ہی اضمحلال تھا۔ رات بھر بے چین رہا۔ چار بجے صبح آنکھ کھلی۔ ساڑھے
چھ بجے اُٹھ سکا۔ اب زکام کے جاری ہونے کے کچھ آثار پیدا ہوتے۔
ارادہ تو یہ نہیں کہ آج شب کو الہ آباد چلا جاؤں۔ ڈیرہ دو دن کا انتظام
دس سے کرونگا۔ اگر قابل اطمینان انتظام ہوگا تو چلا جاؤنگا۔ ورنہ بر سر
فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ اس خیال سے کہ شاید آپ سے ملاقات
نہ ہو یہ کارڈ لکھ دیا۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اکبر حسین

(۳۷)

۲/۶ ۱۵ عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ کیسے ہیں۔ کس شغل میں ہیں۔ دل گھبرایا۔ آپ کی یاد آئی۔
بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ دعا گو
اکبر حسین

؎ نمبر ۳۶۔ ۳۷ دونوں دستی رقعے ہیں +

(۳۸)

الہ آباد ۱۵ جون ۱۱ء

اپنے عزیز فلاسوفر دوست کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اپنی خیریت لکھئے۔ کیا مشاغل ہیں۔ میری تندرستی بہت خراب ہے۔ دُنیا کے حالات سے کوئی دل خوش کن اور مطمئن کرنے والا نتیجہ نہیں نکلتا۔ بجز اس کے کہ فلسفہ قدیم سے کچھ مدد لی جائے۔ معلوم نہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ میرا ایک شعر ہے۔ دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر بس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی۔ حالت میں خیالات اور میلانِ طبع کو داخل سمجھئے۔ پازیٹو سائنس* مشغولی کے لئے خوب ہے لیکن ہمارے حصّے ہی میں نہیں آیا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ اُن کی خیریت لکھئے۔ آپ کی شادی کب ہو گی۔ اکبر حسین

(۳۹)

عزیزی وحبیبی۔ جواب خط پھر لکھوں گا۔ اس وقت آپ کا کارڈ دیکھ کر آپ کے ریمارک پر بے ساختہ ماشاءاللہ چشم بد دور کہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ وہ مسئلہ فلسفہ آپ کے ذہن میں تھا۔ دوسرے (اور یہ بڑی بات ہے) یہ کہ آپ نے آپ کے ذہن نے میرے شعر کو فوراً اِس فلسفہ کے مطابق کر لیا۔ جب میں نے یہ شعر کہا تھا۔ اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ ابتدائً

---

* (POSITIVE SCIENCE)

ایک یونانی فلاسفر نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا - اِسی طرح جب میں نے یہ شعر کہا

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں ؎
عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

اور جس کی داد ڈاکٹر اقبال صاحب نے دی - اس وقت تک مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہیگل[1] نے اس خیال کو وسعت دی ہے - لیکن فلسفہ ہے کیا - نتیجہ غور و فکر کا - آپ نے صفائی بیان کی مجھ کو داد دی ہے - میں اس سے خوش ہوا لیکن یہ صفائی بیان غالباً بلکہ یقیناً اِس سبب سے آئی کہ میرا اوریجنل[2] خیال ہے - اگر تقلید و ترجمہ کا سانچہ اس کو پیدا کرتا تو بے تکلفی نہ ہوتی - اگرچہ میں صفائی بیان کو جہاں تک ممکن ہو اور تمام حالات پر مقدم سمجھتا ہوں - خیال انتخاب جو آپ کے ذہن میں گذر رہا ہے - نہایت اچھا ہے - مفید ہے ہر پہلو سے فلسفے کے لئے آپ سے بہتر کوئی انتخاب کرنے والا میرے لئے نہیں ہے[3] - ملاقات ہوگی (بشرطِ زندگی) تو مفصل گفتگو ہوگی - لیکن آپ نوٹس شروع کر سکتے ہیں - حِصہ سوم جو غیر طبع ہے وہ بھی ہونا چاہیئے - التوائے شادی سے میں خوش نہ ہوا - خدا آپکو جلد خانہ آباد کرے - زمانہ مساعدت کرے تو آپ مشاہیرِ سلف کے برابر ہو سکتے ہیں - بہرکیف آپکا نورِ باطن آپکے سرور کے لئے کیا کم ہے - دعاگوئے شما "اکبر"

---

[1] (HEGAL) جرمنی کا مشہور فلسفی

[2] (ORIGINAL) طبع زاد

[3] میں نے لکھا ہے کہ آپ کے کلام کے فلسفیانہ حصہ کا الگ انتخاب ہو جانا چاہیئے

(٤٠)

الہ آباد ۱۹/۸

زیب انجمن علم و دانش سلمہ اللہ تعالیٰ۔ شکایتیں روزافزوں ہیں۔ اسی سبب سے خط نہ لکھ سکا تھا۔ معلوم نہیں۔ لکھنؤ میں عید کس دن ہوئی۔ یہاں تو بروز شنبہ عید ہوئی۔ حضرت عزیز بہت خوب فرماتے ہیں۔ آپکا خیال صحیح ہے۔ ان کی طبیعت میں بہت وسعت ہے۔ آپ سے ملنے کا آرزومند۔ اکبر حسین

کیوں نہ ایک دو دن کو تشریف لائیے۔ حضرت عزیز کو بھی ساتھ لیجئے بھائی صاحب کو تسلیم۔

حاجی عبدالحق صاحب سوداگر کو جن کے یہاں ہیں امین آباد پارک میں ٹھہرا تھا۔ میں نے کئی خط لکھے جواب نہ آیا۔ اگر زحمت نہ ہو۔ تو ذرا دریافت فرمائیے۔ خیریت مطلوب ہے۔ شاید ۲۳ نمبر مکان کا ہے۔

(٤١)

جونپور۔ ۱۸ ستمبر ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے پچھلے عنایت نامہ میں تحریر کیا تھا کہ حصہ سوم کب چھپے گا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زمانہ کی نزاکت اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے طوفان نے اطمینان کو درہم برہم کر دیا ہے۔ اس زمانہ میں میں زیادہ علیل رہا اور علیل ہوں۔ زندگی کا کسی کو اعتبار نہیں اور نہ میں تو اس عمر، ان آلام، ان ترددات کے

ساتھ ہر نفس کو نفس و اپسین سمجھتا ہوں۔ عشرت کے اصرار سے یہاں چلا آیا ہوں۔ آج صبح طبیعت ایسی بگڑی کہ میں وقت آخر سمجھا۔ ارادہ کر رہا تھا کہ لکھنؤ آؤں۔ لیکن ایسی حالت میں جرأت نہیں ہوتی۔ شاید دو تین دن میں الہ آباد واپس جاؤں۔ دو نئی تصنیفیں نظر سے گذریں۔ ایک معارج الدین مصنفہ مولوی نواب علی صاحب ایم۔ اے بڑودہ کالج جس میں سائنس و فلسفہ پر ریویو کر کے مصنف نے مذہب کی حمایت کی ہے۔ دوسری مثنوی اسرار خودی مصنفہ ڈاکٹر اقبال صاحب جسمیں مصنف نے کہا ہے کہ اپنی خودی کو مٹانے والا فلسفہ جسکا مشرق پر بہت اثر ہوا۔ یہ صحیح نہیں ہے خودی کو بڑھانا چاہیئے۔ دونوں کتابیں آپ کے ملاحظہ کے قابل ہیں۔ مثنوی کی نسبت تو کچھ زیادہ نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مذہبی اور قومی جوش پر مبنی ہے۔ اشعار نہایت اچھے ہیں ؎

ہست در ہر گوشۂ ویرانہ رقص　　می کند دیوانہ با دیوانہ رقص

یہ خود ہی ہستی اور تصوف ہے۔ دیباچے میں پولیٹیکل دانشمندی بھی ہے۔ البتہ معارج الدین بہت غور کے لائق ہے۔ اگر آپ ریویو کریں تو بہت کچھ اضافہ ہو جائے۔ بھائی صاحب کیخدمت میں تسلیم اگرچہ اکثر اوقات طبیعت اس قدر افسردہ ہو جاتی ہے۔ کہ نہ آنکھ کھولنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ دل پر دروازۂ خیال۔ لیکن پھر بھی حسب عادت کبھی اِن مباحث کو دلچسپ پاتا ہوں۔ آپ کا

مشتاق رہتا ہوں - کیوں نہ دو چار دن کو الہ آباد آئیے - آپکا دماغ سائنٹیفک اور آپ کا دل ملائم اور لطیف - اس سبب سے میں آپکو بہت زیادہ وقعت کا مستحق سمجھتا ہوں - شعر و سخن کا کیا حال ہے - آپ کی غزلیں بہت خوب تھیں - خطیب دہلی میں کسی صاحب نے میرے اشعار پر ایک بڑا ریویو شروع کیا ہے - بہت مدح کی ہے - لیکن میں اس کو غیر ضروری بلکہ مضر سمجھتا ہوں - لکھنو کے سیلاب کا حال سن کر بہت افسوس ہوا - اپنی اور اعزہ کی خیریت سے مطلع فرمائیے الہ آباد کے پتہ سے لکھئے - اگر میں نہ گیا تو مجھ کو پہنچ جائیگا - حضرت عزیز کو بہت بہت سلام شوق

اکبر

(۴۲)

الہ آباد - ۲۲ اکتوبر ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - پرسوں ایسا مضمحل تھا کہ نماز عید کو بھی نہ جا سکا - ہفتہ عشرے میں جونپور یا شاید اور کہیں چلے جانے کا قصد ہے - آپ سے مل کر بہت مسرت ہوگی - خدا آپکو فائز المرام کرے - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم -

اکبر حسین

(۴۳)

الہ آباد - ۲۳ اکتوبر ۱۵ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - اگرچہ میں جونپور جانیوالا ہوں - لیکن آپ کا منتظر رہوں گا - وہاں مجھے کوئی ضروری کام نہیں ہے

آپ کے ساتھ ابدی صاحب ہوں گے۔ آپ سے محظوظ ہوں گا۔ ان سے مرعوب کیونکہ وہ ماسٹر صاحب ہیں اور میں طالب علم۔ وہ سلسلہ نظامیہ میں مرید ہوتے تھے لیکن اب تو سلسلہ بسنٹیہ میں داخل ہیں[1]۔ خیر یہ سب لطائف ہیں۔ وہ بھی میرے عنایت فرما ہیں۔ مجھ کو امراض لاحقہ کی تکلیف کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ رہائی کے دن قریب ہیں۔ شیعہ کانفرنس کی دھوم دھام رہی۔ حضرت عزیز ایک دن مدعو تھے[2]۔ لطف مکالمت و مجالست رہا۔ میرے اس شعر کو انھوں نے بہت پسند کیا ؎

وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو
غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ ابدی صاحب تو کانپور میں ہوں گے

دعاگو شما۔ اکبر حسین

(۴۴)

الہ آباد ۲۸/۱۰ ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس خیال سے مایوسی ہوتی ہے کہ اگر برن صاحب نے آپ سے کہیں اور ملنے کا وعدہ کیا۔ تو آپ تشریف نہ[3]

---

[1] یعنی مسز اینی بسنٹ کے پیرو ہیں۔ تھیاسوفسٹ ہیں۔

[2] عزیز لکھنوی مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ شیعہ کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہونے الہ آباد گئے تھے۔ [3] میں اپنی تلاش ملازمت کے سلسلہ میں مسٹر برن چیف سکرٹری سے ملنے الہ آباد جانے والا تھا۔

لائیں گے ہیں تو اصرار کروں گا - کہ دو چار دن کو تشریف لائیے - برن صاحب نہ سہی - ابدی صاحب ساتھ ہوں گے - دل بھی نہ گھبرائیگا نبادلہ خیالات سے بار دل اتریگا - اگرچہ آپ اس کے محتاج نہیں ہیں لیکن میں بسبب اپنے ضعف کے روز بروز مشکل پسند اور سوسائٹی سے یکسو ہوتا جاتا ہوں اور ہونا بھی چاہیئے - آپ کے کھلنے کے یہ دن ہیں مرے مرجھانے کے - دعاگو اکبر حسین

(۴۵)

الہ آباد - ۲۹ اکتوبر [15] (ترجمۂ تار)

آپ اسٹیشن سے سیدھے میرے ہی ہاں آئیے اور کوئی ساتھی آپ کے ہوں تو انہیں بھی لائیے - اکبر حسین

(۴۶)

۶/۱ ۱۶ الہ آباد

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - بے ضرورت خط لکھنا وقت ضائع کرنا ہے اور آپ کا وقت قیمتی ہے - لیکن ڈرتا ہوں کہ آپ خفا تو نہیں ہیں اور اس سبب سے لکھنؤ پہنچ کر آج تک یاد نہ فرمایا[1] - بھائی صاحب کو تسلیم - حضرت عزیز صاحب کی یادآوری کا ممنون ہوں - اکبر حسین

---

[1] شروع نومبر میں حضرت اکبر کا مہمان رہ کر میں لکھنؤ واپس آگیا اور پھر عرصہ تک کوئی عریضہ بھیجنے کی نوبت نہ آئی - اس پر شروع جنوری میں یہ والا نامہ اور ایک لطیف پیرایہ میں شکایت نامہ ملا ؛

(۷۴)

الہ آباد - ۴ فروری ۱۹۱۷ء

ڈیر ماجد صاحب خوش رہیئے فلسفہ اجتماع کا شکرگذار ہوں[۱]۔ جب ملاقات ہوگی۔ تو اس کی نسبت کچھ کہوں گا - آخری فقرے خوب ہیں[۲] اُن کو دیکھ کر میں نے یہ مطلع کہا ؎

زباں پہ کیا ہو تری حمد اور ثنا کے سوا
مجھے تو کچھ نظر آتا نہیں فنا کے سوا

حسن نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ اِس رسالے میں آیاتِ قرآنی[۳] دیکھ کر میں خوش ہوا - میں نے لکھا کہ خدا آپ کی خوشی کو زندہ رکھے - آپ کی اور خواجہ صاحب کی باہمی محبّت خداداد نعمت ہے - بڑھتی رہے تو اچھا ہے - قرب شادی میں فلسفہ اجتماع کی تصنیف بہت موزون ہے[۳] - آپ کی واقفیت مصنّفین یورپ سے بہت ہے - لیکن میں آپکی اوریجنلیٹی[۴] کو اصل چیز سمجھتا ہوں - آپ کی کیا بلکہ سب کی - شادی کہاں

---

[۱] شروع فروری میں دوسری کتاب فلسفہ اجتماع کے نام سے نکلی ہے ؎

[۲] کتاب ملحدانہ فلسفہ کے رنگ میں تھی - لیکن بالکل آخر میں یہ مضمون درج تھا کہ تحفظ و بقاء سطوت کی ساری تدبیروں کے بعد بھی بالآخر فنا ہر بڑے سے بڑے لیڈر کو ہے بقا و ثبات کسی کو بھی نہیں ؎

[۳] میری شادی اس سے دو ہی چار مہینہ بعد یکم جون ۱۹۱۷ء کو ہوئی ؎

[۴] Originality یعنی جدّت - اجتہاد ؎

ہو گی - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم - آپ کی محنت کا معاوضہ کیا ملا -
دعاگو - اکبر حسین

(۴۸)

الہ آباد - ۹ر فروری سنہ ۱۶ء
عنایت فرمائے من زاد لطفہ - پرسوں ابدی صاحب اپنے چند معزز ہندو تعلیم یافتہ دوستوں کے ساتھ تشریف لائے تھے - چند اشعار لکھ لے گئے - آپ کا پیغام سُن کر میں نے کہہ دیا کہ جواب بھیج چکا ہوں - البتہ آپ کے اشعار کی نسبت لکھنا بھول گیا کہ نہایت معنی خیز بامزہ[۱] ہیں - لیکن آپ کو غزل کہنا چاہیئے - جیسی غزلیں آپ نے پہلے کہی تھیں - آپ نے مضمون فنا پر خوب خاتمہ کیا ہے - یہ رنگ طبیعت خوب ہے اللہ آپ کو اطمینان دے - اُمید ہے کہ سیدھی سمجھ بہت بلندی پر پہنچائے لیکن مشکل ہے کہ سیدھی سمجھ کی تعریف و توضیح کر سکوں -
[۲] فلسفہ اجتماع کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے ؟ یعنی لفظ اجتماع کا - شیعہ کالج[۳] کی نسبت آپکی کیا رائے ہے - آپکے ملنے کا مشتاق اکبر حسین

---

[۱] اب بالکل خیال نہیں آتا کہ یہ اشعار کیا اور کس مضمون پر تھے ؛

[۲] اُسی کتاب فلسفہ اجتماع کی طرف اشارہ کیا ہے ؛

[۳] شیعہ کالج نیا نیا اس زمانہ میں لکھنؤ میں بنا تھا اکبر کی رائے انکے اس برجستہ شعر سے ظاہر ہو رہی ہے ؎

سیّد صاحب کو عذر کیوں ہونے لگا کالج ہے یہ کچھ امام باڑہ تو نہیں ۔

(۴۹)

الہ آباد - ۹ فروری ۱۶ء

الطاف فرمائے اکبر۔ میں نے ہنوز آپ کی کتاب فلسفہ اجتماع کو نہیں پڑھا - صرف شروع میں چند صفحے دیکھے تھے - اور آخر کے دو ایک صفحہ اس وقت اتفاقاً اور چند مقامات سرسری طور پر نظر سے گذرے - اور میں نے دیکھا کہ کل کتاب کو پڑھنے سے جو مجموعی اثر ہوگا - اس سے میں بالکل بیگانہ ہوں اور بیگانہ نہ رہنا چاہیئے انشاء اللہ فرصت میں پڑھوں گا - بات یہ ہے کہ دل نہیں لگتا - زیادہ پڑھ نہیں سکتا - کتابوں کے دریا اُمڈے ہیں اور میں نے اب تک عقل سیکھ کر کیا کیا - اور آئندہ کیا کروں گا - اور نہ مجھ سے کوئی عقل سیکھنا چاہتا ہے - سوئے اتفاق یا حسنِ اتفاق سے ایک صاحب نے دقیق مباحث فلسفہ بنائے دیقین[^۵] کی ایک کتاب دیدی ہے - اور مجھ کو اس سے واقف ہونا ضرور ہوگیا ہے - اس کو دیکھ رہا ہوں - نصف سے زیادہ نہیں سمجھتا - دماغ کمزور ہوگیا اور مصنف کا طرزِ بیان بہت پیچیدہ ہے یا یہ سمجھنا

---

[^۵]: یہ بالفر (BALFOUR) کی کتاب Foundation of Belief تھی - حضرت اکبر کوئی بڑے کتب بین نہ تھے - لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت سے ہر کتاب سے نکتہ خوب پیدا کر لیتے - مغربی فلسفہ پر انکی نظر اچھی خاصی تھی - انگریزی کتابیں بے تکلف پڑھ لیتے تھے ؛

چاہیئے کہ اس نے جدید علما ہی کو اپنا مخاطب سمجھا ہے۔ بہر حال اُمید ہے کہ ایک مہینہ میں اس کو ختم کر دوں۔ آپ سے ملنا ہوا تو کچھ مدد ملے گی۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کی کل کتاب کا مجموعی اثر مجھ پر کیا ہو۔ لیکن چند فقرات کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی عمر سے زیادہ پختگی دکھائی ہے۔ میرا ایک مصرع ہے ع۔ تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں۔ یہ صحیح ہے آپ میں ڈگری کی برکت نہیں ہے بلکہ فطرتی نقطۂ ہستی کا ظہور ہے۔ ہم آپ کو اور آپ ہم کو اِس کے سوا کیا دعا دے سکتے ہیں۔ کہ اللہ اطمینانِ قلب عطا فرمائے۔ آخر فنا آخر فنا ؎

ہم اظہار خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے

صبح ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ دو ایک دِن کو ملنے آئیے تو خوب ہے سفر خرچ کا بل میرے ذمّے   اکبر حسین

صفحہ ۲۱۲ میں ایک غلطی معلوم ہوئی۔ اجنّہ بجائے جنّات۔ اجنّہ جمع جنین[۱] ہے ؎

(۵۰)

۱۱ر فروری ۱۶ء

برادرم۔ قرآن شوق سے دیکھیئے۔ خوب دیکھیئے۔ یہاں تک کہ بلا مدد

---

[۱] سب سے پہلے یہ عام طور پر چلی ہوئی غلطی مجھے حضرت اکبر کی زبان سے معلوم ہوئی ؎

ترجمہ اس کے ظاہری معنی سمجھنے لگے تفسیر کی تو حد نہیں۔ مذاق مفسرین کی بوقلمونی حیرت انگیز ہے۔ قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھا کیجئے۔ ایک سرے سے پڑھ جائیے اور پھر پڑھیے اور پھر پڑھیے۔ زیادہ نہ کیجئے۔ پڑھتے جائیے۔ ثواب کا عقیدہ نہ سہی۔ لٹریری ہی لطف و ذوق کا خیال کیجئے۔ ہر وقت طبیعت یکساں نہیں رہتی۔ کسی وقت کوئی آیت دل کو متوجہ کرے گی۔ مزا آئیگا یا کوئی مسئلہ منکشف ہوگا جو اس وقت یا ان روز دل ذہن میں رہے۔ کسی وقت اسی طرح کوئی اور آیت دامن دل کو کھینچے گی۔ غور اور اسٹڈی اور کریٹیسزم[1] اور مضمون نگاری کے لئے قرآن مجید کو خاص طور پر جا بجا حسب مرضی دیکھنے کا کوئی اور وقت نکالئے۔

پیغمبر صاحب کو اس بات کا یقین تھا یا نہیں۔ ایک بحث۔ وہ یقیناً صحیح تھا یا نہیں۔ دوسری بحث پہلی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت غور ضروری نہ ہوگا لیکن کل پڑھنا چاہیئے اور بار بار ؎

خدا قرآن کی رو سے قادر مطلق اور خالق کائنات ہے۔ ارسطو کے خدا سے کیا واسطہ۔ ارسطو میں Generalisation اور Classification کی بیحد قوت تھی[2]۔ لیکن میں نے کسی فلاسوفر

---

[1] (Study) یعنی مطالعہ (Criticism) یعنی تنقید۔ ان مکتوبات کو پڑھتے وقت یہ خوب ذہن میں رہے کہ میں اس وقت ایک ملحد ہوں اور الحادی فلسفہ کا خوشہ چین۔ البتہ عربی زبان کالج میں کچھ تھوڑی بہت پڑھ لی ہے۔ حضرت اکبر نہایت لطیف انداز سے ایک ملحد کو تبلیغ کر رہے ہیں ؎

[2] (صفحہ ۹۱ پر)

کو نہ دیکھا - کہ اس کے معاصرین نے یا پیچھے آنیوالوں نے اس کی تردید نہ کی ہو ~

صدیوں فلاسوفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

میں خدا کا نام تو جانتا ہوں - خدا کا خیال ناممکن پاتا ہوں - ماسوا پیش نظر ہے - جہاں اس کا خیال آیا - خیال خدا غائب ہو گیا - عبرتِ فنا - اسی سے دِل کو ایک مزا ہے - مزا حسب استعداد بہت بڑھ جاتا ہے - مقر چُپ ہے - منکر کو خبر نہیں

باقی شغل زندگی ہے وقت کی خانہ پُری ہے داد پانے کا مزا ہے پیٹ کا دھندا ہے -

پھر خط لکھوں گا - تھک گیا - آپ کی محبت کو اللہ قائم رکھے - مجھ کو کوئی حق نہیں ہے - بے تکلف لکھ دیا - ورنہ میں آپ سے برسوں سبق سیکھنے کے لئے موجود ہوں - محتاج ہوں - اکبر

(۵۱)

الہ آباد - ۲۲ فروری ۱۶ء

حبیب مکرم زاد الطافہ - کل میں نے بہت بے تکلفانہ آپکو خط لکھا

(حاشیہ ۲ صفحہ ۹۰) میں نے الحاد کی ترنگ میں ایک بار یہ لکھ مارا تھا کہ ارسطو کے خیال کے مطابق خدا کو محض علت العلل یا علت اولی ماننے پہ کیوں نہ اکتفا کی جائے اور قرآن سے غالباً یہ پہلو نکل آئے - یہ مکتوب اور اسکے بعد کا اسی لغو خیال کی تردید میں ہیں

لیکن معافی چاہتا ہوں۔ بہت کچھ اررلیونٹ[1] ہے۔ آپ اپنا کورس خود خوب سمجھتے ہیں۔ جو لکھا وہ سب واپس لیتا ہوں۔ بجز اس کے کہ قرآن مجید میں صرف پرائم موور[2] نہیں بلکہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ سورہ رحمان میں کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِی شَانٍ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے سوا صدہا آیتیں ہیں۔

ثواب کے یہ معنی بھی سمجھئے کہ دِل کو انبساط ہوا۔ کسی مسئلہ کا انکشاف ہوا۔ مجھے تو روزے کا ثواب افطار کے وقت مِل جاتا تھا۔ اب تو رکھ ہی نہیں سکتا۔

جی ہاں وہی بالفور والی کتاب ہے خواہ مخواہ سمجھوں یا نہ سمجھوں پڑھنا پڑا ہے۔ غور سوچنے اور باتوں کو پیدا کرنے میں زیادہ لطف اور فائدہ ہے۔ البتہ ٹرمس وغیرہ معلوم ہو جاتے ہیں۔ آپ کے دِن ہیں کہ واقفیت بڑھائیے۔ لیکن آپ بھی اور یہ بِل خیال کے مستحق ہیں۔ زندہ رہا تو مارچ میں انشاءاللہ آؤں گا۔ کیا یہ جو صوفی آپ کے پاس آتا ہے؟ کیا عزیز صاحب نے آپ ہی سے سُن کر مجھ کو اس شعر کا ذکر لکھا

---

[1] (IRRELEVANT) یعنی غیر متعلق۔ حضرت اکبر بڑے ذی مروت اور نازک قلب تھے۔ کسی کی دِل شکنی برداشت نہیں کر سکتے۔ صحیح اور سچی بات کہتے۔ جب بھی مخاطب سے معافی طلب کرتے۔ اِسے گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ اس کے دِل پر کسی طرح کا بار رہے۔

[2] (PRIME MOVER) یعنی محرک اول علت اولیٰ

ہے - آپ کی شادی کس تاریخ کو ہے؟ نکاح کہاں ہوگا؟ اور پھر آپ کہاں رہیں گے۔ میری شکایتیں سخت مزاحم ہیں - ورنہ باوجود ترکِ شرکتِ تقریبات کے میں شریک ہوتا۔ کیونکہ آپ اس دور میں اُن چند لوگوں میں ہیں - جن کو دنیا امتیاز کے ساتھ یاد رکھے گی - خدا آپکو تندرست رکھے اور اطمینان عطا فرمائے - بھول گیا کہ اور کیا لکھنا تھا - جس کے لئے قلم اُٹھایا تھا - دعاگوے شما - اکبر حسین

(۵۲)

الہ آباد - ۲ مارچ ۱۹ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - کل مولانا سلیمان صاحب شاگرد حضرت شبلی مرحوم مجھ سے ملنے آئے - میں سو رہا تھا - ایک شعر لکھ کر چلے گئے - مجھ کو بہت افسوس ہوا - شہر میں کہیں پتہ نہ لگا - لکھنؤ میں ہوں تو میرا سلام شوق فرما دیجئے - اپنی خیریت بھی لکھیئے - کیا عجب ہے کہ ۱۱ مارچ یا اس کے بعد لکھنؤ آؤں - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم - نیازمند اکبر حسین

(۵۳)

الہ آباد ۱۹ء[1]

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ! میں لکھ چکا ہوں کہ دفعتاً طبیعت میں سخت انتشار محسوس ہوا اور میں چل دیا - احباب کو بہت

---

[1] حضرت اکبر لکھنؤ آئے ہوئے تھے کہ یک بیک الہ آباد روانہ ہوگئے - بیمار اس عمر میں برابر رہا کرتے تھے ؎

حسرت و مایوسی ہوئی ہوگی - دوسرے نسخہ میں کچھ مرکب دوائیں جو بازار سے آئی تھیں - اُن کے اثر نے شدید نزلہ پیدا کر دیا - تیسرا نسخہ غالباً مفید تھا - یہاں پہنچکر دست تو موقوف ہو گئے ہیں - یعنی اسوقت تک دست نہیں آیا - لیکن بدن میں درد ہے - پیٹ میں بھی اکثر درد ریاحی رہتا ہے اور چھینکوں کی کثرت نے دماغ کو اور بھی تباہ کر دیا ہے - ۹ بجے بستر سے اُٹھ سکا - اُمید ہے کہ دو چار دن میں بشرط زندگی افاقہ ہو - کارڈ پہنچا - محبت و توجہ اور نیکدلی کا شکر گذار ہوں - بھائی صاحب کو تسلیم - اکبر حسین

(۵۴)

الہ آباد ۱۶ اپریل

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - حکیم صاحب[1] سیتاپور سے آگئے ہونگے - میری طرف سے انکی توجہ و عنایت کا شکر ادا کیجیے - آخری نسخہ سے ضرور فائدہ ہوا - کیونکہ یہاں پہنچکر دست بالکل موقوف ہو گئے - البتہ شدید نزلہ تکلیف دہ رہا - دماغ ہی پر اثر تھا - سینے پر نہیں - یہ بھی مرکب بازاری نسخہ کا اثر تھا - الحمد للہ کہ اب افاقہ ہے - بھائی صاحب کی

---

[1] مراد ہیں میرے عزیز قریب حکیم عبد الحسیب صاحب دریابادی - اب شفاء الملک اور لکھنؤ کے ایک طبیب اعظم ہیں ؎

خدمت میں تسلیم - آپ ڈائرکٹر صاحب سے ملے یا نہیں[۱] ؟ اگر موسم زیادہ گرم نہ ہو گیا اور میں نے توانائی پائی تو ہنوز ارادہ سفر دہلی کا ہے - خواجہ صاحب کا خط آیا ہے - آپ کے ساتھ انکو محبت ہے - خدا قائم رکھے اور ترقیات باطنی عطا فرمائے - اور بندگانِ خدا اُن سے فیضیاب ہوں - اکبر حسین

(۵۵)

الہ آباد

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - واجب الوجود پر آپ نے خوب لکھا ہے - اگرچہ شلنگ وغیرہ کی باتیں تخییں[۲] - لیکن آپ کے مُنہ سے واجب الوجود اور ایسے اور الفاظ کا سُننا بھلا معلوم ہوتا ہے - حسن نظامی صاحب کے وجد کو کافی ہے - خدا انکو مطمئن کرے - بالفعل پریشانی میں ہیں - میں ہنوز اچھا نہیں ہوا - اچھا تو اب کیا ہونگا - یہ مطلب ہے کہ قابلِ سفر نہیں ہوں - اِس وقت مدت کے بعد ڈاکٹر اقبال کو ایک خط لکھا ہے اور یہ خط آپ کو - ہمارا موجودہ مصنف آپکے دوست برگسن[۳] ہے

---

[۱] مراد ہیں ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم - تلاشِ ملازمت کا سلسلہ چل رہا ہے ؛

[۲] Schelling جرمنی کا مشہور فلسفی - میرا ایک مضمون حکماء جرمنی اور مسئلہ واجب الوجود کے عنوان سے حیدر آباد کے ایک ماہنامہ افادہ (مرحوم) میں نکلا ہے

[۳] Bergson مشہور فرنچ فلسفی - اسوقت اسی کی خاص شہرت تھی ؛

کا ایسا دوست نہ نکلا۔ جیسا میں نے ابتدا ً سمجھا تھا - مگر فلسفہ میں کون کس کا دوست ہے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم - اکبر حسین

(۵۶)

الہ آباد ۱۶ء

عزیز من - پورا مضمون میں نے نہیں دیکھا - لکھنؤ میں میرے لئے بہت دلچسپی ہے - لیکن ہنوز اچھا نہیں ہوں سخت مجبوری ہے - دل و دماغ قابو میں نہیں - معدے کی حالت خراب - زندگی ہے - تو کبھی ملونگا خدا آپ کو مطمئن کرے اور آپ کے ذہن کو سکون اور آزادی عطا فرماتا رہے - میرا ارادہ کل جونپور جانے کا ہے - اگر جا سکا - عشرت[۱] کے پاس شاید کچھ تسکین ہو - کبھی کبھی کچھ اشعار عبرت آگیں یا عاشقانہ کہہ لیا کیجئے -

دعا گو - اکبر حسین

(۵۷)

الہ آباد - ۹ جون ۱۶ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - شادی[۲] مبارک ہو - گذشتہ دوشنبہ کو میں نے ایک منی آرڈر صہ روپے کا آپ کے بھائی صاحب کے نام لکھنؤ کے پتہ سے روانہ کیا اور اس کے متعلق اُن کے نام خط بھی بھیج دیا - رسید

---

[۱] یعنی حضرت اکبر کے فرزند سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر جونپور ۔

[۲] یکم جون ۱۹۱۶ء کو ہو گئی ہے ۔

منی آرڈر کی کسی دوسرے کے قلم سے میرے پاس پہنچ گئی۔ لیکن اس وقت آپ کے بھائی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ دریاباد میں ہیں اور ہنوز رسید منی آرڈر کا حال انکو نہیں معلوم ہوا۔ لہذا احتیاطاً واطلاعاً یہ کارڈ لکھتا ہوں۔ خیال یہی ہے کہ آپ کے کسی عزیز کو لکھنؤ میں منی آرڈر مِل گیا۔ اپنی خیریت لکھئے۔ اکبرحسین

(۵۸)

الہ آباد۔ ۱۴ر جون ۱۶ء

عزیزی زاد لطفہٗ۔ مجھ کو آپ کے خط اور آپ کے سوءظن سے دلی تکلیف پہنچی۔ میں نے آپ کے دوسرے خط یاددہانی کے جواب میں آپ کو مطول ومفصل خط لکھا۔ اور اول خط کا جواب نہ لکھنے کی توجیہ کردی۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خط نہ پہنچا یا آپ ہنگامہ تعلقات میں بھول گئے۔

آخری خط میں نے بالارادہ بھائی صاحب کو لکھا۔ رسماً یہی مناسب سمجھا۔ توشہ میاں کو مخاطب صریح نہیں بنایا۔ یہ ادائے رسم بھی گویا آپ ہی کی ذاتی محبت کی بنا پر کی گئی۔ میری دِلی خواہش اس سے بہت زیادہ تھی اور ہے۔ لیکن پہنچ نہ سکا۔ اور اس کو پورا نہ کرسکا۔ اس زمانہ میں بہت علیل رہا اور علیل ہوں۔ اکثر غذا تولوں کے حساب سے ہوئی۔ دوران سر ایسا رہتا ہے کہ بسا اوقات چلنے میں تکلف ہوتا ہے۔ اتنے اسباب مادی و اخلاقی جمع ہیں کہ تشریح دشوار ہے

آپ علی گڈھ کب جائیں گے ۔ میں نہ سمجھ سکا کہ اس خبر سے خوش ہوں یا افسردہ[1] ۔ البتہ یہ اطمینان ہوا کہ آپ کو ایک مشغولی رہے گی ۔ بہرکیف یہ مدعا ہے کہ آپ خوش رہیں ۔ فلسفہ نے اگرچہ آپ کے اجزائے طبیعت کو مستحکم و مضبوط کر دیا ہے لیکن آپ موتی ہیں پتھر نہیں ہیں ۔ خدا موتی کی آب کو برقرار رکھے ۔ اکبر حسین

کاش آپ مجھ سے مل کر جاتے ۔ حسن نظامی صاحب حیدرآباد میں ہیں ۔ عروس کو دعا ۔ آپ علی گڈھ جائیں گے تو وہ کہاں رہیں گی ؟

(۵۹)

۲۰ جون سنہ ۱۶ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ میرا خط پہنچ گیا یا نہیں ۔ علی گڈھ کب جائیں گے ۔ دوری کا افسوس ہوگا لیکن آپ کے مشاغل میں ترقی ہوگی یہ اچھا ہے ۔ شاید بشرط زندگی میں دہلی میں مقیم ہوں تو قرب ہو جائیگا لکھنؤ آنے کا ارادہ کرتا ہوں ۔ آپ کا دعاگو ۔ اکبر

(۶۰)

الہ آباد ۔ ۲۳ جون سنہ ۱۶ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ ماحصل دیکھ کر میں خوش ہو گیا[2] جملہ

---

[1] مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکرٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے مجھے علی گڈھ دفتر کانفرنس میں لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کو بلایا تھا ۔

[2] علی گڈھ میں تقرر اسی مشاہرہ پر ہوا تھا ۔ علاوہ مکان وغیرہ کے ۔

خیالات رخصت ہو گئے - میں سمجھتا تھا کہ بلا معاوضہ ہے - پونے دو سو اچھی خاصی رقم ہے - فلاسوفر تو اپنے خیالات میں مست ہے - ضروری کاموں کے لئے اتنا کافی ہے - میں مبارکباد دیتا ہوں - آزادی کے ساتھ الگ رہیگا تو بشرط زندگی کبھی آپکا مہمان بھی ہو سکوں گا - میں نے یہ سمجھ کر کہ عروس سے گھر روشن ہوا - آپ کے عقد کی تاریخ "فروغ ماجد" دریافت کی تھی - عزیز صاحب کو لکھا تھا کہ آپ کو سنا دیں - معلوم ہوا کہ ہنوز انھوں نے آپ تک نہیں پہنچائی - انکو بھی اچھا شغل مل گیا ہے - شیعہ اخبار کی ایڈیٹری میں مشغول ہیں - میں خوش ہوا کہ عقد ہوتے ہی آپ کی آمدنی پونے دو سو ماہوار ہو گئی - "فروغ ماجد" بہت بجا تاریخ ہے آفتاب احمد خاں صاحب خوب شخص ہیں اور بہت قوت اور قابلیت سے علی گڈھ کو چلا رہے ہیں - میرے قدیم کرمفرما ہیں - اب مدت سے مراسلت نہیں ہوتی - سبب یہ ہے کہ میں دنیا سے رٹائر ہو گیا - اکبر

(۶۱)

امین آباد پارک لکھنو - ۷ستمبر ۱۶ء

عزیزی و مکرمی - موہن[1] لال گنج سے اطلاع ملی کہ میرا خط جو آپ کو بھیجا تھا - وہاں نہیں پہنچا - میں سمجھا تھا کہ آپ باندے[2] کے خیال میں مستغرق

---

[1] (ضلع لکھنو) میرے بھائی صاحب اس وقت وہاں نائب تحصیلدار تھے

[2] شہر باندا - میری سسرال ؛

تھے ۔ جائز تھا کہ دوستوں کو یاد نہ کیجئے ۔ تاہم اگر گنجائش ہو یا آپکی مرضی کے مطابق ہو تو شکایت کا نوٹس قبول فرمائیے ۔

آپ کی خیریت کا طالب ۔ اکبر حسین

(۶۲)

ڈیر فرینڈ[1] ۔ نہایت افسوس ہے کہ آپکو زحمت ہوئی ۔ میں آپ ہی سے ملنا حاصل سفر لکھنؤ سمجھتا ہوں ۔ خیال نہ تھا کہ جلد کارڈ پہنچ جائیگا ۔ اور آپ سویرے تشریف لائیں گے ۔ بعد ۱۱ بجے کے شاید راجہ صاحب محمود آباد کے ہاں سے سواری آئے ۔ مجھ کو معلوم نہیں کتنی دیر کے لیئے جانا پڑے ۔ چار بجے کے بعد غالباً سید افتخار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر (قیصر باغ) کے یہاں جانا ہو اور کیا عجب ہے کہ انکا اصرار وہیں ٹھہر جانے پہ مجبور کرے ۔ میں ابھی حاضر ہوتا ۔ لیکن مجھ یقین نہیں کہ آپ کہاں ہیں ۔ لہذا آدمی بہ دریافت حال جاتا ہے ۔

اکبر حسین

(۶۳)

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ[2] ۔ فلسفے نے قبول دعوت سے آپ کو کیوں نہ روکا ۔ ایک یونانی فلاسوفر نے اپنے دوست کو دعوت میں جانے سے

---

[1] حضرت اکبر لکھنؤ آئے ہوئے تھے ۔ یہ دستی رقعہ ہے ۔

[2] یہ بھی دستی رقعہ ہے ۔ میں کہیں دعوت کھا کر ذرا بیمار ہو گیا تھا ۔ حضرت اکبر کی قیامگاہ پر حاضر نہ ہو سکا اور معذرت نامہ لکھ بھیجا ۔

جبراً روکا۔ دونوں میں کشتی ہوئی۔ فلاسوفر صاحب غالب آئے اور اپنے دوست کو باندھ رکھا۔ آپ کی نادرستی مزاج کا افسوس ہوا۔ خدا کرے شام تک طبیعت درست ہو جائے۔ کل کا نسخہ مجھ کو موافق نہ آیا۔ طبیعت زیادہ نادرست ہو گئی۔ دن بھر رات بھر بے چین رہا۔ اس وقت حکیم صاحب نے مزاج پہچانا اور نسخہ بدل دیا۔ شام کو بہتر ہوں گا۔ قیصر باغ سے طلبی تھی کہ راجہ صاحب آ رہے ہیں۔ آئے۔ معذرت کرنا پڑی۔ آپ سے ملنے کا منتظر و مشتاق اکبر

علمی پیرائے میں آپکا ذکر برن صاحب سے رہا[1]۔

(۶۴)

الہ آباد۔ ۳ نومبر ۱۶ء

عزیزی و مکرمی۔ میں بدگمانی میں مبتلا تھا کہ فلاسوفر آدمی شاعرانہ خرافات کی داد مروّت میں دیدیتے ہیں۔ لیکن دلی تعلق نہیں رکھتے! الحمدللہ کہ آپکا کارڈ پہنچا۔ تعجب ہے کہ میرے خطوط کی رسید آپ نے نہ لکھی! ایک آپ کو لکھا تھا۔ ایک بھائی صاحب کو۔ خدا آپ کو تندرست رکھے اور فارغ البال۔ میں ۱۵ اکتوبر کو پرتاب گڈھ پہنچا۔ ۱۹ کو یہاں آیا۔ ۲۰ اکتوبر کو دہلی چلا تھا۔ اگرچہ سمدھی صاحب کہہ رہے تھے کہ اس زمانہ

---

[1] یہ وہی رچرڈ برن سی۔ آئی۔ ای چیف سیکرٹری صوبہ متحدہ ہیں۔ جن کا ذکر اوپر کئی بار آچکا ہے۔

میں نہ جائیے - ایک عزیز کو اپنے ساتھ کمپارٹمنٹ میں بٹھایا تھا کہ مونس تنہائی ہوں گے - دو خادم ساتھ تھے - عجب اتفاق کہ کانپور پہنچ کر ایسا دورانِ سر اور قبض اور احتباس ریاح کے سبب سے خفقان ہوا کہ میں اتر پڑنے پر مجبور ہوا - ویٹنگ روم میں شب بسر کی - صبح تک طبیعت چاق نہ تھی - الہ آباد واپس آیا - بہت افسوس ہوا - اب عمر دمی میرے لئے زیادہ ہوگئی - کیا جا سکونگا - ہاں لکھنؤ شاید آسکوں اگر محفوظ مکان ملے - دسمبر میں اُردو کانفرنس[1] ہے کاش خواجہ صاحب بھی آسکیں تو بڑا لطف ہو - بعد عشرہ محرم پرتاب گڑھ کا قصد ہے - سید سلیمان صاحب کو سلام - کہاں ہیں؟ کب تک قیام ہے؟ کبھی کبھی دو چار شعر ضرور کہہ لیا کیجئے - جوہر قابل موجود ہے - دعاگوئے شما اکبر؟

ہمدم میں ایک مضمون چھپا ہے حرکت ..... حرکت وقتی وضوبی حرکت سفیہ آپ نے اسے دیکھا ہوگا ؛

(۶۵)

الہ آباد - ۱۱ نومبر ۱۶ء

مکرمی - السلام علیکم و رحمۃ اللہ - کیا پروگرام بناؤں[1] - بہت جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملوں - سید سلیمان صاحب سے ملاقات ہو لیکن ٹھہروں

---

[1] انجمن ترقی اُردو کا جلسہ لکھنؤ میں آخر دسمبر میں اردو کانفرنس کے نام سے دھوم دھام سے ہونے والا تھا - نواب نصیر حسین خیال صدر قرار پائے تھے - ان خطوط میں برابر اسی کے حوالے ہیں ؛

کہاں؟ معلوم نہیں وہ بالاخانے خالی ہیں یا نہیں۔ جالب[1] صاحب تو لکھتے ہیں کہ میرے مہمان ہو جئے۔ سردی بڑھتی جاتی ہے۔ غالباً دو تین دن میں پرتاپ گڈھ جاؤں۔ وہاں سے لکھنؤ کا قصد کرونگا۔ اگر ہو سکا۔ خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے انکو لکھا تھا۔ انہوں نے کانفرنس سے استمداد کی ہے۔ معاملہ ذرا پیچیدہ ہے وقت نازک ہے[2]۔ خیر جو کچھ ہو دیکھا جائیگا۔ امر للانسان ما تمنیٰ۔ سید سلیمان صاحب کو بہت بہت سلام شوق۔

اکبر حسین

(۶۶)

الہ آباد۔ ۲۱ نومبر سنہ۱۶ء

عزیز مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ سردی ستا رہی ہے۔ مارچ کا انتظار ہے۔ اگرا س وقت تنگ زندگی ہے۔ افسوس کہ سید سلیمان صاحب وہاں ہیں۔ میں حاضر نہ ہو سکا۔ (۵) سے پرتاپ گڈھ میں ہوں۔ آج الہ آباد کا قصد ہے۔ عقیل ابن عشرت کے لئے ایک معلم کی ضرورت ہے۔ عربی شروع کر دی گئی ہے۔ میزان منشعب پڑھ چکے ہیں۔ یہ بھی چاہتا

---

[1] سید جالب دہلوی مرحوم (متوفی سنہ۱۹۳۰) اڈیٹر روزنامہ ہمدم۔ ہمدم اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں یوپی کا سب سے بڑا روزنامہ تھا۔

[2] خواجہ حسن نظامی سے یو۔پی گورنمنٹ اس وقت ناخوش تھی۔ اور اس صوبہ میں اُن کے آنے کی ممانعت تھی۔

ہوں کہ مذہبی واقفیت ہو جائے - نماز کا خوگر ہو جائے کیا آپ اور سید سلیمان صاحب کسی کو تجویز کر سکتے ہیں - ذرا ہوشیار شخص ہو - کھانا ملیگا اچھی جگہ اچھی طرح رہیں گے - سردست ۲۰ روپے ماہوار یا حسب لیاقت جو تجویز ہو دیا جائیگا - خوب دھوم دھام سے علمی نمائش کی تیاریاں آپ لوگ دسمبر کے لئے کر رہے ہوں گے - سید سلیمان صاحب کو سلام شوق - بھائی صاحب کو تسلیم - دعائے خیر کا طالب اکبر

خواجہ صاحب کو جواب ملا ہے کہ آپ کی درخواست استجازت شرکت اُردو کانفرنس غور و تجویز کے لئے پولیٹکل صیغہ میں منتقل کر دی گئی ہے - کاش آپ یا اور کوئی صاحب کوئی مفید تحریک کر سکیں - میں اچھا نہیں ہوں - صحت کا یہ حال ہے کہ ۱۲ نومبر کو چیف سیکرٹری کے پاس کارڈ بھیجا - تعیّن وقت ہو چکا تھا - دفعتاً طبیعت اس قدر خراب ہو گئی کہ واپس چلا آیا اور معذرت لکھ بھیجی ؞

(۶۷)

الہ آباد ۳۰ نومبر ۱۶ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - یاد آوری کا شکر گذار ہوں - ان غزلوں[ل] میں وسعت خیال زیادہ ہے - لیکن بلحاظ قواعد زبان سابق کی غزلیں زیادہ کھری تھیں - اسکا سبب زبانی کہوں گا - اگر زندہ رہا - جہاں آپ کو

[ل] کچھ پرانی اور نئی غزلیں اصلاح کے لئے پیش کی تھیں ؞

بجا شبہ ہے نہ صرف وہاں بلکہ اور مصرعوں میں بھی تغیرّ و تبدل کی ضرورت ہے ۔ انشاء اللہ دو چار دن میں واپس بھیجدوں گا ۔ دسمبر میں اُمید نہیں کہ لحاف چھوڑ سکوں ۔ علی گڈھ سے میرے لیے کسی انجمن کے صدر ہونے کی تحریک ہوئی ہے ۔ لیکن معذرت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ۔ اُمید ہے کہ آپ کے گھر میں خیریت ہو ۔ بھائی صاحب کو تسلیم ۔ باندے جائیے تو مجھ سے ضرور ملئے ۔ سید سلیمان صاحب کو سلام ۔ معارف نمبر ۵ جلد ۱ کے پہلے ہی صفحے میں مکاتیب و مدارس چھپا پاتا ہوں ۔ کیا مکاتب صحیح نہیں ؟

اکبر حسین

(۶۸)

الہ آباد ۔ ۴ر دسمبر ۱۶ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ آپ کے خط سے میں نہایت ہی خوش ہوا اول تو غزلوں کے باب میں آپ کی تحریر نے مجھ کو مطمئن کیا ۔ دوسرے حسن نظامی صاحب کے باب میں بربن صاحب سے تحریک کرنے کے ارادے کی نہایت مسرت ہوئی ۔ میں اس سے بہت پہلے خود ایسی تحریک کرتا ۔ لیکن میں خود آزادگی سے پاک نہیں ہوں ۔ اور مسجد والے معاملے میں تو یہ غلط قیاس کیا گیا کہ میری مشورت شامل تھی[۱] یہ خیالات

---

[۱] یعنی ۱۹۱۳ء کے اسی واقعہ شہادت مسجد کانپور کے سلسلہ میں حاشیے اوپر گذر چکے

مانع تحریک تو نہیں ہو سکتے۔ لیکن اندیشہ یہ تھا کہ کہیں سوءِ ظن اور نہ بڑھے۔ آپ کو خدا نے آمادہ کیا ہے۔ شاید کام نکل جائے۔ خواجہ صاحب نے براہِ راست ہز آنر صاحب کو لکھا۔ کچھ نتیجہ نہ نکلا مجھ کو بارہا یہ خیال آچکا ہے کہ برن صاحب کی شخصیت کاربرآری کی مانع ہوئی۔ ان سے التجا کرنا چاہیئے۔ بہتر ہو کہ خواجہ صاحب کی ایک عرضی بھی ان کے نام منگا لیجئے۔ ڈاک پر براہ راست آئے یا خود پیش کیجئے۔ اس میں یہ بھی ہو کہ حضور لٹریری آدمیوں کے مربّی و قدر دان ہیں۔ اِس مصیبت سے مجھ کو نجات دیجئے۔ خواجہ صاحب کے نقصانات کا بھی ذکر شاید مناسب سمجھئے۔ جو یو۔پی میں نہ آسکنے کے سبب سے ہو رہے ہیں۔ میں نے خدا جانے آپ کو لکھا یا نہیں۔ ۱۲ نومبر کو میں برن صاحب سے ملنے گیا۔ وقت مقررہ پر حاضر ہوا تھا۔ کارڈ جا چکا تھا۔ ایک یوروپین صاحب مل رہے تھے۔ میں منتظر بیٹھا تھا۔ اِسی اثنا میں مجھ کو دورۂ تبخیری شروع ہو گیا اور خلافِ توقع بول و براز کی حاجت محسوس ہوئی۔ اور طبیعت بالکل ہاتھ سے جاتی رہی۔ مجبوری فوراً واپس بھاگا۔ گھنٹوں میں طبیعت سنبھلی۔ میں نے معذرت کا خط بھیجا اور لکھا۔ کہ پھر اجازت حاصل کرونگا۔ اب شاید بشرطِ زندگی مارچ میں ہو قع سے لکھنؤ میں۔ کیا کہوں کہ طبیعت کی نادرستی سے کیسا معذور رہوں۔ مکان ٹھہرائیے تو چندے لکھنؤ رہوں۔ شاید سال بھر۔ مولوی شرافت اللہ صاحب کا بے حد

افسوس ہؤا[1]۔ میرے بڑے پرانے بے تکلّف دوست تھے۔

اکبر حسین

(۶۹)

الہ آباد - ۶ دسمبر ۱۶ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو مراتب عالی پر پہنچائے اور خوش رکھے - آپ نے بڑا کام کیا کہ حسن نظامی صاحب کے لکھنو آنے کی اجازت برن صاحب سے حاصل کی - خدا راست لائے - بلحاظ حالات میں نے خواجہ صاحب کو ممانعت کر دی تھی - لیکن اب انکو تشریف لانا ضروری ہے - میں آسکوں یا نہ آسکوں امید ہے کہ برن صاحب کی مہربانی سے انکو یہاں کی بھی اجازت حاصل ہو جائے - اگر ممکن ہؤا تو میں بھی حاضر ہوں گا - لیکن نہایت دقّت ہے - سید سلیمان صاحب سے ملنے کا بہت آرزو مند ہوں اور ایسی صحبت کہ وہ ہوں - آپ ہوں - خواجہ صاحب ہوں - میرے لئے غذائے روح ہو گی - میں اس بات سے نہایت خوش ہؤا کہ برن صاحب نے فرمایا کہ وہ تصوف کو پسند کرتے ہیں - خواجہ صاحب کو بہت مدد ملے گی - میں اگر آیا تو بعد ختم کانفرنس آوں گا - انسائیکلوپیڈیا کا خیال مجھے مدت

---

[1] مولوی حاجی شرافت اللہ صاحب فرنگی محلی پنشنر ڈپٹی کلکٹر - حضرت اکبر کے خاص دوستوں میں تھے - عین اس زمانہ میں ایک روز دفعتہً وفات پا گئے - مدتوں بطور مہاجر مدینہ منورہ میں مقیم رہے تھے ؞

سے ہے۔ لیکن ذرا اور جینیلٹی ہونا چاہیئے۔ میں ناتوانی اور ناتندرستی سے بہت معذور ہوں ورنہ ریلیجن ورریالٹی کا ترجمہ کیا چاہتا ہوں جو بالکل فلسفۂ تصوف ہے اور رفانڈیشنس آف بلیف کا خلاصہ۔ یہ بھی فلاسوفی آف تھیالوجی ہے۔ برن صاحب کا اشارہ ہے۔ اکبر حسین

(۷۰)

الہ آباد - ۸ دسمبر ۱۹ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - لٹریری محفل کی چہل پہل مبارک ہو۔ انسائیکلوپیڈیا کی خبر اخباروں میں چھپ گئی - خدا راست لائے - پہلے مجھ کو اپنا مصرعہ یاد آتا تھا ع فرنیچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ مطلع یاد کیا

دنیا کی طوالت بجا ہے خلقت کا تو لمبا قصہ ہے!
ہر شخص فقط یہ غور کرے اس کل میں مرا کیا حصہ ہے

۱؎ یعنی اردو انسائیکلوپیڈیا کا - مولانا سید سلیمان ندوی اور اس ہیچمدان کی طرف سے اس وقت اس کی تحریک ہوئی ہے -

۲؎ راجہ صاحب محمود آباد نے اس کام میں شاہانہ امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کی تجویز انگریزی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ترجمہ تک محدود تھی ؎

۳؎ Tuckwell کی کتاب Religion and Reality.

۴؎ حاشیہ اوپر گذر چکا ؎ ۵؎ (Philosophy of Theology)

۶؎ اسی اردو کانفرنس کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے ؎

اس لحاظ سے آپ اور سید سلیمان صاحب ٹھیک راہ پر ہیں۔ سب کچھ ہو جائے۔ یہ خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ دو شعر بے ساختہ قلم سے ٹپک پڑے

خدا نے جو غیرت عطا کی ہو تم کو تو ملت کے اعلیٰ مقاصد کو دیکھو

اولوالعزمی راجہ صاحب کو سمجھو مذاق سلیمان و ماجد کو دیکھو

اس کے اول اور آخر اشعار کبھی سنئے گا۔ معلوم نہیں خواجہ صاحب برن صاحب سے کس تاریخ ملیں گے۔ میرا دل بہت چاہتا ہے۔ کہ آپ صاحبوں سے ملوں۔ لیکن سردی کے موسم میں سفر دشوار ہے۔ امراضِ لاحقہ سے اور بھی دشواری ہے۔ کاش ماجد اینڈ کو دو ایک دن کو یہاں تشریف لاتے۔ میرے مہمان ہوتے۔ ٹریولنگ اکسپنسز[1] کل میرے ذمّہ۔

علمی بحث نہ سہی۔ شاعرانہ گپ بھی آپ کی کمپنی کے لئے بالکل بے مزہ نہ ہوگی۔ آپ میں تو شاید ابھی طالب العلمانہ ترنگ اور بے تکلفی کچھ باقی ہے۔ سید سلیمان صاحب کا حال معلوم نہیں۔ ممکن ہے۔ خواجہ صاحب قصد فرمائیں اور آپ کو بھی اُبھاریں۔ الہ آباد دُور ہو۔ تو پرتاب گڈھ سہی۔ تین گھنٹے کی راہ ہے۔ عشرت سلمہٗ[2] بھی مستفید اور خوش ہوں گے۔ پرتاب گڈھ یہاں سے بہت قریب ہے۔ وہاں

---

[1] یعنی مصارف سفر۔

[2] ڈپٹی عشرت حسین صاحب اب پرتاب گڈھ آ گئے ہیں، پرتاب گڑھ ان کی سسرال بھی ہے۔

تک میں بآسانی پہنچ سکتا ہوں۔ خیر ایک دلی خواہش کا اظہار کر دیا گیا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ گھر میں سلام اور دعا۔ معلوم نہیں مسٹر ماجد کہاں ہیں۔ اُن کو بھی دعا۔ اکبر حسین

(۷۱)

الہ آباد۔ ۱۲ر دسمبر ۱۶ء

عنایت فرمائے من زاد محبتہٗ۔ آپ کو یہ سُن کر افسوس ہوا ہوگا کہ برن صاحب نے خواجہ صاحب کی درخواست پر عذر عدیم الفرصتی کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی غنیمت ہے کہ اُردو کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی۔ لکھنؤ آنا جائز رکھا۔ اُمید ہے کہ آئندہ الہ آباد آنے کی اجازت بھی دے دیں اور انکو میں بلا خوف مواخذہ مہمان بنا سکوں لیکن اس وقت نامنظوری ملاقات نے ایسا افسردہ کر دیا کہ غالباً اب وہ لکھنؤ نہ آئیں۔ آتش نے خوب کہا ؂

وفائے وعدہ کی کسکو امید یار سے ہو ۔ کلام بت ہے کچھ اللہ کا کلام نہیں

خیر آپ سے جو ہو سکے کیجئے اور کرتے رہئے۔ آپ بھی جب تک اللہ کی مرضی ہے۔ یارانِ طریقت میں داخل ہیں۔

میں نے آپ سے یہاں آنے کی درخواست کی۔ یہ بھول گیا کہ یہ زمانہ آپ صاحبوں کے لئے کس قدر مشغولی کا ہے۔ یہی دن ہیں اور یہی عمر کام کرنے کی ہے۔ بھائی صاحب کو تسلیم

اکبر حسین

(۷۲)

الہ آباد - ۳ جنوری ۱۹۱۸ء

عزیزِ مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - اپنی خیریت لکھیے - طبیعت کو تعلق ہے ہمدم میں اردو کانفرنس کا کچھ حال چھپا ہے - آپ کا نام نظر نہ آیا - خواجہ صاحب ایک دن کے لیے علی گڑھ گئے تھے - اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے - ہم لوگوں کی مشکلیں دُور ہوں - ہم میں تو اب نازِ فلک اُٹھانے کی طاقت نہ رہی - عاقبت بخیر ہونے کی دعا ہے - آپ کے یہ دو شعر بلحاظ معنی بہت خوب ہیں -

وہ مدت ہوئی مِل چکے ہیں عدو سے | مری آہ اب تک اثر ڈھونڈتی ہے
نگاہ کرم اس ستم گر کی ناظر | فقط آپ کی چشم تر ڈھونڈتی ہے[۱]

اس مقطع کو آپ خود بھی یاد رکھیے - آپ سے مِلنے کا آرزو مند ہوں - دیکھیے کب موقع مِلتا ہے -

اکبر حسین

(۷۳)

الہ آباد ۱۷ $\frac{۱۱}{۱}$

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - دس پندرہ دن سے مسلسل دورے تبخیر اور دردِ سر کے ہوتے ہیں - رات تین بجے تک سخت

---

[۱] میری شاعری کی عمر ہی کتنی ہوئی - بہرحال تخلص ناظر رکھا تھا - تازہ غزل اس وقت "خبر ڈھونڈتی ہے" "اثر ڈھونڈتی ہے" کی زمین میں تھی ؂

بے چین رہا۔ معمولی شکایتیں مزید برآں۔ میں نے آپ کو لکھا تھا کہ ایک دِن برن صاحب کے یہاں کارڈ بھیج چکا تھا۔ منتظر تھا۔ کہ خلافِ توقع تنخیر شروع ہو گئی اور ہاتھ پاؤں بیکار ہو چلے۔ میں مجبوری چلا آیا۔ معذرت لکھ دی تھی۔ لیکن نہ معلوم وہ کیا سمجھے ہوں۔ اسی وجہ سے اب تک عنایت نامے کا جواب نہ لکھ سکا۔ لکھنا بار ہے۔ موت کی گھڑی کی مدح میں مجھ میں آپ میں توارد ہوا۔ خواجہ صاحب کا خط ابھی آیا ہے۔ میری عیادت خواجہ صاحب چاہتے تھے۔ میں دو برس سے تامل کر رہا ہوں۔ اجازت ملے تو البتہ۔ عجب وقت ہے۔ عجب مشکلات ہیں۔ طبیعت درست ہو تو مفصّل لکھوں۔

دعا گوئے شما۔ اکبر حسین

(۴۷)

الٰہ آباد۔ ۲۵ جنوری ۱۹۱۸ء

عزیزِ مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے خط لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن نہ لکھ سکا۔ ضعف روز افزوں ہے اور اس کے ساتھ انتشارِ طبع۔ کسی بات میں دِل نہیں لگتا۔ سُنا ہے کہ راجہ صاحب نے انسائیکلوپیڈیا کا خیال چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا ہم آپ لوگ کچھ نہ کچھ کام کر سکتے ہیں۔ خواجہ صاحب تو خوب کتابیں لکھ رہے ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ حوادث زمانہ نے میرا انکا مِلنا دشوار کر دیا۔ ارادہ تو کرتا ہوں کہ وسط یا آخر فروری میں دہلی جاؤں اور ٹھہروں اور ان سے ملوں۔

کاش آپ بھی یہاں تو خوب ہو - بھائی صاحب کیسے ہیں - اُن کی خدمت میں سلام -
اکبر حسین

(۷۵)

الہ آباد - ۲ر فروری ۱۹۱۱ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - مجھ کو اسی قدر دریافت ہوا تھا - کہ امداد انسائیکلوپیڈیا کی نسبت راجہ صاحب کی آمادگی نہ رہی - بہرکیف اللہ نے آپ کو ایسی قابلیت عطا کر دی ہے کہ عمدہ اور معزز شغل میں وقت کٹے - اُمید ہے کہ مایحتاج کی محتاجی بھی نہ ہو - اہل علم (لٹریری مدیں) اکثر زیادہ دولت مند نہیں ہوتے - لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کے اطمینان اور خوشحالی کا وقت آنے والا ہے - میں صفراوی دستوں میں مبتلا ہو گیا تھا - یعنی وہی حالت جو بار رسالہ لکھنو میں پیش آئی تھی تین دن بہت بے چین رہا - آج سکون ہے - لیکن ہنوز اطمینان نہیں ہوا - پبلک اور پرائیویٹ دونوں قسم کے تردّدات اس قدر گھیرے ہوئے ہیں کہ تھوڑا بہت کام جو دماغ سے ہو سکتا وہ بھی نہیں ہو سکتا - یہ نوبت یا منزل ہستی بھی عجیب جگہ ہے - روز بروز آپ کو تجربہ زیادہ ہو گا - اور چونکہ آپ خیال کرنے والے آدمی ہیں - آپکو لطف آئے گا - میں نے لطف لکھ دیا - یہ کہنا چاہیئے کہ دائرہ تعقل وسیع ہو گا - یہ تو فرمائیے کہ ہمارے عزیز مکرم سید سلیمان صاحب ان دنوں کہاں ہیں - انکا اڈریس کیا ہے - آپ کے بھائی صاحب کیسے ہیں - ان کو

سلام عرض کرتا ہوں - دو چار دن میں پرتاب گڈھ کا قصد ہے -

اکبر حسین

(۷۶)

الہ آباد - ۱۳ فروری ۱۷ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - ۲۹ جولائی سے بیمار ہوں - نئی شکایتیں جو لاحق ہو گئی ہیں - ہنوز موجود ہیں - لکھنو پہنچتا تو آپ کے دوست حکیم صاحب سے رجوع کرتا - اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں - آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا - سید سلیمان صاحب کی خیریت پوچھی تھی - محرم نامہ[1] آپ نے دیکھا یا نہیں - سید سلیمان صاحب کی تحریر بہ ہمدم میں چھپی ہے - سچ ہے دونوں کے لٹریری پوزیشن میں بڑا فرق ہے - لوگ کہتے ہیں کہ انسائیکلوپیڈیا سے پہلے اُردو ڈکشنری کی ضرورت ہے - راجہ صاحب صدر انجمن ہو گئے - اطمینان ہوا - گھر میں سب کو دعا سلام -

خاکسار دعاگو اکبر حسین

بلینک ورس ۱

شیعہ سنی کا شغل تھا پہلے — پھر مسلمان ہو گیا بندہ

پھر رہا چند دن فقط انساں — اور بالفعل صرف نیٹو ہوں

خرافات ہے مگر اسی سے دن کاٹتا ہوں -

---

[1] محرم نامہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ایک رسالہ کا نام ہے - مولانا سلیمان ندوی نے ایک ممتاز عالم اور مورخ کی حیثیت سے اس پر زبردست تنقید کی ہے۔

(۷۷)

پرتاب گڈھ - ۲۶ فروری ۱۹۳۱ء

عزیزی دریابادی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں ۲۹ جنوری سے اب تک غیر معمولی شکائتوں سے تکلیف اٹھا رہا ہوں - اِس موسم میں اخلاط غیر طبعی کا کچھ ہیجان ہو گیا ہے - ناتواں بہت ہوں - ایک سلسلہ ناتندرستی مزاج ہے کہ قائم ہے - اس وقت ایک دانت میں درد ہے - کھانے میں تکلیف ہے - اِسی حالت میں پرتاب گڈھ چلا آیا ہوں - کچھ افاقہ ہو تو لکھنو کا بھی قصد ہے - آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں - یہ تو فرمایئے - کہ مسٹر برن بغیر پہلے سے اپائنٹمنٹ[1] کے بھی ملتے ہیں یا نہیں - کون دن اور وقت مقرر ہے - میں نے تو مدت سے دربارداری ترک کر دی ہے - قطع نظر اس کے کہ ضرورت نہیں ہے - صحت کی خرابی سے اِس کام کے لئے تیار نہیں ہو سکتا - خاص حالات تھے کہ برن صاحب سے دو ایک دفعہ ملا - اپائنٹمنٹ ہو جاتا - لیکن دیکھتا ہوں کہ ممکن ہے کہ وقت مقررہ پر میں تیار نہ ہو سکوں - آپ نے پچھلے خط میں محرم نامے پر سید سلیمان صاحب کے ریویو کا ذکر لکھا تھا - مجھ کو اپنے دوست خواجہ صاحب کے ساتھ ہمدردی ہے - اِسی روک ٹوک نے جس کے وجوہ آپکو معلوم ہونگے انکو بہت نقصان پہنچایا اور پبلک بھی فوائد سے محروم ہے - مجبوری انہوں نے اس

---

[1] یعنی تقرر وقت ؞

طرف توجہ کی اور اپنے لئے ایک ذریعہ نکال لیا ورنہ انکا تصوف کافی سے زیادہ تھا - اور یہ ہونا چاہیئے - سید سلیمان صاحب دربار یان ہارون رشید میں ہیں - ان کے مذاق کا کیا پوچھنا - خواجہ صاحب کا اور رنگ ہے لیکن ہسٹری انکو مفید نہیں ہو سکتی - آپ کو موجودہ شغل مبارک ہو - آپ کی قابلیت دیکھ کر زمانہ رضامند ہو گیا کہ آپ کو سنہ ۱۷ء کے سکے دے اور بزم افلاطون میں آرام کرنے کی اجازت دے[لہ] - خدا آپ کو اعلیٰ مدارج ترقی باطنی پر پہنچائے - دعاگوئے شما اکبر حسین

(۶۸)

الہ آباد - ۲ ر مئی سنہ ۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کے کارڈ نے میرے سوء ظن کو رفع کر دیا - اگرچہ میں خاموش نہ ہوا تھا - صبح شام میں آپ کو خط لکھا ہی چاہتا تھا - نہ غرض نہ تعلق نہ معاملہ نہ مقدمہ لیکن کوئی بات تو مشترک ہے کہ مجھ کو آپ کا اور آپ کو میرا خیال ہے - جب تک یہ اشتراک باقی ہے - (خدا کرے باقی رہے اور روز افزوں ہو بشرطیکہ مضر نہ ہو) لطف باقی ہے - میں ۲۳ ر مارچ کو سہ پہر کو لکھنؤ پہنچا - ۲۵ امین آباد پارک بالاخانے پر مقیم ہوا اور فی الفور پیادہ پا براہ راست آپکے مکان پر پہنچا

لہ اُس وقت افلاطون کی مشہور کتاب (REPUBLIC) کے ترجمہ کا ارادہ ہوا تھا - چند ورق کے بعد کام رُک گیا ۔

مایوسی ہوئی۔ جب سُنا کہ آپ باندے گئے۔ بھائی صاحب بھی مہراج گنج کے لئے پا بہ رکاب تھے۔ آپ کو غالباً اطلاع دی گئی۔ اور میں امیدوار رکھا گیا کہ آپ جلد آتے ہیں۔ دوسرے دِن بربی صاحب سے مِلا۔ کیونکہ ملنا ضروری ہو گیا تھا اور یکم اپریل کو واپس آیا۔ ادھر آپ کی نسبت کوئی اطلاع نہ مِلی۔ ادھر حرارت موسم کا خیال تھا اور حاجی صاحب نے وہ بالاخانہ کسی اور کو دیدیا تھا۔ میں ۸ راپریل تک پرتاپ گڈھ میں رہا۔ لیکن ؎

ابتدا گرمی کی ہے اپریل سے اب میں گھبرانے لگا کھپریل سے

اِسی وجہ سے ۹ راپریل کو یہاں چلا آیا۔ موسم وہی ہے۔ لیکن میں وہ نہیں ہوں۔ شکائتیں روز افزوں ہیں۔ اکثر حصہ وقت کا دردآگیں احساس میں گذرتا ہے۔ دل کسی کام میں نہیں لگتا۔ کیونکہ طولِ امل کی لذت جاتی رہی اور جس بات میں کچھ دِلچسپی ہے اس کے مواقع نہیں مِلتے۔ راہیں بند ہیں۔ ڈھائی برس ہوئے۔ خواجہ صاحب سے مِلا نہیں۔ آپ سے ملاقات ہوتی تو بہت کچھ باتیں ہوتیں۔ طبیعت کو انبساط ہوتا۔ اللہ آپکو خوش رکھے۔ اور ترقیاں عطا فرمائے۔ اُمید ہے کہ گھر میں سب خیریت ہو۔

اکبر حسین

(۷۹)

الہ آباد۔ ۹ رمئی ۱۹۱۸ء

محب اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی غزل خوب ہے۔ ترکیب الفاظ

بہت صاف وصحیح ہے۔ اگرچہ آپ نرے تقلیدی فلاسوفر نہیں ہیں۔ لیکن شاعری آپ کو زیادہ تر اوریجنلیٹی[1] کی طرف لیجائے گی۔ ابتداءً کچھ عاشقانہ طرز کا مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہی ہے۔ اس باب میں پھر کچھ لکھوں گا دو ایک شعر اس غزل میں بالخصوص داد کے مستحق ہیں۔

مسٹر حفیظ پر یہ اعتراض ہوتا کہ انہوں نے خود مجھ کو کیوں نہ لکھا[2] لیکن اس خاص موقع پر آپ کی وساطت سے مجھ کو مدد ملی۔ ورنہ شاید تامل ہوتا۔ آپ کی تحریک و تصدیق خود ایک سند ہے۔ بہتر ہے کہ آپ ایک سرٹیفیکیٹ لکھ کر بھیج دیں۔ میں بھی انڈورس[3] کردوں۔ میں خود بھی ان کو قابل ولائق سمجھتا ہوں۔ لیکن سررشتہ تعلیم کا مجھ کو تجربہ نہیں ہے۔ خدا کرے۔ آپ ہر طرح صحیح و تندرست ہوں۔ دعاگو اکبر حسین

(۸۰)

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ماشاء اللہ۔ آپ نے خوب لکھا۔ دستخط کرکے واپس کرتا ہوں۔ اب کسی قدر افاقہ ہے۔ لیکن کیا اعتبار۔ فنا پر کچھ اشعار کہیئے۔ عبرت کے رنگ میں یا فلسفیانہ۔

---

[1] یعنی جدت۔ اجتہاد ۰

[2] حفیظ سید پر حاشیہ اوپر گذر چکا ہے اُردو پڑھانے کی شاید کسی کالج میں جگہ خالی ہوئی تھی۔ میں نے حضرت اکبر کو لکھا تھا کہ آپکے سرٹیفکیٹ سے اُنکا کام بن سکتا ہے

[3] یعنی تائیدی دستخط ۰

الحمدللہ۔ آپ کو علم نے عمر سے بہت آگے کر دیا۔ لیکن یہ فطرتی سنجیدگی ہے۔ ا۔ح

(۸۱)

الہ آباد - ۲۳ مئی ۱۹۲۸ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - معارف میں کلی کی بحث شاید آپ ہی نے کی ہے[1]۔ لیکن اخفائے نام کی کیا ضرورت تھی - کوئی بری بات نہ تھی۔ لیکن منطق تو لفظوں پر ہے - ایک گرہ تھی - وہ کھول دی گئی۔ فلسفہ نظام کا مضمون بہت صاف ہے - ایسی بحثیں کہ خدا اپنا مثل پیدا کر سکتا ہے کہ نہیں - مجھے ہمیشہ تعجب میں ڈالتی ہیں - کیوں نہ یہ بھی پوچھا جائے - اللہ میاں خودکشی کر سکتے ہیں یا نہیں -

ان غریبوں کو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر نے چکر میں پھنسا دیا ہے - میں تو سمجھتا ہوں کہ کلّ شیئٍ کے مفہوم کو نہیں سمجھا -

خدا غیر مخلوق مان لیا گیا تو وہ جس کو پیدا کریگا وہ مخلوق ہوا یا غیر مخلوق -

آپ نے فلاسفکل اور سائنٹیفک ٹرمس کے مرادف الفاظ اپنی زبان میں دریافت کئے ہیں یا قرار دیئے ہیں - کیسا اچھا ہو کہ سب کو یکجا کیجئے - اپنی اپنی تصنیفوں کے متعلق الفاظ کی نسبت اوروں نے بھی

---

[1] معارف میں ایک علمی فلسفیانہ مضمون تصورات کلیہ پر نکلا تھا مگر میرا نہ تھا۔

ایسا کیا ہے۔ظفر علی خان۔ نواب علی[1] صاحب وغیرہ سب کو لیجئے۔ مجوزہ انسائیکلوپیڈیا کے لئے مواد بہم پہنچے گا۔ اور ان الفاظ کی تعریف بھی گویا فلسفہ ہے۔ کتاب مقبول ہو گی آئندہ امپروود ایڈیشن[2] نکلتے رہیں گے آپ نے نیبولا (NEBULA) کے خیال کو کس لفظ سے ادا کیا ہے۔ میں تو مناسب سمجھتا ہوں کہ یہی لفظ لے لیا جائے۔ اگرچہ اس کی تشریح کر دی جائے۔ المارباں تو بھری جاتی ہیں۔ سینہ و زبان خالی ہیں یا کچھ نہیں یا وہی انگلش ٹرم یا جو زبان ہو۔

آپ کے دوست۔۔۔ صاحب کا کیا ہوا۔ انہوں نے تو تصوف کا دامن تھاما تھا۔۔۔ صاحب سے محبت تھی۔ نکاح دلّی میں ہوتا تھا۔ کیا یہ سب تقیہ تھا۔ الیٰ اصلہ نے اپنا ثبوت دیا۔

میرے لئے جو اس گداز موسم شروع ہو گیا۔ زندہ رہا تو اگست ستمبر میں ملنے کی اُمید ہے۔ سید سلیمان صاحب کی بیوی مر گئیں[3]۔ سخت افسوس ہوا۔ انہوں نے مرثیہ میں بعض شعر بہت مؤثر لکھے ہیں۔ بھائی صاحب کہاں ہیں؟ قائم مقامی ختم ہوئی یا نہیں[4]۔ گھر میں سب کو سلام

---

[1] یعنی مولانا ظفر علی خان (مترجم خیابانِ فارس و معرکۂ مذہب و سائنس وغیرہ) اور پروفیسر سید نواب علی ایم۔اے (مصنف معارج الدین۔ تاریخ صحف سماوی وغیرہ)

[2] (Improved Edition) اصلاح شدہ ایڈیشن ٭

[3] مولانا کی پہلی بیوی صاحبہ کا انتقال ہوا ہے ٭

[4] بھائی صاحب اب قائم مقام تحصیلدار تھے ٭

و دُعا - خواجہ صاحب رسالوں کے خوب فیر کر رہے ہیں -

دعا گوئے شما اکبر

(۸۲)

الہ آباد - ۴ جون ۱۹۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں خوش ہوا کہ آپ برکلے کا ترجمہ کر رہے ہیں[۱] - آپ کو خود انشاءاللہ بہت فائدہ پہنچے گا - بشرطیکہ آپکو اس کی پروا ہو - میرا مطلب باطنی فائدے سے ہے - ہم تو او رہم کیا قریباً وہ سب جن کو ہم نے جانا ہے - برکلے کی تقریر کو صحیح و دل نشین پاتے ہیں - ہمارے تصوف کی کامل تائید ہے - کوشش کیجئے گا کہ بیان صاف ہو - ابوالکلامی نہ ہو - یہ سچ ہے کہ مباحث ہی پیچیدہ ہوں تو کوئی کیا کرے - ہندوستان کا پالٹکس بہت پیچیدہ اور مشکل اور خطرناک ہوتا جاتا ہے - اُردو یونیورسٹی بھی اسی میں داخل ہے - ہندو کا ہوم رول اور ذوق ہندی بھی اسی میں داخل ہے - انڈین کا فوج میں داخل ہونا بھی اس میں داخل ہے - بہرحال زندگی بسر کرنا ہے - مجھ کو ایک مضمون لکھنا ہے - بہ ضرورت خاص میں نبیولا ہی لکھوں گا لیکن ضبابۃ النجوم بھی بریکٹ میں لکھ دوں گا[۲] - خدا وہ وقت لائے - کہ آپ

---

[۱] یہ ترجمہ (BERKELEY) کے (DIALOGUES) (مکالمات) کا تھا ؛

[۲] ملاحظہ ہو مکتوب ۱۲/۸۱ میں نے لکھا تھا کہ مجھے نبیولا کے لئے کوئی لفظ نہیں ملا - البتہ مصری اہل قلم ضبابۃ النجوم لکھتے ہیں ؛

کی تصنیفات الماریوں سے سینوں میں اور سینوں سے زبانوں پر پہنچیں - بھائی صاحب کو تسلیم - کہاں ہیں؟ جون نے جان چھوڑ دی - تو جولائی میں شاید ملنا ہو - اکبر حسین

(۸۳)

الہ آباد ۳۰ جولائی ۱۹۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں معلوم ہوئی۔ مطلع فرمائیے - آپ اپنے کاموں میں مشغول ہیں یہی وقت کام کرنے کا ہے - لہذا شکایت نہیں کر سکتا کہ آپ نے خود کیوں نہ تقدیم کی - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم - اکبر

(۸۴)

الہ آباد ۲۶ جولائی ۱۹۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ کے خط کا جواب میں اب تک نہ لکھ سکا - اس کا مضمون بہت دلچسپ تھا - جواب مطول لکھنا چاہتا ہوں - اِس وقت یہ دو سطریں اس درخواست میں لکھتا ہوں کہ سید سلیمان صاحب لکھنؤ میں آپ سے ملیں اور کانپور کا قصد رکھتے ہوں تو الہ آباد میں مجھ سے ملتے جائیں - وقت نہ ملے تو خیر۔ ورنہ صرف کا خیال نہ کریں - میرا ارادہ لکھنو کا ہے - ناتوانی و نادرستی سے گھبراتا ہوں - الہ آباد میں صرف دس پندرہ دِن قیام کا قصد ہے

اکبر حسین

(۸۵)

الہ آباد۔ ۶؍ اگست ۱۸ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بھائی صاحب کو میری طرف سے لکھنو کی تحصیلداری کی مبارکباد دیجئے۔ نہایت خوشی ہوئی۔ میں وہاں ہوتا تو مٹھائی بانٹتا۔ خدا کرے۔ جلد موقع ملے کہ اس خوشی میں شریک ہوں۔

جی ہاں خواجہ صاحب نے میرے پاس بھی کتابیں بھیجی ہیں۔ ابھی ابھی انہوں نے گائڈ ٹو دہلی عطا فرمائی ہے خوب چھپی ہے۔ میں نے لطیفہ کہا تھا کہ خواجہ صاحب حال سے ماضی کی طرف آئے ہیں۔ صوفیانہ وجد چھوڑ کر تاریخ پر مائل ہوئے۔ کیا کریں۔ مجبور ہیں۔ داد کے مستحق ہیں۔ بزور قلم کفالت عیال کر رہے ہیں۔ اللہ انکی مدد کرے۔ حضرت اقبال معلوم نہیں کیوں تصوف کے پیچھے پڑے ہیں۔ نیو ایرا میں انکا مضمون چھپا ہے۔ میں فارمل[۱] صوفی کبھی نہیں ہوا۔ نہ قوت نہ ضرورت لیکن اوفیشل فلاسوفی تو عالمگیر مذاق ہے۔ اسلامیہ تصوف خود کہتا ہے کہ خلافِ شریعت کچھ نہ ہو۔ خیر دنیا کے رنگ ہیں۔ میرے اشعار کی نسبت آپ کا حسنِ خیال میرے لئے باعث فخر ہے۔ جیسا آپ نے فرمایا۔

۱؎ (FORMAL) یعنی باضابطہ۔ (NEW ERA) لکھنو کا نامور اسلامی ہفتہ وار۔ کامریڈ کا جانشین۔ صرف چند مہینہ جاری رہ سکا ؎

انتخاب ہو تو حال کھلے - آپ سے ملنا ہوا تو گفتگو ہو گی - اب دل کی امنگ بہت کچھ کم ہو گئی زمانہ کا رنگ پیش نظر ہے - فنا کے اثر کو دیکھ رہا ہوں - اللہ بقیہ زندگی سہل کرے - سید سلیمان صاحب کو میں نے کبھی نہیں دیکھا یا یاد نہ رہا - اِس سبب سے دیکھنا چاہتا تھا - معارف میں پھر بہرے اشعار چھپے ہیں - پرچہ ہائے ماسبق میں بعض اشعار کے معنی صحیح نہیں بیان کیئے گئے - حصہ اوّل کی بڑی مانگ ہے - صدہا درخواستیں پڑی ہوئی ہیں - کیا لکھنؤ میں چھپوا سکتا ہوں - مشورہ دیجئے اور یہ بتائیے کہ کس مطبع میں چھپواؤں - بلکہ ممکن ہو تو ۵۰۰ اور ۱۰۰۰ جلدوں کا تخمینہ مصارف مرحمت ہو - پروف دیکھنا بڑا کام ہے - اِس کے لئے مجھے قیام کرنا ہو گا - میں کل سے پھر صفراوی دستوں میں مبتلا ہو گیا ہوں قصد تو ہے - لیکن سنا کہ شدّتِ بارش سے لکھنؤ کی آب و ہوا خراب ہو رہی ہے - زندگی ہے تو انشاءاللہ جلد حاضر ہوں گا - امین آباد میں کوئی نیا کوٹھا ہمارے دوست کا خالی نہیں - وہ اپنے گھر امین الدولہ کے احاطے میں ٹھہرانا چاہتے ہیں - کیا عجب ہے کہ قیصر باغ میں افتخار حسین صاحب کے ہاں ٹھہروں - اپنے گھر میں میری دعا فرما دیجئے - اور سب کو ماوجب - آپ نے افلاطون کے ریپبلک سے فرصت پائی یا نہیں؟ - نہایت عمدہ شغل تھا -

دعاگو - اکبر حسین -

(۵۵) حاشیہ صفحہ ۱۱۶

(۸۶)

الہ آباد - ۱۹ اگست ۱۹۳۸ء

عزیزی وحبیبی زاد لطفہ - آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ جس میں میں نے پوچھا تھا کہ حصہ اول کلیات کے چھپنے کا انتظام وہاں ہو سکتا ہے یا نہیں - خیر اگر وہاں آیا تو دیکھا جائیگا یا یہیں انتظام کرونگا اِس سال درد سر نے مجھے تکلیف دے رکھی ہے - دِن دِن بھر اور رات رات بھر بے چین رہا - سقوط اشتہا بھی اس کے ساتھ - طبیب کی ضرورت ہوئی - اب تو کچھ تخفیف ہے - لیکن اعتبار نہیں پچھلے خطیب میں ایک آرٹیکل چھپا ہے - آپ کا نام بھی ہے - چونکہ مجھ کو آپ سے ذاتی محبت ہے اور آپ کے میلانِ طبع سے جو اس وقت تک ظاہر ہوا ہے کسی قدر آگاہ ہوں - لہٰذا آپ کی براءت تو دِل میں آتی ہے لیکن عموماً یہ اعتراض صحیح ہے اگرچہ اس کا کچھ علاج نہیں - زمانے کی رفتار ہے۔ جو شخص صرف فلسفے میں پناہ لیتا ہے - اس پر میں زیادہ تعجب نہیں کر سکتا - حیرت تو اُن پر زیادہ ہے جو جانشین رسولؐ بن کر اکابر کو گالیاں دیتے میں - اپنی نمود سمجھتے ہیں - ان میں ہمارے حضرت . . . داخل ہیں - تماشا یہ کہ داد طلب ہوتے ہیں - آدمی اپنا پوزیشن بھی تو دیکھے - ایک یا چند اشخاص کے کسی ضعیف و مبہم قول کی گرفت کر کے کل سلسلۂ تصوف پر جو ایک زبردست اور عالمگیر اور قدیم فلاسوفی ہے - اعتراض کرنا محض رکاکت ہے - اکابر صوفیہ قرآن ہی کے

مفتخر ہیں۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ یہ خط محض پرائیویٹ ہے۔
اکبر حسین

(۸۷)

الہ آباد۔ ۲۵ر اگست ۱۹۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ کہ آپ کے گھر میں طبیعت صحیح ہے۔ بیٹا مبارک ہو۔ خدا عمر دراز کرے۔ آپ نے حیدرآباد جانے کا کیا فیصلہ کیا۔ اہل کمال کا تو اب وہی مرکز ہے۔ آپ کی صحت بہت اچھی نہیں ہے۔ اس کے سوا اور تو کچھ خیال حیدرآباد جانے میں نہیں ہو سکتا۔ گھر بیٹھے کام ملے تو کیا پوچھنا۔ لیکن شاید ایسا نہ ہو سکے۔ تنخواہ بہت اچھی ہے۔ آخر آپ نے کیا فیصلہ کیا۔ اگر آپ پروا کیجئے تو خطیب کا پرچہ بھیج دوں۔ بعد ملاحظہ واپس کیجئے گا۔ معلوم نہیں کس نے لکھا ہے۔ نیو ایرا میں ایک آرٹیکل خواجہ صاحب کے خلاف چھپا تھا۔ اور اقبال صاحب کا ایک مضمون تصوف کے خلاف۔ اقبال صاحب کی طبیعت نے عجیب تنگ اور بے سود راہ اختیار کی ہے۔ دیدنی ہے

؎ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے پر ہے اور اس سے قبل ایک سررشتہ تالیف و ترجمہ کھل رہا ہے۔ میں اس میں بہ حیثیت مترجم فلسفہ بلایا گیا ہوں۔ مشاہرہ ۳۰۰ روپے سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن میں ملازمت کے نام ہی سے گھبرا رہا ہوں ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۵ء میں ملازمت کی تلاش تھی۔ لیکن اب طبیعت پابندیوں کے خیال ہی سے گھبرانے لگی تھی۔

جہاں رنگا رنگ۔ آپ کو تو شعر کہنے کی فرصت نہ ملتی ہو گی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ میں اب کسی قدر اچھا ہوں۔ لیکن اس کا کیا اعتبار سواد گور سامنے ہے۔ مسٹر برن صاحب جاتے ہیں معلوم نہیں پھر اپنے عہدہ پہ آتے ہیں یا نہیں۔ خواجہ صاحب شاید شملے پر ہیں۔ آپ مرزا واجد حسین صاحب یاس سے آگاہ ہیں۔ انکا ایڈریس کیا ہے۔

دعاگو تے شما اکبر

(۹۸)

الہ آباد۔ ۲۸ اگست ۱۹۱۱ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے خوب لکھا۔ مرزا یاس کی نسبت۔ بھلا دیکھئے۔ تو جو شخص حافظ کو بد کہے اس کو کیا کہوں۔ مگر مجبوری ہے۔

افسوس ہے کہ آپ سے مجھ سے قبل روانگی حیدر آباد ملاقات نہ ہو گی۔ خیر اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ میں کیا۔ میری زندگی کیا ؎

فلک مشتاق ہے پیہم نیا جلوہ دکھانے میں
زمیں کو دیر کیا گزرے ہوؤں کو بھولجانے میں

لکھنو پہنچا تو آپ کے بغیر سونا نظر آئیگا۔ خطیب بھیجتا ہوں۔ بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ حیدر آباد سے خط لکھئے گا۔

اکبر

راجہ غلام حسین صاحب کا انتقال عبرت انگیز ہے۔ وہ مجھ سے بھی ملے تھے۔ لیکن بھول جانے میں دنیا کو دیر نہ لگے گی۔ کیا راز ہستی ہے۔ خدا غور کی فرصت دے۔ معلوم ہوا کہ آپ کے دوست خواجہ

(باقی صفحہ ۱۲۸ پر)

صاحب کو چیف کمشنر نے اپنے صوبہ میں قید نگرانی سے بری کر دیا کاش یہاں بھی ایسا ہو۔ برن صاحب لکھنؤ کب آئیں گے۔ کب تک پہنچیں گے؟

(۸۹)

الہ آباد۔ یکم ستمبر ۱۹۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ چاہتا تھا کہ امام ضامن باندھ کر آپ کو رخصت کروں۔ لیکن ہنوز قابلِ سفر نہیں ہوں۔ اپنی خیریت لکھئے گا۔ اقبال صاحب بھی جا رہے ہیں۔ ان کو حیدری صاحب نے بلایا ہے۔ اقبال صاحب کو آجکل تصوف پر حملے کا بڑا شوق ہے۔ کہتے ہیں کہ عجم کی فلاسفی نے عالم کو خدا قرار دے رکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ خلاف اسلام ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا ترنگ ہے۔ اسلام نے تو لیس کمثلہٖ شیئٌ کہہ دیا ہے۔ آخر کتاب مسٹک فلاسفی[1] کی ٹکول نے جو آکسفورڈ میں پروفیسر ہے۔ حال میں شائع کی ہے مبسوط کتاب ہے۔ آپ کے

(حاشیہ صفحہ ۱۲۷) راجہ غلام حسین صاحب بی اے (علیگ) محمد علیؒ کے خاص رفیق کار نیو ایرا لکھنؤ کے ایڈیٹر تھے۔ عین عالم شباب میں ایک شام کو اچھے خاصے سڑک پر پیدل چلے آ رہے تھے کہ پیچھے سے ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے نے آ کر ٹکر دی اچھل کر پختہ سڑک پر گرے۔ سر پھٹ گیا۔ ہسپتال جا کر ختم ہو گئے۔

[1] (Mystic Philosophy) یعنی صوفیانہ فلسفہ۔ کتاب کا پورا نام (Religion and Reality) ہے۔

دوست برگسن نک کا اس میں نوٹس لیا ہے۔ کثرت میں وحدت۔ وحدت میں کثرت ثابت ہے۔ ہندو فلاسوفی کو اسلام پر اعتراض ہے کہ اس نے خدا کو الگ سمجھا ہے۔ حالانکہ اسلام نے یہ کیا ہے نہ وہ کیا ہے۔ ہم کو یہ بحث ہی نہ چاہیئے اور اس کا نتیجہ کیا ؛

آپ حکما اور فلاسفروں کے گروہ میں ہیں۔ ہم لوگوں سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ اس سبب سے ایک تعلق دلی آپ کے ساتھ ہے ورنہ دُنیا ہو چکی بیکار محض ہیں ؛ اکبر

(۱۸۹ الف)

بنام مولوی عبد المجید صاحب برادر کلاں مکتوب الیہ

الہ آباد ۔ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ عزیزی عبد الماجد صاحب جا چکے ہوں گے۔ الحمد للہ کہ صورت معقول پیدا ہو گئی۔ عزت ناموری کا کام ہے۔ شانِ علم قائم ہو گئی۔ اتنا خیال ہے کہ ان کی صحت اچھی نہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وطن ہی میں رہ کر خدمت انجام دینے کی اجازت حاصل کر لیں۔ بہرحال دعا ہے کہ اللہ کامیاب کرے۔ دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی رخصت میں حاضر ہوں۔ لیکن نادرستی طبیعت نے مجبور کیا آپکی قائم مقامی تحصیلداری لکھنؤ سے دل کو نہایت مسرت ہوئی۔ انشاء اللہ مستقل بھی جلد ہو جائے گی۔ ماجد میاں کا حیدر آباد کا کیا پتہ ہے۔ اپنی خیریت اور حالات سے بھی مطلع فرمایئے۔ خدا کرے۔ جلد ملاقات ہو۔ کچھ آپ کو

معلوم ہے - بدن صاحب کب رخصت پر جائیں گے اور لکھنؤ کب آئیں گے؟

آپ کا نیاز مند دعاگو اکبر حسین

(۹۰)

الہ آباد - ۳۰ اکتوبر ۱۷ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کا کارڈ نور احمد خاں صاحب کے نام ابھی پہنچا - شام کو وہ آئیں گے تو دیدیا جائے گا - میری رائے میں انکی نادانی ہے کہ اُنھوں نے نوکری وہاں چاہی ہے - لیکن آپ کی رفیق نوازی اور محبتِ وطن نے ظاہر ہو کر دل کو مسرّت بخشی - میں نے بھائی صاحب سے آپ کا پتہ دریافت کر لیا تھا - میں خط لکھنے کا قصد ہی کرتا رہ گیا - نور احمد خاں صاحب نے اِس سے فائدہ اُٹھایا - آپ کے عہدہ کا کیا نام ہے - کیا تنخواہ ہوئی - آپ نے کچھ تحریک کی ہے کہ وطن ہی میں آپ کام کیجئے، اُمید ہے کہ آپ تندرست ہوں - اِس سال کی برسات میں میری صحت نہایت خراب رہی - دُنیا سے تعلّق پر تو شاید دمِ آخر تک مجبوری ہے - لیکن دِل کو نہایت یکسوئی ہوتی جاتی ہے - خواجہ صاحب کو شاید حکام کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا - شملے میں ہیں - لکھا ہے کہ دو ہفتے کے اندر الہ آباد آؤنگا - قریباً تین سال سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی - زندگی ہوئی تو انشاءاللہ آپ سے بھی ملوں گا - نواب عماد الملک صاحب[۱] سے آپ ملے ہونگے -

---

[۱] یعنی مولوی سید حسین بلگرامی بی - اے بڑے ذی علم اور حیدر آباد کے مشاہیر میں تھے -

طباطبائی صاحب بہت ذی علم اور زبان داں ہیں۔ اکبر حسین

(۹۱)

الہ آباد۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ میں دل لگا ہوا تھا۔ بھائی صاحب[۱] سے پتہ پوچھا تھا۔ اُن کا اور آپ کا خط دونوں ایک ساتھ پہنچے۔ خدا آپ کو صحت و عافیت سے رکھے۔ اِس علم و دانش کے ساتھ یہ سنجیدگی ہر ایک کے حصّہ میں نہیں ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ دِلوں میں آپ کی جگہ ہے۔ الہ آباد میں اخبار متوحش سُن کر میں پرتاپ گڈھ چلا گیا تھا۔ ۲۰ر اکتوبر سے ۱۲ر نومبر تک وہیں رہا۔ احباب لکھنؤ بھی متوقع تھے۔ لیکن نہ جا سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے بغیر لکھنؤ میں مجھ کو اداسی نظر آتی ہے۔ بہر حال اِرادہ ہے کہ مارچ میں جاؤں۔ عزیز صاحب سے مِلوں۔ نواب نور الحسن خاں مرحوم کے یہاں تعزیت کروں[۲]۔ اب الہ آباد میں سکون ہے[۳]۔ باہم کشیدگی تو چندے رہے گی۔ حصہ اوّل کا پانچواں اڈیشن چھپ رہا ہے۔ حصّہ سوم ہنوز نامکمل ہے۔ حصہ دوم کی ایک

---

[۱] یعنی مولوی سید علی حیدر طباطبائی حیدر یار جنگ شارح دیوان غالب وغیرہ۔

[۲] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مرحوم کے فرزند اکبر، خود بھی بڑے علم دوست صوفی منش بزرگ تھے۔

[۳] ہندو مسلم فساد کی طرف اشارہ ہے۔

کاپی روانہ کی جاتی ہے - خواجہ حسن نظامی سے تین سال سے نہیں ملا- دل بے چین ہے - اس وقت وہ حیدرآباد میں ہوں گے - وسط دسمبر میں شاید یہاں آسکیں - دیکھئے آپ سے اب کب ملنا ہوتا ہے مصطلحات علوم و فنون کو جمع کرتے رہئے - لاجواب اور ضروری مجموعہ ہوگا - لکھنا تو بہت کچھ تھا - مگر کہاں تک لکھ سکتا ہوں - اپنی خیریت کبھی کبھی لکھتے رہیئے - نہ معلوم میں کیوں اب تک زندہ ہوں - حیرت اور فنا حیرت اور فنا - اُمید و غفلت کا مزہ - آپکا دعاگو اکبر

(۹۲)

الہ آباد ۶ جنوری ۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سُنی - مکالمات برکلے کے ترجمے کی داد دیتا ہوں[1] - لٹریری داد کی کچھ ضرورت نہیں - یہ تو ظاہر ہے کہ اِس وقت فلسفیانہ رنگ میں آپ سے زیادہ صاف اور سلجھی ہوئی طبیعت کسی کی نہیں پاتا - بیان میں کچھ پیچیدگی ہو تو اصل مدعا ہی پیچیدہ ہو جاتا ہے - افسوس ہے کہ پڑھنے والے اور سمجھنے والے اور فائدہ اُٹھانے والے بہت کم ہیں - آپ کہاں ہے؟ میں روحانی داد دیتا ہوں - غالباً یہی سبب ہے کہ باوجود ظاہری بیگانگی کے خواجہ صاحب آپ کی طرف مائل ہوئے اور میں بھی کچھ ایسا

---

[1] ترجمہ کی پہلی قسط معارف (علی گڈھ) میں شائع ہوئی ہے ؏

ہی ہوں - مجھ پر تو اب زندگی بار ہے - عجب قیود میں ہوں عجب وقت ہے -

اکبر حسین

رعایا و گورنمنٹ کی باہمی کشمکش سخت مضرت رساں ہے لیکن فطرت کچھ کر رہی ہے ؂

(۹۳)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ نے بالکل بھلا دیا - میں نے اپنے خط کا جواب بھی نہ پایا - اپنی خیریت لکھئے - میں اپنا حال کیا لکھوں - چراغِ سحری ہوں - آپ کی مفارقت کا افسوس ہے - خواجہ صاحب سے کبھی یاد اللہ ہوتی ہے یا نہیں ؟ اکبر حسین - ۲۷ فروری ۱۸ء

پرتاب گڈھ میں عشرت کے پاس آیا ہوں - کل واپسی کا قصد ہے - عشرت سلام شوق کہتے ہیں ؂

(۹۴)

الہ آباد - ۲ مئی ۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ ! آپ کے خط سے دل خوش ہوا خدا آپ کو خوش رکھے - اس سال میں نے اپنے آپ کو زیادہ ناتواں پایا - لکھنؤ نہ جا سکا - جیتا رہا تو بشرط توانائی اکتوبر میں قصد کرونگا - اگر نہ آ سکا تو آپ سے درخواست کروں گا کہ دو ایک دن کو مل جائیے - آپ نے برکلے کو پسند کیا اور میرے دل میں زیادہ جگہ پائی - زیادہ لکھ نہیں سکتا - حالی کی نسبت آپ نے جو لکھا - وہ بات آپکی نسبت

لہ دیکھو صفحہ ۱۳۳

بھی صادق آتی ہے - اس مضمون میں قلم محبت رقم نے آخر میں میرا نام بھی سالک و شیفتہ کے ساتھ لکھ دیا ہے - یا شاید اڈیٹر صاحب کی غیر ضروری مداخلت ہے - خواجہ صاحب ۳ سال کے بعد تین دن کو آئے تھے - خدا جلد آپ کا دیدار دکھائے اور کیا لکھوں کبھی کبھی یاد کرتے رہیے -

اکبر حسین

(۹۵)

الہ آباد - یکم جون ۱۹۱۱ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کی مفارقت شاق ہے - ملنے اور باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا ہے - آپ نے دلوں میں محبت کے ساتھ جگہ پائی ہے - خدا اس رنگ کو قائم رکھے - اپنی خیریت لکھیے - پھر مفصل خط لکھوں گا - اس وقت گرمی نے حواس غائب کر دیئے ہیں - معلوم نہیں - مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کس انتظام میں ہیں[1] - مدت سے خط نہیں آیا - آپ کے بھائی صاحب اب کہاں ہیں - میری شکایتیں اس سال ایسی رہیں کہ لکھنؤ نہ جا سکا - چراغ سحری سمجھیے -

اکبر حسین

(صفحہ ۱۳۲ ط) حالی کا رنگ تغزل - اس عنوان سے میرا مضمون رسالہ ذخیرہ حیدرآباد میں نکلا ہے

[1] حیدرآباد کے مشہور علم دوست ادب نواز اسلام دوست رئیس سابق وزیر اعظم ؛

(۹۶)

الہ آباد - ۱۱ر جون ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - میں خوش ہوا کہ آپ نے اِس مضمون کو حرف بحرف پسند کیا۔ بے ساختہ قلم سے ٹپک پڑا تھا - سید سلیمان صاحب شوق و اصرار سے لے گئے تھے - میرے پاس تو صدہا قطعات اور مثنویاں موجود ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں - اقبال صاحب نے جب سے حافظ شیراز کو علانیہ بُرا بھلا کہا ہے - میری نظر میں کھٹک رہے ہیں - اُن کی مثنوی اسرارِ خودی آپ نے دیکھی ہوگی - اب مثنوی رموزِ بیخودی شائع ہوئی ہے - میں نے نہیں دیکھی - دل نہیں چاہا - خط و کتابت ہے - لیکن میں اُن کے انقلاب طبیعت سے خوش نہیں ہوں - ہونا اچھا بننا بُرا - بہرکیف کوئی سیریس[۲] معاملہ نہیں ہے - دُنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور اِن روزوں تو طوفان اختلاف برپا ہے ؎

میں سمجھا تھا براقِ راہِ عرفاں　　چو دُم بر داشتم لیڈر بر آمد

---

[۱] شریعت و طریقت کی جنگ اس وقت بڑے زوروں پر دکن و لاہور کے اخبارات اور رسالوں میں جاری تھی - حضرت اکبرؔ نے ایک نظم مصالحانہ و مصلحانہ انداز کی لکھی معارف میں شائع ہوئی - میں اس وقت تک اگرچہ ملحد تھا - اور شریعت و طریقت دونوں سے بیگانہ تاہم اس جنگ سے تنگ آگیا تھا - حضرت اکبرؔ کو اس نظم کی بڑی داد لکھ بھیجی

[۲] (SERIOUS) یعنی اہم - مہتم بالشان ؎

خدا آپ سے ملائے تو بہت باتیں ہوں گی۔ آپ نے اپنی نسبت جو کچھ مجھ کو لکھا ہے۔ اس نے مجھ کو اندیشہ ناک کر دیا۔ غصے اور سختی کو ہرگز نہ دخل دیجیے گا[1]۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کا خط آیا ہے۔ اُن کا کوئی لڑکا ہنوز علیل ہے۔ آپ کبھی طباطبائی صاحب سے ملے۔ بڑے قابل بزرگ ہیں۔ مدت سے اُن کا خط نہیں آیا۔ اب تو کسی بڑی ممتاز جگہ پر ہیں[2]۔ ظفر علی خاں صاحب[3] سے ملیے تو میرا سلام شوق کہیے۔ وہ پرجوش مسلمان ہیں۔ لیکن موم کی ناک بھی ہیں۔ اُن کی کیا تنخواہ ہوئی۔ کس عہدہ پر ہیں۔ شرر[4] صاحب تو نہایت خوش ہونگے۔ جنگ اور رنگروٹ اور چندے اور سخت گرانی کے سوا یہاں آج کل کچھ ذکر نہیں۔ اللہ فضل کرے۔ جب آپ کو فرصت ملے دو چار شعر موزوں کر لیا کیجیے۔ اُردو پر آپ نے خوب لکھا[5]۔ محسن الملک صاحب

---

[1] حیدرآباد کے اخبارات میں اس وقت میری مخالفت بڑے زوروں سے ہو رہی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر۱ صفحہ ۱۳۱ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹۔

[3] مشہور اخبار نویس مترجم اور لیڈر۔ اسوقت حیدرآباد میں پھر بطور مترجم آگئے ہیں۔

[4] یعنی مولانا عبدالحلیم شرر۔ وہ بھی اس وقت حیدرآباد میں ایک خدمت پر مامور ہیں

[5] اُردو رسم الخط کی تائید میں میں نے اس وقت کے مشہور انگریزی روزنامہ نیو انڈیا (مدراس) میں مضامین لکھے تھے اردو اخبارات میں بھی اُن کا چرچا رہا تھا۔

کے ایما سے میں نے بھی ایک بڑا مضمون لکھا تھا۔ ایک واقفکار مسلمان کے نام سے چھپا تھا۔ چونکہ میں اس وقت مرزا پور میں سشن جج تھا۔ اور سرانٹنی میکڈانل کی گورنمنٹ حامی ہندی تھی۔ اس سبب سے میرا نام نہیں ظاہر کیا گیا۔ وہ مضمون قابل دید ہے۔ علی گڈھ میں کہیں ہوگا۔ لیکن ان مضامین سے کیا ہوتا ہے۔ پالیسی اور ہے زمانے کی رفتار اور ہے۔ ہندوؤں کی بے امتیازی دیکھ کر ایک بات تسکین دِہ ضرور دل میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ ایسی قوم کو غلبہ نہیں ہو سکتا۔ پولیٹیکل غلبہ مقصود ہے۔ میں روزافزوں ضعف محسوس کرتا ہوں۔ چراغ سحری سمجھئے۔ آپ جیسے عزیزوں سے کچھ حظِ زندگی ہے۔ خواجہ صاحب سے خط وکتابت رہتی ہے۔

اکبر

ایک صاحب مِلنے آگئے۔ ورنہ کچھ اور لکھتا ؎

(۹۹)

الہ آباد۔ ۱۳ ؍جون ۱۸ء

حبیبی وعزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ظفر علی خاں صاحب اور حضرت شرر کا ایڈریس کیا ہے۔ شاید مجھ کو ضرورت ہو۔ یہاں بارش شروع ہوگئی ہے۔ وہاں کیا حال ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے۔ خدا کرے آپ تندرست ہوں۔ آپ نے جس مضمون کو حرف بحرف صحیح تصوّر فرمایا۔ درحقیقت بے تکلفانہ لکھا گیا تھا۔ کسی کی طرفداری نہیں کی گئی۔ راہ چلتا بھی کہہ دیتا ہے کہ بھائیو دیکھو۔ آپس میں لڑو نہ وقت نازک ہے لیکن

(لہ ملاحظہ ہو حاشیہ ۵ صفحہ ۱۳۵)

میں ڈرتا ہوں کہ It has wounded their pride[1]
سلیمان صاحب کی پسند تھی - میں خواہان اشاعت نہ تھا - بہر حال خیال رکھئے گا - ذکر ہو تو میری صفائی کی جائے - مجھے کیا غرض ہے -

اکبر حسین

(۹۸)

الہ آباد - ۲۱ جون ۱۹۱۸ء

عزیز دل ماسلمہ اللہ تعالیٰ - ابھی آپ کا خط پہنچا - بے ساختہ مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہ کے ایک شعر پر میں نے تضمین کی[2]

ماجد کو آپ سمجھیں بیگانۂ طریقت
دل میں مرے تو ہے اک امید کا قصیدہ

ہیں غالباً مصداق وہ اس شعر با اثر کے
ارشاد کر گیا ہے اک عبد برگزیدہ

من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ
آہوئے وحشتم ہو یم از ما سواء رمیدہ

کچھ صاف نہ معلوم ہوا کہ کیا ہو رہا ہے - اللہ پر بھروسہ رکھئے - محسن الملک کی فرمائش سے میں نے سر انٹنی میکڈانل کے زمانہ میں بلا اظہار نام اردو ہندی پر ایک مضمون لکھا تھا - اُنھوں نے پمفلٹ چھپوایا

---

[1] یعنی اُن کے جذبہ خودی کو صدمہ پہنچا ہے - مولوی ظفر علی خانصاحب کی طرف اشارہ ہے ؛

[2] میری مخالفت حیدر آباد میں اب تک زور شور سے قائم ہے حضرت اکبر نے یہ اشعار عین میرے زمانۂ الحاد میں کہے ہیں اور یہی بات یاد رکھنے کی ہے ؛

تھا - ایک مسلمان واقفکار کی رائے۔ یاد نہیں کہ کون سنہ تھا - شاید سنہ ۹۸ء یا سنہ ۹۹ء ہو - اس میں کچھ ظریفانہ ریمارک بھی تھے - ممکن ہے کہ انقلاب زمانہ کے سبب سے کچھ ریمارک اب غیر متعلق ہو گئے ہوں - لیکن بعض خیالات غالباً دلچسپ ہوں گے - میں خود بھی دیکھنا چاہتا ہوں - شاید علی گڈھ کے دفتر میں کچھ پتہ چل جائے - کوئی کاپی مل جائے - کوئی کہتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال بھی پندرہ سو کی تنخواہ پر حیدرآباد گئے یا جاتے ہیں - خدا جانے صحیح ہے یا غلط - انہوں نے تو کچھ لکھا نہیں۔ ظفر علیخاں صاحب کی کیا تنخواہ ہوتی ؟ آپکا خیر طلب اکبر حسین

خواجہ صاحب آپ کے محب اور دُعا گو ہیں - آپ کی نیکی ہے اور سعادت مندی ہے کہ ایسے دلوں میں آپ کو خدا نے جگہ دی ہے - اُمید ہے کہ خدا کے لطفِ نہاں سے آپ محروم نہ رہیں ٭

(۹۹)

الہ آباد - ۶ر جولائی سنہ ۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - مولانا شرر کی تحریر سے معلوم ہوا کہ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں رہا - خدا کرے - ایسا ہی ہو - آپ عدیم الفرصت ہوں گے - ورنہ عرض کرتا کہ کبھی دو چار شعر کہہ لیا کیجئے - سنہ ۱۳ء میں برگسن کا اکسپوزیشن شائع ہوا ہے - میرا دل تو اب نہیں لگتا - کہاں تک ذہن کو قلابازیاں کھلاؤں - افلاطون سے لے کر کانٹ ہیگل اور ہیکسلے تک سب کا عروج و زوال دیکھا - لفاظیاں اور خیال آرائیاں ہیں برگسن

کی بھی عمر ہے جو دلِ نشین ہو جائے۔ وہی سب کچھ ہے۔ میں نے تو کہہ دیا ہے ؎

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

بہرحال کتاب دلچسپ ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمائی ہو گی۔ کہتا کہ اپنے دوست کی طرف[1] سے جواب لکھئے۔ مگر نہ موقع نہ ضرورت نہ تعلق۔ آپ میں تو خود ریویو کی قوت ہے۔ ہم لوگوں کی پولٹیکل حالت بالفعل بہت تاریکی میں ہے۔ خدا رحم فرمائے۔ طبیعت اکثر نادرست ہو جاتی ہے۔ زندہ رہا تو آپ سے مل کر مسرت حاصل کرونگا۔ اپنی خیریت لکھئے۔ اپنا دعا گو سمجھئے۔

اکبر

حبیب الرحمان صاحب[2] سے آپ سے علی گڈھ کی ملاقات ہو گی ؛

(۱۰۰)

الہ آباد - ۳ جولائی ۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کے معاملہ میں دِل لگا ہوا ہے۔ خدا

---

[1] یعنی برگیتان مشہور فرنچ فلسفی کی طرف سے۔ کسی نے اُن کی تردید و تنقید میں کوئی کتاب لکھی تھی ؛

[2] یعنی مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی سے جواب نواب صدر یار جنگ بہادر ہیں۔ اس وقت نئے نئے حیدرآباد صدر الصدور ہو کر آئے تھے ؛

کے حفظ میں و امان میں رہیئے - یہ دعا ہے - معلوم نہیں ظفر علی خاں سے سوشل مراسم ہیں یا نہیں - میں گمان کرتا ہوں کہ اس مضمون سے وہ کبیدہ ہیں - حالانکہ مجھ کو ان کا خیال مطلق نہ تھا - اُن کی رائے بجا اور معتدل بھی - شکایت . . . صاحب سے تھی - جنہوں نے پرائیویٹ مراسلت میں کلیتہً طریقت باطنی کی توہین کی تھی - لیکن وہ مضمون درحقیقت ایک مشورہ تھا - تصوف کی کوئی حمایت نہ تھی - بلکہ اُن کے خلاف تھا - میں ظفر علی خان صاحب کا بدا ندیش نہیں ہوں - بہر حال مطلع رہیئے - دُنیا اپنے رنگ پر چلتی ہی رہے گی - مجھ کو تو اب ایسے تعلقات کی ضرورت ہی نہیں نہ داد کی پروا - خدا آپ ایسے . . چار عزیزوں کو سلامت رکھے - آپکا ریمارک اپنی نسبت ذخیرے میں دیکھا تھا -

خواجہ صاحب سے مراسلت ہوگی - آپ کے بھائی صاحب کا بھی خط آیا تھا - اشتیاق ملاقات ظاہر کیا ہے -

اکبر حسین

(۱۰۱)

الہ آباد - ۱۳ جولائی ۱۸ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - کل ظفر علی خان صاحب کا خط مدت کے بعد آیا - بہت محبّت آمیز اور خوردانہ پہلو کو لئے ہوئے ہے - اطلاعاً آپ کو لکھ دیا - خدا خانہ جنگی سے بچائے - سب متحد الخیال نہیں ہوسکتے - حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے آگرہ سے لکھا ہے کہ میں آپکی لائف لکھنا چاہتا ہوں - وہیں عشرت منزل میں قیام کرونگا - عشرت سلمہ

نے اجازت قیام دے دی - لیکن میری لائف تو میرے اشعار ہی میں ہے۔
آپ کے ریمارک بہت معنی خیز ہیں - کاش آپ بھی کبھی کچھ تحریر فرمائیں۔
یہ فرمائیے - وطن آنے کی کب اُمید ہے - دُنیائے فانی پر نظر کرتا ہوں تو
سب ہیچ نظر آتا ہے - آپ کو میں نے اسی سبب سے موافق پایا - کہ فنا پر
آپ کی نظر ہے - اِسی میں سب کچھ ہے - آپ کے سوا کسی نے مجھ کو ان
اِشعار کی داد نہ دی ؎ دُنیا میں جیسے جو پیش آیا اکبر
بس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی -

دعاگوئے شما اکبر حسین

(۱۰۲)

الہ آباد - ۲ر اگست سنہ ۱۸ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں
سُنی - یہ کیا تماشا ہوا - ذخیرہ بند کردیا گیا - ہوش صاحب آپ کے
ساتھ کمال ہمدردی ظاہر کرتے ہیں - مشرق[1] میں آپ کا ڈفنس چھپا
ہے - اُمید ہے کہ اب خطرہ باقی نہ ہو - میں تو دُنیا اور اُس کے

---

[1] مشرق کے نام سے ایک ہفتہ وار گورکھپور سے حکیم برہم کی ایڈیٹری میں نکلتا
تھا - اس میں میرے دوستوں اور ہمدردوں نے جوابات میری حمایت و نصرت
میں لکھنے شروع کئے تھے - بعض مضمون خود میرے ہی قلم کے ہوتے تھے - کسی
دوسرے کے نام سے ؎

تعلقات سے بیزار ہو گیا ہوں یا پریشان ہوں - آپ ایسوں سے کچھ مسرت ہوتی ہے - مگر آپ ملتے کہاں ہیں - بہر کیف اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے - کوئی کہتا تھا کہ حضرت جالب بھی حیدر آباد جانے والے ہیں -

آپ کا دعا گو - اکبر حسین

حاجی نواب محمد اسماعیل خان صاحب میری لائف لکھنے پر مصر ہیں - میں نے لکھ دیا کہ لائف ختم تو ہو جائے - اشعار سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے - میں کیا - اور میری لائف کیا - فنا فنا فنا - آپ کی محبت و عنایت کے خیال سے ایک سرور محسوس کرتا ہے - اکبر

(۱۰۴)

الہ آباد - ۱۸ اگست ۱۹۱۸ء

عزیزم! میں نے کوئی اجازت ان کو نہیں دی - اپنے نام کے خطوط وہ البتہ چھاپنے والے تھے - مجھ سے دیباچہ لکھ دینے کی خواہش کی تھی - میں نے انکار کیا - یہ جعلسازی کیوں - آپ کو اختیار ہے - مضامین دیکھ لیجئے گا - میں تو اُن کے اس کام کو صرف تاجرانہ سمجھتا ہوں - ہیں وہ میرے پرانے کرم فرما - لیکن میں نہیں سمجھتا - کہ مطمح نظر میں اتحاد ہے - اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کے گزند سے محفوظ رکھے ۔

اکبر حسین

۱۔ رامپور سے شرف الدین احمد خان صاحب نے مجھ سے خطوط اکبر اشاعت کیلئے طلب کئے تھے ۔

(۱۰۴)

الٰہ آباد - ۸ ستمبر ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - مشرق میں ہیں نے اپنے دو تین شعر جو آپ کے متعلق جوشش دلی سے بے ساختہ زبان پر آ گئے تھے دیکھے ع

آہوئے دشت ہو یم از ما سوار میدہ ؔ[1]

عجب مقام ہے - خدا میری بات کو سچ کرے - میں نے سخن سازی نہیں کی - یہی (IMPRESSION) [2] تھا اور ہے - آپ کب تشریف لائیں گے - اپنی خیریت لکھئے - آپ کا دعاگو اکبر حسین

(۱۰۵)

۱۹ ستمبر ۱۹۱۸ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے - طبیعت کو تعلق ہے - اس وقت پرتاب گڈھ میں ہوں - عشرت سلمہٗ کے بنگلے پر - خاکسار اکبر حسین

(۱۰۶)

الٰہ آباد - ۲۶ ستمبر ۱۹۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ لکھنؤ پہنچ گئے - مجھ کو اب اطلاع ملی - خدا جلد دیدار دکھائے - حالت یہ ہے کہ تصور کرنا

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۰۰ ؛ [2] یعنی تاثر - خیال ؛

پڑتا ہے - کہ زندہ ہوں - معلوم نہیں کہ آپ رخصت پر آئے ہیں
یا اب نہ جب ہیئے گا - میں تو آپ کو ان میں سمجھتا ہوں - جن کی نسبت سعدی
صاحب نے فرمایا ہے ؎

گفت خاموش کہ ہر کس کہ جمالے دارد
ہر کجا پائے نہد چشم بہ آرندش پیش

دوستوں نے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کو قلم اُٹھایا - میں نے عاشقانِ
الٰہی میں داخل کر دیا - زیادہ اللہ کے ہاتھ ہے[1] - دِل تو چاہتا ہے کہ چار
دِن کو آؤں - لیکن کہاں رہوں کہ آزادی کے ساتھ آرام مِلے - کیا آپ
تشریف نہیں لا سکتے - دعاگو - اکبر

(۱۰۷)

۹ دسمبر ۱۸ء

جیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - نہ مجھ کو اس پیارے بچے کے
انتقال کی خبر تھی[2] - جس کا نہایت افسوس ہے - نہ یہ معلوم تھا - کہ
آپ لکھنؤ میں ہیں - اُمید ہے کہ باندے سے واپسی پر یہاں تشریف
لائیے گا - بڑی مسرت ہو - بڑا بارِ دِل اُترے اگر آپ سے مِلنا ہو

---

[1] ملاحظہ ہوں مکتوبات نمبر ۱۰۶ و ۱۰۰ ؛ اللہ اللہ ! یہ حضرت اکبر ہی کا
کمال تھا کہ عین میرے الحاد کے زمانہ میں میرے باایمان ہونے کی پیش گوئی کر دی ؛

[2] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۸۹ - اپنے اس پہلے لڑکے کا نام بھی حضرت اکبر کے نام پر
میں نے اکبر ہی رکھا تھا ؛

میں خود آتا - مگر سردی تیز ہوتی جاتی ہے - آرام کے ساتھ قیام کی کوئی صورت ہنوز ذہن میں نہیں - افتخار حسین صاحب سے مراسلت ہو رہی ہے -

نیاز مند دعاگو - اکبر حسین

(۱۰۸)

الہ آباد - ۱۳ر دسمبر سنہ ۱۸

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - بالاخانہ اِس موسم میں میرے لئے مناسب نہیں - خیر دیکھا جائیگا - آپ سے مِلنے کا شوق - نہ صرف شوق بلکہ اس کی ضرورت ہے - بعض نکات علمی یا فلسفیانہ کے متعلق آپ کے خیالات دریافت کرنا ہیں - خواجہ حسن نظامی صاحب شاید دو ایک روز میں مجھ سے مِلنے کو تشریف لائیں - شرف الدین صاحب رامپوری نے مرزا سلطان احمد صاحب[۱] - مہاراجہ کشن پرشاد اور اکثر احباب سے خطوط مانگے - اِن سب نے مجھ کو لکھا - وقت یہ ہے - کہ میں نے پرائیویٹ خطوط لکھے - معلوم نہیں - کس میں کیا پہلو ہے - شرف الدین صاحب اپنے ہی نام کے خطوں کو چھاپ دیں تو وہ میری قدر دانی فرماتے ہیں ممنون ہوں - لیکن یہ معاملہ فرا وقت طلب ہے

آپ کا دعاگو اکبر حسین

مجھ کو دنیا سے دلچسپی نہیں رہی - نادرستی مزاج - انحطاط عمر وغیرہ

---

[۱] خان بہادر مرزا سلطان احمد (ابن مرزا غلام احمد قادیانی) اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنجاب اپنے زمانے کے بڑے "لکھاڑ" لوگوں میں تھے۔

وغیرہ - آپ جیسے چند احباب کافی ہیں - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم ؎

(۱۰۹)

پرتاپ گڈھ - ۴ جنوری ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کا خط اس وقت پہنچا کہ میں یہاں آنے کی تیاری میں مصروف تھا - آپ کی غزل داغ کی غزل سے ہر اعتبار سے بہتر ہے[1]۔ عشرت سلمہ نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا - بلکہ ایک شعر کی نسبت اُنھوں نے کہا کہ یہ نہایت اچھا ہے - میں نے اور اشعار بھی منتخب کئے - داغ کے رنگ میں - اگر داغ سے آپ بڑھیں تو آپ کی عالمانہ اور اخلاقی متانت پر داغ آجائے - لیکن اس غزل میں تو میری نگاہ میں داغ پھیکے رہے - خواجہ حسن نظامی صاحب ۱۶ر دسمبر ۱۸ء کو الہ آباد تشریف لائے اور ۱۹ر کو بعد از مدارات بعض مہمانانِ جلسہ ہائے دہلی واپس تشریف لے گئے - آخر جنوری یا وسط فروری میں پھر آنے کا وعدہ کر گئے ہیں اور اس وقت بلاشبہ آپ کی تشریف آوری بہت زیادہ باعث انبساط خاطر ہوگی - میں بھی ارادہ لکھنؤ کا کر رہا ہوں - عشرت میاں کے خسر صاحب وہاں مقیم ہیں - ان کے بڑے صاحبزادے

---

[1] مدت کے بعد ایک غزل اور کہہ کر اصلاح کے لئے روانہ خدمت کی ہے - یہ داغ کی مشہور زمین لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد! ہائے کم بخت تونے پی ہی نہیں - میں کہی تھی -

علیل ہیں - اُن کی عیادت ضروری ہے - اگر ہو سکے - آیا تو آپ سے ملنا ہو گا - میں مسلسل شکایتوں کے سبب سے سیر و سفر کیا - نوشت و خواند سے بھی اکثر معذور رہتا ہوں - دل ہی نہیں لگتا اور دنیا کو بہت کچھ دیکھ کر دنیا سے اب دل برداشتہ بھی ہو گیا ہوں -

آپ کا دعا گو اور مشتاق اکبر حسین

آپ کی غزل اور داغ کی غزل پر انشاء اللہ مفصل ریویو کرکے آپکو لکھوں گا یا آپ سے کہوں گا - تاکہ وجہ ترجیح آپ کو معلوم ہو - اور آپ تو خود سمجھتے ہیں - بھائی صاحب کو تسلیم - اسی زمین میں میری بھی ایک مختصر غزل ہے - اس وقت وہ نہ ملی ؀

(۱۱۰)

الہ آباد - ۲۲ مارچ ۱۹۱۰ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کی محبت و توجہ سے دلی مسرت ہوئی - اگر مطول مضمون نہ ہو[۱] - تو اس کی نقل بخط صاف بھیج دیجئے - کم سے کم جو فقرات خاص ہوں - کاتب کی اجرت دیدی جائے گی میں دوسرے ہی دن الہ آباد چلا آیا - گرمی محسوس ہونے لگی - خواجہ صاحب کی آمد ہو گی تو مطلع کر دوں گا - ہاں ایک بات بتا دیجیے - منشی محفوظ علی صاحب

---

[۱] اقبال نے ایک مضمون اکبر کی شاعری پر نیو ایرا لکھنؤ میں لکھا تھا - میں نے اس کی اطلاع حضرت اکبر کو دی ہے ؀

کا ایڈریس کیا ہے - یعنی احتشام علیؒ[۱] صاحب جس کوٹھی میں رہتے ہیں - جو بلند زمین پر واقع ہے وہ کس محلے میں ہے - اکبر حسین

(۱۱۱)

الہ آباد - ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم - خدا تندرست وخوش رکھے - قیوابیہ کا کچھ زیادہ خیال نہ کیجئے[۲] - اس کو دیکھ کر اس کا ماحصل دو سطروں میں اُردو میں بشرط فرصت مجھ کو لکھ دیجئے گا - نوٹ کر لوں گا - تاریخ ۱۸ اگست ۱۹۱۶ء دریافت ہو گئی - کافی ہے - ترتیب حصّہ سوم کے خیال میں ہوں - اس لئے کہ اصرار ہے - خود کچھ شوق محسوس نہیں کرتا - فنا کا خیال گم کئے دیتا ہے - شاید وہی اچھے ہیں جو یہ کہتے ہیں ؎

ذہن صاحب رہیں قیاس کیساتھ - ہم تو فطرت میں ہیں حواس کیساتھ

بہر حال بہت مباحث ہیں - آپکا مشتاق اکبر

(۱۱۲)

الہ آباد - یکم اپریل ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - میں خوش ہوا کہ علمی کام کے سلسلہ

---

[۱] یعنی منشی احتشام علی صاحب کاکوروی مرحوم - لکھنؤ میں خیالی گنج میں انکی کوٹھی مشہور ومعروف ہے -

[۲] وہ پرچہ شاید میری فائل سے گم ہو گیا تھا -

میں آپ نے رام پور کا سفر کیا اور کتب خانہ کو ملاحظہ فرمایا۔ اُمید ہے کہ آپ لکھنو واپس آ گئے ہوں۔ آپ سے ملنا میرے لئے غذائے رُوح ہے۔ انتخاب اشعار میں بھی مدد ملتی ہے۔ اب تو موسم گرما ہوتا جاتا ہے۔ زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اکتوبر میں موقع ملے۔ اس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ دہلی کی خبر سُن کر افسوس ہوا۔ دیکھئے۔ یہ طوفان بے تمیزی کب فرد ہوتا ہے۔ یا کون رُخ اختیار کرتا ہوں ؛

قیاس کرتا ہوں کہ آپ لکھنؤ میں رہیں گے۔ میں بہ صحیح نہیں ہوں۔ امپروومنٹ[1] کا کیا ذکر۔ حالت موجودہ قائم رہے۔ یہی غنیمت ہے

دعا گوئے شما اکبر حسین

(۱۱۴)

الہ آباد - ۹ اپریل ۱۹ء

حبیبی وعزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ افسوس ہے کہ اِس سے پہلے آپ کے محبت نامے کا جواب نہ لکھ سکا۔ گرمی موسم کے ساتھ انتشار مزاج بڑھتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے کیا لکھا تھا۔ جس کے جواب میں مہاراجہ نے یہ لکھا۔ خیر آپ نے جو کچھ لکھا ہو۔ آپ کو میرے ساتھ محبت ہے۔ اس کا اثر ہے۔ ورنہ میں یہ حق نہیں رکھتا۔ افسوس ہے کہ نادرستی اور ناتوانی ایسے لمبے سفر کی اجازت نہیں دیتی[2]۔ دو

---

[1] (Improvement) یعنی افاقہ ؛ [2] یعنی سفر دکن ؛

سال ہوئے یہ مطلع کہا تھا ؎

مشتاق ترا اکبر رنجور بہت ہے ۔ افسوس یہی ہے کہ دکن دور بہت ہے

راجہ صاحب[1] کا الطاف نامہ بھی آیا ہے ۔ خدا انکو خوش رکھے کہ ہم غریبوں پر توجّہ فرماتے ہیں ۔ اُن کو بھی نیاز نامہ لکھوں گا ۔ آپ دیکھتے ہیں ۔ ملک میں کیسی شورش[2] ہے ۔ اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائے ۔ بیحد نازک حالت ہے ۔ پھر خط لکھوں گا ۔ مراسلت رکھیے ۔ اکبر

(۱۱۴)

الہ آباد ۔ ۲۵ را پریل ۱۹ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالی ۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے ۔ عزیز صاحب کو بدریافت خیریت خط لکھا تھا ۔ معلوم نہیں ۔ اُن پر کیا گذر رہی ہے ۔ اگر ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچایئے ۔ یہاں پوسٹ آفس والوں نے اسٹرائک کر دی ہے ۔ کئی دِن کے بعد ڈاک مِلی ۔ اپنا حال کیا لکھوں ۔ شکایتیں روز افزوں ہیں ۔ مئی جون میں زندہ رہ گیا تو شاید کچھ اور جیوں ۔ منشی احتشام علی صاحب کی کوٹھی کِس محلہ میں ہے ۔ اکبر

---

[1] یعنی راجہ صاحب محمود آباد ؏

[2] پنجاب میں بڑے سخت ہنگامے برپا ہو چکے ہیں ۔ کئی جگہ گولیاں چلی تھیں ۔ تحریک خلافت وترک موالات اس کے کچھ ہی بعد شروع ہوئی ؏

(۱۱۸)

۲ مئی ۱۹۱۰ء عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - خواجہ صاحب اس وقت سفر سے محترز رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں - خدا جلد صورت اطمینان پیدا کرے - اس وقت یہاں ایک قافلہ عشرت میاں کی سسرال والوں کا ٹھہرا ہوا ہے - اُن کی سالی علاج کے لئے آئی ہیں مطلع صاف ہو - موسم زیادہ تکلیف دہ نہ ہو تو تشریف لائیے - مشتاق بلکہ محتاج ہوں - روز بروز دُنیا اور اس کے ہنگاموں سے دِل گرفتگی بڑھتی جاتی ہے ﴿

اکبر حسین

(۱۱۹)

الہ آباد - ۲۱ مئی ۱۹۱۰ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کے خط سے حالات معلوم ہوئے - آپ کے ریمارک صحیح ہیں - آپ پر میرا یہ شعر صادق آتا ہے -

ہزار آرائشیں صدقے ہیں انکی سادہ وضعی پر
نہیں محتاج فیشن علم نے جن کو سنوارا ہے

اِن فضائل اور سلامت روی کے ساتھ انشاٗاللہ ہمیشہ ممدوح و ممتاز رہئے گا - آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں - لیکن ۲۰ جون تک بہت سخت موسم ہے - شاید سفر میں آپ کو زحمت ہو - میں خود بے حواس رہتا ہوں - خواجہ صاحب بہ ضرورت احمد آباد گئے ہیں - آخر مئی میں دہلی واپس آئیں گے - بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم -

مہاراجہ صاحب کا خط دکن سے آیا ہے - آپ کا ذکر خیر اس میں ہے - یعنی میرے سفر لکھنؤ کا حال آپ ہی سے انکو معلوم ہوا تھا - اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیئے - آپکا دعاگو اور مشتاق - اکبر

(۱۱۷)

الہ آباد - ۱۰ / جون ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ وہ پرچہ ردّی ہی تھا - اس سبب سے واپس منگایا - مضمون محفوظ ہے[1] - ابھی نہ جانے ایسے کتنے مضمون لکھے جائیں گے - خدا ترقی نصیب کرتا رہے - گرمی بہت ہے - طبیعت بہت مضمحل رہتی ہے - اب تک خط نہ لکھ سکا - آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں - رمضان ختم ہو تو کوئی راہ نکلے ؎

خبر آئی اسلامیہ میل میں — اخوت کو جانا پڑا جیل میں[2]

ابھی یہ شعر موزون ہو گیا - الفاظ کی مناسبت اور معانی کے پہلو ملاحظہ فرمائیے - میں تو بہت innocent[3] سمجھتا ہوں - دل چاہا - تو ہمدم یا اودھ اخبار کو بھیج دوں مگر لکھنے کو جی نہ چاہا - یہ خط لکھا - تھک

---

[1] وہ مکتوب نمبر ۱۲۰ پر آگے آ رہا ہے۔

[2] اسلامیہ میل (بمبئی) کے سابق ایڈیٹر نے لکھنؤ سے روزنامہ اخوت نکالا تھا - اخوت کے کارکن ایڈیٹر کو سزا ہوئی ہے۔

[3] یعنی بے ضرر۔

گیا۔ ترتیب حصہ سومؔ کے باب میں بڑی الجھن ہے۔ شاید آپ کی مشورت سے مدد ملے۔ دِل کسی کام میں نہیں لگتا۔ اکبر

(۱۱۸)

۱۱۸۔ عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کیا یہ مولوی برکت اللہ فرنگی محلی بھرائچی مولوی شرافت اللہ صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور مولوی صبغت اللہ صاحب شہید کے چچا ہیں؟ وہ پرچہ جس کے مضمون کی آپ نے قدردانی کی تھی۔ میرے پاس محفوظ ہے۔ شبہ تھا کہ میں نے اظہار خیال میں کچھ بے ہنری یا نافہمی تو نہیں کی۔ آپ سے وہ شبہ رفع کرتا تھا۔ اپنی خیریت لکھیے۔ آپ کا مشتاق اکبر

اچھا نہیں ہوں اور اس کا اثر اپنے دماغ و اخلاق پر پاتا ہوں اللہ انجام بخیر کرے ؂

(۱۱۹)

میں نے بے ساختہ آپ کی نسبت لکھ دیا تھا ؎[۱]

آہوئے وحشت ہو[۲]یم از ما سوا رمیدہ

میں خوش ہوں کہ اس کی صداقت کے آثار آپ کی صاف اور بلند طبیعت سے نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے مکرم ڈپٹی صاحب[۳] مرحوم کو شاید شبہ و افسوس تھا کہ لڑکا دین سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے۔ اب فرشتوں

---

[۱] یعنی کلیات اکبر کی [۲] ملاحظہ ہوں مکتوب ۱۰۰ و ۱۰۶

[۳] یعنی میرے والد مرحوم ؂

سے یہ سُن کر ان کی روح خوش ہو گی کہ وہ لڑکا حقیقت آشنا ہوتا جاتا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد کہدیگا "بمقامے رسیدہ ام کہ مپرس"۔ یہ فلسفہ کہ وجود درحقیقت ذہن ہی میں ہے۔ علم باری میں ہے اور علم باری ہی سب کچھ ہے۔ ایسا صحیح فلسفہ ہے کہ میں اس کو کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کی ایک صُوفیانہ تفسیر سمجھ سکتا ہوں۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ میں لفظ فنا سے ظاہر ایہی سمجھا جاتا ہے کہ بالآخر ہر شے کو فنا ہے۔ لیکن ذہن کہتا ہے کہ بالآخر کیسا۔ جب غور کرو اور حقیقت پر نظر ڈالو۔ تو کل پر فنا حاوی ہو جاتی ہے۔ صرف علم باری رہ جاتا ہے۔ ہمہ اوست یہیں سے ہے۔ عزیز مکرم۔ یہ مضمون آپ کو بھیجنا تھا۔ روّی پر لکھا گیا۔ صاف کرنے کی توانائی نہ پائی۔ گرمی بہت ہے۔ اس کی کچھ ترمیم و توضیح ضرور ہے۔ مکالمات برکلے کی ایک کاپی میرے پاس پہنچی ہے۔ کس نے بھیجی ہے۔ معلوم نہیں۔ ان مباحث سے میں پہلے ہی سے کسی قدر آگاہ تھا۔ اس وقت تو پڑھ نہیں سکتا۔ اس پرچہ کو پڑھ کر واپس فرمایئے۔ پھر صاف کر کے بھیجا جائیگا۔ اسی پر جواب لکھ دیجئے۔ عزیز من۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ یہ پرچہ واپس ہے۔ اپنے غیر محدود ذہن کے ساتھ اپنی محدود ہستی کو بھی نباہئے

(A.H.)

سلہ میرا ترجمہ نیا نیا نکلا تھا۔

(۱۲۲)

عزیزم - آپ کا خط ابھی ملا - لیکن میں نے پرسوں رجسٹرڈ لیٹر میں وہ پرچہ آپ کو بھیج دیا - مجھ کو خود خیال تھا - آپ نے خط میں بڑے دلچسپ مسئلہ کا ذکر کیا - ملاقات ہو تو باتیں ہوں - آج ہمدم میں اشتہار مجموعہ کلام اکبر قیمتی ۶/ از گوجرانوالہ دیکھتا ہوں - ذرا خبر لیجئے - یہ کیا مضمون ہے - کوئی اجازت نہیں لی گئی (A.H.)

(۱۲۱)

الہ آباد - ۲۸ر جون ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - شرف الدین صاحب کو آپ نے کیوں پرائیویٹ خطوط دے دیئے[لہ] - غالباً سابق میں ایسا اشارہ میں کر چکا تھا - ان کی گشتی چٹھی اس سے پہلے مختلف امصار و دیار میں پہنچی تھی - ازانجملہ مرزا سلطان احمد صاحب پنجاب - مہاراجہ کشن پرشاد دکن وغیرہ ان احباب نے مجھ سے پوچھا - میں نے اپنا تامل ظاہر کیا - قیاس ہے کہ ان حضرات نے خطوط نہیں دیئے -

بہرکیف میں سید شرف الدین صاحب کو میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اس وقت پھر لکھ رہا ہوں کہ قبل اشاعت وہ خطوط مجھ کو دکھائیں - زمانہ نہایت بدگمان اور پُر آشوب ہو رہا ہے - بالخصوص میری حالت

لہ ملاحظہ ہوں مکتوب ۱۰۵ و ۱۱۱ ۔

نہایت نازک ہے - خدا جانے کس بات کے کیا معنی لئے جائیں - گوجرانوالے صاحب کا حال دریافت کیا چاہتا ہوں - مجھ کو فائدہ زر کا کچھ خیال نہیں ہے - کام اس طرح ہوا کہ اس وقت تک کوئی نفع زر محسوس نہ ہوا - حالانکہ ہونا چاہیئے تھا - اندیشہ غلط اور بُرے انتخاب کا ہے - بلاشبہ بے قاعدگی بھی ٹھیک نہیں -

آپ کا دعاگو اکبر حسین

(۱۲۲)

عزیز مکرم - شرف الدین صاحب پر زیادہ سختی کی ضرورت نہیں - صرف بلحاظ حالت زمانہ احتیاط ملحوظ ہے - آپ نے لکھا تھا کہ میں نے دیکھ لیا ہے - لیکن آپ بھی دیکھ لیجئے - اس لئے خدشہ رہ گیا - آپ بھی میرے خیر طلب ہیں - مسٹر شرف الدین بھی - میں نہیں جانتا - ان خطوں کی کیا قیمت و وقعت ہوگی - دعاگو اکبر

(۱۲۳)

الہ آباد - ۲ - جولائی ۱۹ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ نے کسی خط میں لکھا تھا - کہ ہندو فلاسوفی دیکھتا ہوں - اس خیال سے اطمینان ہے کہ ہماری ہستی کے فارم کو فطرت ترقی دے گی - اس کا یہی کام ہے - آپکی تحریر سے میں محظوظ ہوا - یاد آیا کہ کبھی کبھی یہ خیال میرے اشعار میں مختلف پیرایۂ بیان میں ظاہر ہوا ہے - آپ کے سامنے دو شعر پیش کرتا ہوں -

شاید اور یاد آجائیں ؎

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصلِ فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس شعر کے متعلق ایک طویل بحث ہوئی ہے کبھی سنئے گا۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

خیر یہ سب مضمون آرائیاں ہیں۔ اللہ اپنا فضل کرے۔ ایسا خیال ہے کہ اگست یا جولائی میں عشرت سلمہٗ کے لڑکے کا مکتب ہوگا۔ پرتاب گڈھ میں۔ غالباً خواجہ صاحب بھی تشریف لائیں۔ بشرطِ زندگی میں بھی ہوں گا۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی ہوں۔ آپ کی معیت تو مستقل طور پر چاہتا ہوں اگر میسر آئے۔ معارف کی پالیسی میں جولائی سے کیا تبدیلی ہونے والی ہے ؟

دعاگو اکبر

(۱۲۴)

الہ آباد۔ ۶ جولائی ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا۔ میں نے کل یا پرسوں آپ کو ایک خط لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ اس کا جواب ہے یا ہنوز وہ خط آپ کو نہیں ملا۔ ظاہرا زندگی خطرہ میں تھی۔ وہ خطرہ جاتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اچھے ہو گئے۔ میں کسی قدر مطمئن ہو جاتا۔ اگر آرام ملتا۔ اور دِل و دماغ پر کچھ غالبہ پالیتا۔ بہرحال زندہ ہوں۔ کسی وقت ذرا

طبیعت بحال ہوئی۔ تو اس قسم کی اُمید فردا سے کہ اِدھر جاؤں گا۔ اُدھر جاؤں گا۔ یہ مضمون لکھوں گا۔ یہ بحث پیش کروں گا۔ دِل کو کچھ سہارا مِل جاتا ہے۔ دوسرے وقت پھر یہ حالت جاتی رہتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ضرور تشریف لائیے۔ بے تکلفانہ دو چار روز رہیے۔ یا جب تک دِل چاہے۔ عشرت یہاں آتے رہیں گے۔ میں بالکل بے سامان ہوں۔ مہمانوں کو کسی تکلف سے راحت نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن آپ اس مد میں نہیں ہیں۔ جب اِرادہ ہو۔ ایک دِن پیشتر لکھ بھیجیے گا۔ اگر وقت مِلے ورنہ خیر۔ حسن نظامی صاحب کی تصنیف سے مجھ کو کچھ تعلق نہیں[1]۔ میں اِن مباحث سے اپنے دماغ کو فردتر پاتا ہوں۔ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ ملیے گا تو باتیں ہوں گی۔ کہیے گا تو پھر انکو بلاؤنگا اس وقت تو وہ پشاور میں ہوں گے ٭

اکبر

(۱۲۵)

الہ آباد - ۲۲ جولائی ۱۹۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - مدت سے آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ دعوتِ احباب میں اپنی عدم شرکت کا افسوس[2] ہوا۔ اب تو دنیا ہی سے کچھ

۱؎ غالباً یزید نامہ مراد ہے ۲؎ یعنی مئی یا جون ۱۹۱۹ء میں میر اعلیٰ وظیفہ حیدرآباد سے مقرر ہوا،

احباب نے دعوت کا تقاضا کیا۔ خصوصاً سید جالب مرحوم ایڈیٹر روزنامہ ہمدم نے۔ آخر ایک روز چند اہل قلم اور صاحب علم دوستوں کو میں نے ماحضر پر بلایا۔ جالب صاحب نے روئداد ہمدم میں چھاپ دی۔ اس کو پڑھکر حضرت اکبر نے یہ مکتوب تحریر فرمایا ٭

علیحدگی سی ہے - البتہ آپ ابسوں سے دل کو نہیں روک سکتا - کیوں روکوں - آپ کے باطن کو اس کی راہ سے اپنے قیاس میں الگ نہیں پاتا - یوں تو ابھی آپ کو دنیا کا کورس پورا کرنا ہے ؎

نفس سے بچنے کی کوئی چارہ جوئی کیا کرے
فطرتی رہبر یہی ہے اس کو کوئی کیا کرے

خواجہ صاحب ۲۵ جولائی کو الہ آباد آتے ہیں - پرتاب گڈھ جانیوالے ہیں - لیکن یہ نہیں معلوم کہ کے دن رہیں گے - کیونکہ وہ ریوال جا رہے ہیں - ہاں واپسی پر شاید زیادہ قیام کر سکیں - میری آپ کی اور انکی یکجائی اُمید ہے کہ ہم سب کے لئے دلچسپ ہو - مگر کہاں اور کب اُن سے مشورہ کے بعد یہ بات طے ہو سکے گی - معلوم نہیں - عزیز صاحب کا کیا حال ہے - میرے خطوں کا جواب نہیں آیا - معلوم ہو تو تحریر فرمائیے -

دعاگو اکبر

(۱۲۶)

پرتاب گڈھ ۹ اگست ۱۹۱۰ء بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

میرے محترم و مکرم عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ - میں یکم اگست سے یہاں ہوں - چار پہر اچھا - تو بارہ پہر بیمار - اس معذوری نے تباہ کر رکھا ہے - قلم اور زبان کو مایوسی ہوتی جاتی ہے - ابھی آپ کا خط ملا - طبیعت کو ذرا شگفتگی ہوئی - مکتب کی تاریخ ۲۷ جولائی تھی - خواجہ صاحب ۲۵ کو آئے - ان کو لے کر میں ۲۵ کو پرتاب گڈھ آیا - آپ نے لکھا تھا

کہ پیشتر سے اطلاع ہو۔ عین وقت پر شاید تیار نہ ہو سکوں۔ اس وجہ سے آپ کو اطلاع نہ دے سکا۔ دل میں حسرت ہی رہی۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو اور بے تکلف تشریف آوری اور قیام میں عذر نہ ہو۔ تو فی الفور تشریف لائیے اور میرے دل منتظر و مشتاق کو خوش کیجئے۔ عشرت دورہ پر ہیں۔ غالباً پرسوں آئیں۔ کئی دفعہ آپ کا ذکر بہت شوق اور اظہار آرزوئے مصاحبت و مکالمت کے ساتھ کر چکے ہیں یہاں شہری زینت نہیں ہے۔ کیمپ لائف ہے لیکن ہوا اچھی۔ منظر اچھا۔ ضرور تشریف لائیے۔ ۹ بجے چلئے۔ بارہ بجے دن کو پہنچ جائیے۔ پہلے سے اطلاع ہو تو سواری کا بندوبست کر دیا جائے۔ ورنہ اسٹیشن پر اکے اور تانگے ملتے ہیں۔ آپ سے بہت کچھ کہنا سننا اور تسکین دل حاصل کرنا ہے۔ یہ بنگلہ بھی سب کو معلوم ہے۔ انٹر کا کرایہ ۹ سیکنڈ کا ۳ ہیں تو انٹر کو اکثر مناسب سمجھتا ہوں۔ بہر حال ٹریولنگ چارجز میرے ذمہ۔ خواجہ صاحب اگر فکر معاش کی مد میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو اصلاح مشکل ہے۔ بہر حال آپ سے گفتگو کروں گا۔ اس کے متعلق بہت طویل بحث ہے۔ لیکن میں آپکے خیالات سے بے حد خوش ہوا۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ میں اپنے ایک رفیق سفر سے جو حصہ سوم کی ترتیب میں بقدر اپنی لبساط کے مدد دے رہے ہیں۔ ایسے ہی امور کے متعلق اظہار خیال کر رہا تھا کہ آپ کا خط پہنچا۔ میں سے رکا نوٹ ملفوف کرتا۔ لیکن خط بھیجنے کی جلدی

تھی اور نوٹوں تک اس وقت نہ پہنچ سکا۔ اُمید ہے کہ بلحاظ تعلق بزرگی و خردی کے آپ میری بے تکلفانہ طلب پر خفا نہ ہوں گے۔ میرا آپ کا حساب ایک ہونا چاہیئے۔ اکبر حسین

میں نے یزید نامہ طبع جدید نہیں دیکھا۔ مل سکے تو لیتے آئیے گا۔

میں اپنا وقت اِن باتوں میں ضائع نہیں کرتا۔ مکتب برائے نام تھا۔ ۵۔ ۷ سب اہلکار سرکار آتے تھے۔ خدا مخالف اثروں سے بچائے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ میں سخت تشویش میں ہوں[۱]۔

(۱۲۷)

الہ آباد۔ ۱۱۔ جولائی سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میرے بھانجے منشی مختار احمد جوہائی کورٹ میں مترجم اور بہت نیک آدمی ہیں۔ اپنی لڑکی کو جو حال میں وہاں گئی ہے۔ دیکھنے جاتے ہیں۔ لیکن ابھی سمدھیانے میں قیام نامناسب سمجھتے ہیں۔ اسی قدر چاہتے ہیں کہ کہیں بستر لگانے کو ایک گوشہ مل جائے۔ کھانے وغیرہ اور مہمانداری سے کچھ مطلب نہیں۔ ایک یا دو دن قیام رہیگا۔

---

[۱] اکبر کا سمدھیانہ ضلع پرتاب گڈھ کے ایک شیعہ گھرانے میں تھا۔ اور بہو شیعہ تھیں۔ بڑی فکر حضرت اکبر کو اپنے آخر زمانہ میں اس کی ہو گئی تھی کہ انکے اثر سے کہیں صاحبزادہ اور پوتے سب شیعہ نہ ہو جائیں۔ بار بار خطوط میں تشویش اس سے متعلق ظاہر کرتے ہیں۔

مجھ سے وہ مدد کے طالب ہوئے۔ میں نے آپ کا خیال کیا۔ اگر ممکن ہو تو کوئی جگہ تجویز کر دیجئے گا۔ تکلف قطعاً نہ ہو۔ جہاں ملازم بیٹھتے ہیں۔ وہ جگہ کافی ہو گی۔ احتیاطاً حاجی عبدالحق صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔ ضرورت ہو تو آپ بھی تحریک کر دیجئے گا۔ اکبر

(۱۲۸)

پرتاب گڈھ۔ ۱۱ر اگست ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں بضرورت کل الہ آباد جاتا ہوں۔ عشرت تو آپ کے مشتاق ہیں اور مسرت سے خیر مقدم کہیں گے لیکن میرے نہ ہونے سے شاید آپ کو بے لطفی ہو۔ ابھی کیا معلوم کہ آپ نے تشریف آوری کا فیصلہ کیا۔ اگر چہارشنبہ تک بھی آپ تشریف لاتے تو ممکن تھا کہ میں ٹھہرا رہتا۔ بہرحال اگر آپ تشریف لائیں تو یا تو مجھے فوراً اطلاع ہو میں الہ آباد سے واپس آؤں۔ لیکن وہ دوشنبے کے قبل وقت ہو گی۔ سب سے بہتر یہ ہوتا کہ آپ براہ راست الہ آباد تشریف لاتے۔ بہ اطمینان و آرام وہاں قیام فرماتے۔ پھر پرتاب گڈھ ہوتے ہوئے اور عشرت سے ملتے ہوئے لکھنو واپس جاتے۔ اتوار کو عشرت میاں بھی الہ آباد جائیں گے۔ لیکن چند گھنٹوں کے لئے۔ خواجہ صاحب نے کسی کو لکھا ہے کہ وہ ۱۰ر کو اپنے سالے ابن عربی کو ندوے میں داخل کرنے کو لکھنو آئیں گے۔ اور دوشنبہ کو چلے جائیں گے۔ خاکسار اکبر

؎ تواضع و انکسار تو اکبر کا جوہر ہی تھا۔ لیکن اس خط میں انہوں نے تواضع کی حد ہی کر دی ہے۔

(۱۲۹)

عزیزم سلمہ - آپ کے خط سے اطمینان ہوا - عین اس وقت پہنچا کہ میں اسٹیشن ریل پر جانے کو تیار بیٹھا ہوں - خدا سب باتیں خیر وخوبی سے انجام کو پہنچائے - انشاءاللہ الہ آباد تشریف لائیے - وہیں سے مراسلت ہوگی - ۱۲- اگست سنہ ١٩ء اکبر حسین

بھائی صاحب کی خدمت میں سلام شوق - گھر میں تسلیم اور دعا

(۱۳۰)

الہ آباد - ۲۴ر اگست سنہ ١٩ء

عزیز مکرم - گھر میں کی خیریت لکھیے - میں نے نزلے اور دانت کے درد سے شدید تکلیف اٹھائی - ہنوز پورا افاقہ نہیں ہوا -

آپ سے ملنے کا مشتاق اکبر

(۱۳۱)

الہ آباد - ۲۷ر اگست سنہ ١٩ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - لڑکی کو بہ نسبت لڑکے کے اس زمانہ میں بہتر سمجھتا ہوں - داماد اپنا ہوتا ہے - بیٹا غیر کا ہو جاتا ہے اللہ عمر عطا فرمائے[1] میں اس وقت سخت بیمار ہوں - دانت کا درد دو دن

---

[1] اگست سنہ ١٩ء میں میرے ہاں لڑکی کی ولادت ہوئی ہے - عزیز لکھنوی نے تاریخ کہی ع "ہو مبارک یہ دختر مسعود"
سنہ ١٩١٩ء

کے بعد رخصت ہو گیا - زکام شروع ہوا - تین چار دن جاری رہا - لیکن اس کے بعد شدید اعضا شکنی بخار کے ساتھ رہی - اب تین دن سے نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے - دوران سر اس قدر کہ دو قدم چلنا دشوار ہے - ایک خفقان کی سی کیفیت ہے - ناتوانی کی حد نہیں - اگر زندگی ہے - تو شاید چار پانچ روز میں افاقہ ہو - آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہوں - لیکن اس وقت کیا لطف مکالمت - سخت پریشانی میں ہوں اور یہ دیکھ کر کہ عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں[1] - امید فردا کا کچھ حوصلہ نہیں ہوتا - انشاء اللہ حواس درست ہوں تو جلد آپ کو خط لکھوں گا - اکبر حسین

عزیز صاحب سے ملنا ہو تو میری علالت کا حال کہہ دیجئے گا - زندگی کا شائق نہیں ہوں - لیکن تکلیف سے گھبراتا ہوں - دعاء خیر کا طالب ہوں - نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں ؀

(۱۳۲)

الہ آباد - ۱۱ ستمبر ۱۹۲۱ء

پیارے ماجد، اللہ آپ کو جیتا رکھے - آپ ایسی محبت میرے ساتھ رکھتے ہیں - اگر افاقہ کیا معنی بے چینی میں ذرا سی کمی ہو جاتی اور

---

[1] جوان عمر کے ناظرین حضرت اکبرؔ کی زبان سے بار بار انکی علالت و ناتوانی کا ذکر پڑھ کر اکتا نہ جائیں - جب ۷۰ سال کی عمر کو اکبر کی طرح پہنچیں گے - تو خود ان کیفیتوں کا تجربہ ہو جائیگا ؀

لطف مکالمت کی اُمید ہوتی تو میں فوراً آپ کو لکھتا - آپ تو میرے لئے روحانی قوت ہیں - لیکن ہنوز بہت تکلیف میں ہوں - ۲۲ دن ہوئے رغبت سے غذا نہیں ہوتی - زبان کا مزا خراب ہے تیولوں کا حساب ہے - سینے پر ایک التہاب ہے - جس سے ہر وقت تکلیف رہتی ہے اور کسی وقت سانس رُکنے لگتی ہے - میں ایسا ضعیف یہ عمر یہ شدائد - مرض پھر زندہ - خدا کی قدرت ہے - حسن نظامی عید کو نے گھر گئے - کہہ گئے کہ بہت جلد چلا آؤنگا لیکن وہاں اُن کے بچے بیمار ہو گئے ہیں - بہرحال دُعا فرمایئے کہ اللہ انکو تکالیف سے نجات دے - انشاءاللہ بشرطِ زندگی پھر لکھوں گا - خبر لیتے رہیئے - گھر میں دعا - بچی کو دُعا - بھائی صاحبؒ کو تسلیم - اپنی والدہ صاحبہ کے حضور میں سلام عرض کر دیجئے اور التماسِ دُعا - اکبر

برن صاحب کی چٹھی اظہار شوقِ ملاقات میں آئی ہے میاں بحال ہے۔

(۱۳۳)

الہ آباد - ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں ہنوز معذور اور قریباً صاحب فراش ہوں - ۲۶ دن سے معمولی غذا ہے - ساگو - حریرہ وغیرہ بے رغبتی سے پی لیتا ہوں - کسی خلط فاسد کا ہیجان ہے اور ضعف کے سبب سے تنقیہ کامل نہیں ہو سکتا - شدید دورانِ سر کی تکلیف میں مبتلا رہتا ہوں - عشرت سلمہ سنیچر اتوار کو آتے رہتے ہیں اگرچہ آپ کو زحمت ہو گی لیکن دل چاہتا ہے کہ آپ سے ملوں اور کچھ باتیں کروں

مقصود یہی ہے کہ عشرت سے آپ سے زیادہ تعارف ہو جائے - وہ بھی آپ
کے مشتاق ہیں اگرچہ غالباً عشرت آپ سے بڑے ہیں[1] - لیکن میری خواہش
ہے کہ ان کے معین و مشیر ہوں اور کبھی کبھی ملاقات و مراسلت ہوا کرے -
اِس خط میں دس روپے کا نوٹ ملفوف ہے - انٹر کے لیے کافی ہو گا -
آمدورفت کو - لیکن زیادہ خرچ ہو گا - سو وہ بھی حاضر کر دیا جائیگا - آپ
سے مغائرت نہیں - آپ عزیز ہیں - اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو آپ تشریف
لائیے - پنجشنبہ یا جمعہ کو یہاں پہنچ جائیے - سینچر کو عشرت آ جائیں گے
اور دوشنبہ کو ۱۰ بجے دِن کو واپس جائیں گے - سینچر کو بھی صبح یا دوپہر
آپ تشریف لا سکتے ہیں - لیکن ایک دِن پیشتر آ جائیے تو بہتر ہے -

اکبر

(۱۳۴)

۱۷ ستمبر ۱۹ء عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کی معذرت بجا ہے -
سید سلیمان صاحب کا تو میں بھی بیحد مشتاق ہوں[2] صاحب معنی ہیں لیکن
میں جس حالت میں ہوں وہ - کیونکر اپنا وقت دلچسپی کے ساتھ صرف کر سکتے ہیں -
میرا بہت بہت سلام کہہ دیں - گو کہ امید زیست نہ تھی - اب معلوم ہوا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۱۱۲ ؀

[2] میں نے معذرت نامہ لکھا تھا کہ ایک تو خود ہی علیل ہوں - دوسرے مولانا سید سلیمان وغیرہ آئے ہوئے ہیں ؀

کہ شاید کچھ دنوں اور زندہ رہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں مگر بمشکل۔ حواس بجا نہیں۔ میں آپ کو ۲۰ کو لکھوں گا کہ ۲۷ کو خواجہ صاحب ہوں گے یا نہیں۔ عشرت غالباً ہوں گے۔ میری خواہش ہے کہ وہ آپ سے ملیں۔ آپ کے مشتاق بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ پرتاب گڈھ میں ٹھہر جائیں۔ پھر مجھے ملئے۔ بہرحال بشرط زندگی ۲۰ کو لکھوں گا۔ اکبر

(۱۳۵)

الہ آباد۔ ۴ ر اکتوبر ۱۹ ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایسا سخت ہیجان خلط فاسد کا ہوا تھا کہ اس وقت تک منہ کا مزا بھی خراب ہے اور مقدار غذا بھی معمول پہ نہیں پہنچی۔ اور روٹی نہیں کھا سکتا۔ دوران سر کی شدت سے اکثر دو چار قدم بھی چلنا دشوار ہوتا ہے۔

میں حسن نظامی صاحب سے یہ سن کر خوش ہوا تھا کہ سید سلیمان صاحب بھی آپ کے ساتھ یہاں آنے کو آمادہ تھے کیا اچھا ہوتا اگر دو ایک روز ایسے احباب کی یکجائی ہوتی۔ کچھ کام کی باتیں بھی ہوتیں۔ معلوم نہیں اس جلسے میں شریک ہوئے تھے یا نہیں۔ وہی خلافت ٹرکی[1]۔ عشرت اپنے انتظام محرم میں مصروف ہیں۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد آنے کی تاریخ معین کر کے اطلاع دوں گا۔ ماجد صاحب کو بھی اطلاع دیجئے گا۔

---

[1] خلافت کمیٹی نئی نئی قائم ہوئی ہے۔ لکھنؤ میں اسکا پہلا عظیم الشان جلسہ ہوا ہے۔

واضح رہے کہ آپ کے خلاف مزاج میں آپ کو تکلیف نہیں دیا چاہتا۔ نہ آپ کا خرچ کیا چاہتا - آپ کی بانگ اور آپ کی دلچسپی وہیں کیا کم ہے۔ جالب صاحب نے میرے خطوں کا جواب نہ لکھا ۔ معلوم ہوتا ہے ۔ خدمت نامہ نگاری میں قصور پا کر خفا ہیں۔ لیکن میں واجب الرحم ہوں۔ اگر آپ سے ملتے ہوں تو میرا سلام کہہ دیجیے گا مع شکایت ۔ میرے حقیقی بھانجے سید زاہد حسین (خان صاحب خطاب) اسسٹنٹ سرجن ہو کر لکھنؤ گئے ہیں۔ بلرام پور ہسپتال۔

اکبر

(۱۳۶)

الہ آباد - ۶ر اکتوبر ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کا کارڈ ابھی ملا- میں نے بھی کل یا پرسوں آپ کو ایک خط لکھا ہے ۔ معلوم نہیں کہ یہ اس کا جواب ہے یا ہنوز وہ خط آپ کو نہیں ملا ۔ ظاہرا زندگی خطرہ میں تھی - وہ خطرہ جاتا رہا- لوگوں نے کہہ دیا کہ اچھے ہو گئے - میں بھی کسی قدر مطمئن ہو جاتا - اگر آرام ملتا اور دل و دماغ پر کچھ قابو پا لیتا - بہرحال زندہ ہوں ۔ کسی وقت ذرا طبیعت بحال ہوئی - تو اس قسم کی امید فردا سے کہ ادھر جاؤں گا - ادھر جاؤں گا - یہ مضمون لکھوں گا - یہ بحث کروں گا - دل کو کچھ سہارا مل جاتا ہے - دوسرے وقت پھر یہ حالت جاتی رہتی ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو فوراً تشریف لائیے - بے تکلف دو چار روز رہیے - یا جب تک دل چاہے عشرت میاں آتے رہیں گے -

میں بالکل بے سامان ہوں - مہمانوں کو کسی تکلف سے راحت نہیں پہنچا سکتا - لیکن آپ اِس مد میں نہیں ہیں - جب اِرادہ ہو - ایک دِن پیشتر لکھ بھیجئے گا - اگر وقت ملے - ورنہ خیر - حسن نظامی صاحب کی تصنیف سے مجھ کو کچھ تعلق نہیں - میں اِن مباحث سے اپنے دماغ کو فرد تر پاتا ہوں - ان کی کوئی مصلحت ہوگی - ملئے گا تو باتیں ہوں گی - کہئے گا تو پھر اُن کو بلاؤں گا - اس وقت تو وہ پشاور میں ہوں گے ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌:۔

اکبر حسین

(۱۳۷)

الٰہ آباد - ۸ ر اکتوبر ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کے کارڈ نے مایوس کیا - خدا کرے آپ پورے طور پر توانا اور تندرست ہو جائیں مجھے تو اب یہ اُمید ہی فضول ہے - آپ کی اتنی توجہ بھی میری جانب میری عزت افزائی ہے - انشاء اللہ اگر بشرطِ زندگی لکھنؤ آنا ہوا تو خود آپ سے مِل کر مسرت حاصل کروں گا - خاکسار اکبر حسین

(۱۳۸)

عزیز من ! میں نے آپ کو لکھا کہ عزت افزائی کے لئے آپ کی توجہ کافی ہے - یہ لکھنا رہ گیا کہ مسرت اور انبساط دل کیلئے ملاقات ہی کی ضرورت ہے - ہم لوگ آپس میں نہ ملے اور تبادلہ خیالات نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا - البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے - کہ ہم لوگوں میں مجھ کو بھی

محسوب ہونے کا حق ہے یا نہیں ؟

بہرحال صحت مقدم ہے۔ آپ کی صحت ہمیشہ نازک رہی ہے۔ ناتندرستی زندگی تلخ کر دیتی ہے۔ میں تو اس کی نذر ہو گیا ہوں ؎

خلق مجھ سے طالب پابندیٔ اخلاق ہے
میری یہ حالت کہ مجھ پر تھینک یو بھی شاق ہے

آپ نے خواجہ صاحب کے یزید نامے کے آخر صفحات ۱۳۹ سے ملاحظہ کئے ہیں یا نہیں؟ اس سے تو میں متفق ہوں۔ میرے بھانجے ڈاکٹر سید زاہد حسین خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن غالباً امین آباد پارک نمبر ۲ میں ہیں۔ وہی بالاخانہ جہاں میں مقیم تھا۔ اکبر حسین

(۱۳۹)

الہ آباد - ۱۳- اکتوبر ۱۹ ء

دیکھئے ہاتھ کانپ گیا۔ ہندسہ کی شکل بگڑ گئی[ف]۔ لیکن دماغ میں بھی غلط قیاس پیدا ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اخلاقی حالت طبعی حالت سے ملی ہوتی ہے۔ لیکن بہت دور جا کر اس کا انکشاف ہوتا ہے۔ میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ میری نسبت ہمدردی قائم رکھئے۔ صبح کو غالباً آپ کو خط لکھا ہے۔ یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے ارادہ فسخ کیا۔ بلاشبہ

ف رعشہ بھی کسی قدر پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ کے ہندسے مشکل ہی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔

صحت مقدم ہے - اللہ آپ کو تندرست رکھے لیکن ممکن ہے کہ اس کا صرف
یہ مطلب ہو کہ ایک ہفتہ کے بعد آؤں گا - آپ کی صحت بھی اچھی نہیں - میں
تو اس عمر میں ایسی تکلیفیں اُٹھا رہا ہوں کہ تعجب ہوتا ہے کہ پھر حواس
واپس آجاتے ہیں - اپنی خیریت جلد لکھیے - اپنا مشتاق سمجھیے مشتاقی
بے معنی نہیں ہے ؎
اکبر

(۱۴۰)

الہ آباد - ۱۳ - اکتوبر ۱۹ء

عزیز مکرم - آپ نے شکایت نادرستی مزاج لکھی تھی - اس کے
بعد آپ کا کوئی خط نہیں آیا - میں نے دو خط لکھے - طبیعت کو تعلق ہے -
خدا کرے - آپ اچھے ہوں - ۲۲ اکتوبر تک تو میں الہ آباد میں ہوں اس
کے بعد اگر قوت سفر ہوئی تو عزم سفر ہوگا - دردسر - تبخیر سوداوی اور
ضعف مثانہ شدت اوہام سے بہت تکلیف اُٹھا رہا ہوں - اگرچہ بہ نسبت
پہلے کے اب غذا کچھ ہونے لگی ہے - آپ سے مراسلت باعث انبساط خاطر
ہے - معاف فرمایئے گا - کہ باعث زحمت تحریر ہوتا ہوں - اکبر حسین

(۱۴۱)

الہ آباد - ۱۵ اکتوبر ۱۹ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی اس نادرستی مزاج کا خیال
نہ تھا - اللہ تعالیٰ جلد صحت و قوت عطا فرمائے - آپ نے نوٹ واپس
کرنے کا فیصلہ کیوں کیا - اس میں شک نہیں کہ جب آپ کے علم و متانت

پر نظر کرتا ہوں تو اپنا آزر سمجھتا ہوں کہ آپ اس محبت سے پیش آتے ہیں
اور ایسا دلی تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن میں اس بات پر رضامند نہیں ہوں
کہ آپ کے والد صاحب مرحوم کی نیاز مندی کی وجہ سے جو یزدگانہ درجہ
مجھ کو حاصل ہے اس میں خلل پڑے۔ میں جب وہاں ہوتا ہوں تو آپ
ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں کہ اپنے گھر میں ہوں۔ آپ کی خالص اور ارادتمندانہ
محبت کا دل پہ بڑا اثر ہوتا ہے۔ جو عزت افزائی آپ فرماتے ہیں۔ وہ
بھی دل کو بہت خوش کرتی ہے۔ آپ اس ناچیز نوٹ کو جہاں تھا۔
رہنے دیجئے[۱] جو چاہے کیجئے۔ مطلب ملنے سے تھا۔ ملنا ہو ہی جائیگا اگر
زندگی ہے۔ یہ نہیں تشریف آوری کی کچھ قید نہیں ہے۔ بیماری اور
زندگی سے بے تعلق ہو جانے نے بہت ہی دل شکستہ کر دیا۔ حلاوتِ حیات
اور امیدِ فردا کے فقدان نے زیست کو بار کر رکھا ہے۔ آپ ہی ایسے
خیالات کے احباب سے دل کو کچھ تقویت پہنچتی ہے۔[۲] اس سبب سے
یہ آرزو پیدا ہوئی تھی اور ایک اور مقصود خاص بھی تھا۔ بہرحال یہ مطلب
نہ تھا۔ کہ آپ اس رقم کے ذمہ دار اور امانت دار رہیں۔ آپ کی
صحت کے لئے بقدر اپنی بساط کے ایسی بہت رقمیں نثار کرنے کو موجود
ہوں۔ آپ پہ شاید بار ہو۔ لیکن واپسی مجھ پر شدید بار ہے۔ اور
نہایت بدنما اور مکروہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر قابل سفر ہو تو خود

---

[۱] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۳۵ ؛ [۲] ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۱۶۲ ؛

حاضر ہو کر آپ سے ملنے کی مسرت حاصل کروں گا۔ میری یہ عزت کیا کم ہے کہ آپ میری قدر کرتے ہیں۔ خدا آپ کو صراطِ مستقیم پر رکھے۔ یہی بڑی خوشی ہے۔ ینگ ورلڈ سے مجھ کو گرمجوشی کی خواہش دیوانگی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے ذمے ابھی بہت فرائض ہیں۔ بہت امور کو ملحوظ رکھنا ہے میرا یہ حال ہے ؎

زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت

مر جاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہے

گھر میں آداب اور دعا۔ بچی کو پیار۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ خواجہ صاحب کو تار دیا تھا۔ اب بھی کسی وقت دورہ ہو جاتا ہے۔ مقدمہ ترجمہ مکالمات برکلے آپ ہی کا لکھا ہے نا۔ جس میں آپ نے ایک اعلیٰ ہستی کا خیال دلایا ہے۔ زاہد میاں سے مل لیجئے گا۔ بہت ذہین شخص ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری تحریر سے کچھ مستنبط کر کے آپ نے نوٹ واپس کیا۔ اگر ایسا ہُوا۔ تو میں نے ایسا لکھا ہو گا۔ بہر حال براہ سعادت مندی اب یہ نوکر جانے دیجئے۔ جب آپ سے ملیں گے۔ تو وجہ عجلت معلوم ہو گی۔ آپ سے بعض ضروری باتیں کرنی ہیں۔ یعنی میں ان کو ضروری سمجھتا ہوں۔ انشاءاللہ وقت پہ ہوں گی۔

اکبر

-YOUNG WORLD ۵ء

(۱۴۲)

دہلی - ۱۶ر نومبر ۱۹

درگاہ حضرت نظام الدین اولیا - ڈاکخانہ عرب سرائے

ماجد صاحب کیوں نہیں آئے - میری خیریت کیوں نہ پوچھی - میرے لکھنو نہ آنے پر نظر کیوں نہ کی - آپ کے مختصر اور بلیغ الطاف نامے نے سب خدشے دفع کر دیئے - میں دہلی آ رہا تھا - جلد جواب نہ لکھ سکا - شکایت امراض بدستور رہے ہنگامہ تعلقات سے اکتا کر ویرانہ دہلی میں دہلی سے تین میل پر پناہ لی ہے - خواجہ صاحب کے رین بسیرے[ل] میں مقیم ہوں - زندہ رہا تو کبھی آپ سے ملاقات ہو گی نیاز مند اکبر حسین

(۱۴۳)

دہلی - درگاہ سلطان المشائخ ۲۵ نومبر ۱۹

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کی علالت سے بہت حرج ہے خدا جلد صحت دے - داد کا شکر گذار ہوں (Continuity of [illegible] کا مضمون آپ نے خوب سمجھا[۲] - میں تو جانتا ہوں - چند دہریوں

[ل] رین بسیرا خواجہ حسن نظامی کے مہمان خانہ کا نام تھا ۔

[۲] اکبر کا تازہ کلام چھپا ہے. ؎

فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت مجھ سے کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں

دنیا میں نے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی تجربہ ہو نہیں چکتا ہے تو مر جاتے ہیں

میں نے اکی داد کے ساتھ یہ بھی لکھا. کہ اس سے ایک پہلو روح کے بقا و تسلسل کا نکلتا ہے یعنی روح کے بہت سے تجربے اس عالم ناسوت میں پورے نہیں ہو سکتے اسکی ترقی و تکمیل کا سلسلہ بعد کو بھی قائم رہتا ہے۔

کے سوا سب اس پر متفق ہیں کہ رُوح معدوم نہیں ہوتی۔ ہاں مسلم کہتے ہیں کہ برزخ میں رہے گی۔ ہندو (TRANSMIGRATION) کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر اقبال صاحب۔ مرزا سلطان احمد صاحب وغیرہ نے لکھا ہے کہ ملنے آئیں گے۔ خدا جانے کب تک رہ سکوں گا۔ پرسوں حاجی اسمٰعیل خان آگرہ سے آرہے ہیں۔ اہل دہلی بہت آتے ہیں۔ مجھ کو تو صرف درگاہ پر نماز و قرآن میں لطف آتا ہے[1]۔ اپنی خیریت لکھئے۔

خواجہ صاحب سلام کہتے ہیں۔ اکبر حسین

(۱۴۳)

دہلی۔ درگاہ حضرت نظام المشائخ ۲ دسمبر ۱۹ ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے۔ اب آپ کی طبیعت اچھی ہو۔ ایک روپے کا زردہ تمباکوئے خوردنی مشکی دانہ دار سولہ روپے سیر والا پوسٹ پارسل کے ذریعہ مجھ کو بھجوا دیجئے[2]۔ امین آباد پارک میں دکان ہے خود دکاندار بھیج دیگا۔ میرا ایڈریس اور آرڈر اس کو بھیج دیجئے۔ ویلیو پے ایبل کردے یا بہتر تو یہ ہوگا۔ ایک روپیہ اس کے حوالہ کیجئے۔

---

[1] حضرت اکبر درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں مدتوں رہے لیکن درگاہ جو عین صحن مسجد میں واقع ہے وہاں جاکر بجائے رسوم بدعت میں شرکت کے بس نماز اور قرآن ہی پڑھتے رہتے۔

[2] اکبر صاحب حقے میں خوشبودار تمباکو کے بڑے شائق تھے۔

میں لفافہ میں ایک نوٹ بھیج دوں گا - اس وقت تو کارڈ اٹھا لیا ہے اگرچہ میں معذرت کرتا ہوں کہ یہ زحمت آپ کو دی ہے - لیکن اُمید یہ ہے کہ آپ بحکم یا بے تکلفی سے خوش ہوں گے - میں نے کھانے پینے کے متعلق دہلی کے بازار پر لکھنؤ کو ترجیح دی - اکبر حسین

(۱۴۵)

دہلی - ۷ر دسمبر ۱۹۱۰ئ

ایک لڑکے نے جو خواجہ صاحب کی خدمت میں ہے - ناک میں دم کر رکھا ہے - خواجہ صاحب سے یہ سُن کر کہ ان کی ہر بات قابل تحریر ہے - اس نے بے امتیازی سے خرافات اور بے معنی لکھنا شروع کیا ہے - میں نے کچھ اجزا اس کو نقل کو دیئے ہیں - شبہ ہے کہ بلا اطلاع نقل لکھ کر خود ہی لے لے اور خرافات ریویو لکھ کر اخبار دلی میں بھیجے - اب اس سے واپس لے لوں گا - خطیب کے مضمون کی مجھ کو خبر نہیں ہے - خواجہ صاحب پھر بھڑ گئے ہیں - واپس آئیں تو کہوں کہ اس لڑکے کو قطعی ممانعت کر دیجئے - میں دوبارہ دہلی میں قمریوں کی آواز کو ذرا باعثِ تفریح پاتا ہوں - کیا عجب ہے کہ جلد واپس آؤں اور لکھنؤ میں کچھ دِن رہوں - اب جینا ہی کے دِن ہے - یہاں تماشا بنا ہوا ہوں - پنجاب سے کچھ لوگ آنے والے ہیں - لیکن بوئے وطن کہاں - ہم کو آپ سے زیادہ مناسبت ہے - ہونا ہی چاہیئے - بھائی عزیز نے سچ کہا کہ لکھنؤ پر دہلی کو کیوں ترجیح دی - خدا کرے عزیز اچھے ہوں میرا سلام

فرما دیجئے - وہ آپ کے بھی بڑے قدردان ہیں - تمباکو پہنچے گا پیشگی
تھینکس - میں شہر سے تین میل ہوں - کل حاذق الملک صاحب نہیں
تشریف لائے تھے دعاگو اکبر حسین

(۱۴۹)

آپ لوگوں نے کیونکر سمجھ لیا کہ ملفوظات خطیب میں میرے الفاظ ہیں
اور میرا مدعا ظاہر کیا گیا ہے وہ بالکل غلط اور ناقص تحریر ہے - مجھ کو
اس کا علم بھی نہیں ہوا - خواجہ صاحب کے ایک نیک لیکن بے امتیاز
ملازم طالب علم نے اپنی بساط کے موافق اپنے الفاظ میں لکھ دیا میں مجبور
ہوں - خواجہ صاحب خدمت خلق میں مصروف ہیں - زبان کا مزا ہے -
عمیق خیالات کا بوجھ نہیں اٹھاتے - باتیں درویشانہ معاشرت شاہانہ
ہے - ایک صاحب نے پنجاب میں انتخاب چھاپا ہے - ایسے رکیک اشعار
جو میرے نہیں ہیں نہ جن کا علم مجھ کو ہے - اس میں داخل کر دیئے ہیں -
طوفان بے تمیزی ہے - میں معاودت کی فکر میں ہوں - دل نہیں لگتا - خدا
کرے آپ بالکل تندرست ہوں - خطیب کو پڑھ کر میں نے جناب سید صاحب
کو لکھا تھا کہ اس میں بعض خیالات آپ کے مرتبہ سے پست ہیں - اسی کی
نقل انہوں نے تحریر کی ہے - میں انکو علیحدہ خط لکھوں گا - ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹ء

اکبر حسین

؎ یعنی میں اور عزیز لکھنوی ٭

(۱۴۷)

پرتاب گڈھ - ۲۶ر دسمبر سنہ ۱۹

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - سردی روز افزوں ہے - امراضِ لاحقہ سے اندیشہ ناک ہو کر براہِ راست ۲۱ر دسمبر کو الہ آباد پہنچا - ارادہ تھا کہ لکھنؤ ہوتا ہوا آؤں - لیکن ایک درجہ زرد وڈبہ صرف کثیر لینا پڑا - رات کا وقت تھا - ایک دن کے لئے پرتاب گڈھ آیا تھا - آج واپس جاتا ہوں - آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہوں - خدا جلد ملائے شکایت مثانہ نے نہایت معذور کر دیا ہے - زندہ رہا تو بعد جنوری کے شاید سفر کر سکوں - آپ کیسے ہیں اپنی خیریت لکھئے - خواجہ صاحب کو میرے چلے آنے کا سخت افسوس ہے - بلکہ کُل اہلِ دہلی کو - مگر کیا کرتا طبیعت اب دُنیا سے اُکتا گئی - بھائی صاحب کو تسلیم - تمباکو کا شکر گذار ہوں -

اکبر حسین

(۱۴۸)

الہ آباد - ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹

عزیزی دہیمی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کے خط سے بہت خوشی ہوئی جب میں نے یہ کہا تھا کہ آپ اس کے مصداق ہیں ؎

من پاکباز عشقم ذوقِ فنا چشیدہ
آہوئے دشت ہوئیم از ماسوا رمیدہ [۱]

---

۱ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۲۱

اس وقت میں نے دیکھ لیا تھا کہ آپ کی وہ طبیعت آپ کو کدھر لے جائے گی۔ آپ ہنوز راہ میں ہیں۔ لیکن سیدھی راہ ہے۔ ابھی آپ نہیں جانتے۔ کیا نعمتیں آپ کو ملنے والی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ! ایک شعر قابل یاد ہے ؎

دو سہ گام اگر پئے دل برہنش دویدہ باشی
زجہاں گذشتہ باشی بجہاں رسیدہ باشی

آپ نے آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سے بھی کمال مسرت ہوئی۔ بشرطیکہ محض ایک بار اُتارنے کا خیال نہ ہو۔ ورنہ میں ہرگز آپ کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اُمید ہے کہ آپ خود اپنے ایک مشتاق معذور کے مشتاق ہیں۔ خطیب والے صاحب ملفوظات یہاں . . . دہلی سے میرے ساتھ ہو لئے ہیں۔ عجیب شخص ہیں۔ وہ بے انتہا خوش ہوئے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں گا کہ وہ آپ کے ملفوظات پر متوجہ ہو جائیں۔ وقت تشریف آوری لکھئے گا

اکبر

(۴۹)

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنے قصد تشریف آوری اور خیریت مزاج سے فوراً اطلاع فرمائیے۔ اگر بلا تغیر ہو تو وقت کا نوٹس بھی بہتر ہوگا۔ خدا کرے۔ آپ اچھے ہوں۔ یکم جنوری ۲۰ء

اکبر

(۱۵۰)

الہ آباد - ۱۴ جنوری ۲۰ئ

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ - سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہرگز حسد نہ بردم بر منصبے و مالے
اِلّا براں کہ دارد باد لبرے وصالے

مجھ کو کسی کے جاہ و دولت پر حسد نہیں ہوتا - لیکن محبوب دلستاں سے جس کو وصل ہوتا ہے - اس پر ضرور رشک و حسد ہوتا ہے -

علی[1] برادرز کا معاملہ تو غریب کرشمہ ہے - لیکن حضرت سلیمان ندوی سے آپ کے ملنے پر رشک آتا ہے - بیں اس صحبت سے محروم رہتا ہوں - یہ رشک اِسس تصور سے کچھ کم ہو جاتا ہے کہ زیادہ تر ایڈیٹرانہ و تاجرانہ پہلو ہوتا ہوگا - یہ بحث نہ ہوتی ہوگی - ہم کیا - خدا کیا مقصود زندگانی کیا - بہترین عمل کیا - کاش سلیمان صاحب بھی آپ کے ساتھ آتے - لیکن یہ سچ ہے کہ ابھی اُن کے کام کرنے کے دِن ہیں - طول امل اور امید فردا ضروری ہے - بہر حال سلام شوق فرما دیجئے گا - میرا تو یہ حال ہے ؎

عمر و آلام نے کیا پامال
کوئی رگ دل میں اب جہندہ نہیں

سانس لینا ہی زندگی ہے اگر
تو میں زندہ ہوں ورنہ زندہ نہیں

---

[1] یعنی مولانا محمد علی شوکت علی - اب میرے تعلقات ان دونوں بھائیوں سے بڑھ رہے تھے - خصوصاً محمد علی مرحوم سے -

نہ حدوں کا یاں ہے نشان کہیں نہ محل حرف و بیاں کہیں
مرا عشق ہے ترا حسن ہے مری آنکھ ہے تری شان ہے

مجھ کو اپنا ایک اور شعر یاد آیا۔ جو وحدت زندگانی کے متعلق ہے ؎

میرے اس مصرعے پہ سب کی واہ ہے
ہوش میں ہوں زندگی اللہ ہے

یہ شعر بھی وہی پہلو لئے ہوئے ہے ؎

یہ جتنے ذرے جہان فانی کے اپنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں
خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بےخبر ہیں

علی برادران کی رہائی پہ خوشی کا ایک پہلو تو یہ بھی ہے کہ انگریز اپنی فتح پر مطمئن ہو گئے اور اس کی ضرورت نہ رہی کہ اپنے نامہرباتوں کو محبوس رکھیں۔ لیکن میں تو صرف اس امید سے خوش ہو سکتا ہوں کہ برادران ممدوح مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی ترقی میں بدل توجہ فرمائیں گے معلوم نہیں۔ اس زمانہ میں کچھ فکر شعر کی بھی فرصت ملی یا نہیں۔

اکبر

(۱۵۱)

۱۲ جنوری ۲۴ء عزیز من۔ آپ کے خیال نے اور میرے شعر کو سند میں لانے کی خبر نے مجھ کو بیحد مسرت بخشی۔ اللہ روز افزوں نصرت و ترقی

ؔ میری "فلسفۂ جذبات" کا دوسرا ایڈیشن نیا نیا نکلا تھا۔ اسی میں ایک جگہ سند اً حضرت اکبر کا یہ مطلع بھی نقل ہوا تھا ؎ ایک صوت سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے۔
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

باطنی عطا فرمائے۔ اس وقت زیادہ نہ لکھ سکا۔ اکبر

(۱۵۲)

الٰہ آباد۔ ۲۳ جنوری ۲۰ء

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ میں ہرگز گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ اس بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔ آیۂ عُلوّاً فی الارض[1] مدت سے میرے پیش نظر ہے۔ خاموشی کے ساتھ باطنی ترقی میں مصروف رہیئے لقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم اوّل مرۃ یاد رکھئے۔ کاش آپ سے جلد ملاقات ہو۔ آیئے ہم لوگ اللہ کے واسطے۔ حق کے واسطے۔ روحانیت کے واسطے۔ عقل سلیم کے واسطے۔ متانت و وقار کے واسطے ایک جماعت ہوں۔ ایسے لوگ کم ہیں میں اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ ابتدا ہی میں اس نے آپ کی نسبت مجھ کو اس مصرعہ کو متعلق کرنے کا الہام فرمایا ع

آہوئے دشت ہمہ یم از ما سوا رمیدہ

آپ بوڑھے نہیں مفسّر نہیں آیۂ عُلوّاً فی الارض پر نظر پہنچ جانا حیرت انگیز ہے۔ اکبر

---

[1] خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں اب سرگرمی سے جاری تھیں۔ سارے ملک میں ایک زبردست ہیجان برپا تھا۔ میں نے ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ ان کمیٹیوں اور جلسوں جلوسوں میں بڑا حصہ حب دنیا کا ہے اخلاص و خدا پرستی خال خال ہی ہے حالانکہ مطلوب یہی ہے۔

(۱۵۳)

الہ آباد - ۱۱ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کا ۲۲ جنوری کا کارڈ اب تک پیش نظر ہے - آسمان حقائق و معانی پر آپ کو چمکا رہا ہے - ہنوز سردی کم نہیں ہوئی - الہ آباد آنے کی زحمت میں آپ کو نہیں دیا چاہتا - لیکن آخر فروری میں پرتاب گڈھ آیئے - عشرت کو فرصت نہیں اور وہ آپ کے مشتاق ہیں اور میری مصلحت ہے کہ آپ ان سے ملتے رہئے - اگر اس سے پہلے میں لکھنؤ آسکا - تو دو چار دن کو میں اور آپ پرتاب گڈھ آسکینگے - حصہ سوم مجھ پر بار ہے - پبلک کا تقاضا ہے - شوق تو رہا نہیں - انقلاب اور فنا انفس تدریجاً پیش نظر ہے کہ لذت زندگی اور طول امل قریباً مفقود ہے - حواس کا پاس اور سوسائٹی کی خاطر ہے - چاہتا ہوں کہ لکھنؤ میں چھپواؤں - عزیز صاحب سے اس بات میں تحریک ہوئی ہے اپنی خیریت سے اطلاع دیجئے - بھائی صاحب کی خدمت میں سلام -

---

(بقیہ صفحہ ۱۸۳) یہ سنہ ہے میں بحمد اللہ اب از سر نو مسلمان ہو چکا تھا - یا کم از کم یہ کہ ہو رہا تھا حضرت اکبر میرے ان باطنی انقلابات سے پوری طرح باخبر نہ تھے (حالانکہ ان انقلابات میں خود انکے اصلاحی اثرات کو بھی بہت دخل تھا) میری زبان سے آیت قرآنی سے استشہاد سن کر حیرت کے ساتھ داد دے رہے ہیں - ۵ یہ فیاضانہ بلکہ خسروانہ ہمت افزائی زیادہ تر اس بنا پر ہے کہ مجھ سے اس وقت ان خیالات کی توقع کسی کو نہ تھی *

۵ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۶۱ *

وکٹوریہ فٹن کے لئے مجھ کو ایک گھوڑا چاہیئے۔ چلا چلایا[۵] ہو۔ موٹر سے بھڑکتا نہ ہو۔ آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ اگر لکھنؤ میں تلاش کر دیجئے قیمت جو کچھ ہو۔ بغیر سواری کے بہت دقت ہوتی ہے۔ اور اگر ضرورت ہوئی تو صرفہ سفر میرے ذمہ۔

اکبر حسین

(۱۵۴)

الہ آباد۔ ۲۳ فروری سنہ ۲۰ء

عزیز اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے کارڈ کا جواب اس وقت لکھ رہا ہوں۔ ہوائے سرد نے اعضا کو بہت مضمحل کر دیا تھا۔ احساس فنا اور یہ نوبت عمر۔ اس خیال سے عملی زندگی میں بہت حرج ہوتا ہے۔ کہ معلوم نہیں کس وقت شمع حیات گل ہو جائے۔ جب کبھی تبخیر کم ہوتی ہے تو البتہ پھر حواس دنیا سے مانوس ہو جاتے ہیں۔

آپ کے آبزرویشنز[۱] اس طوفان بے تمیزی کے متعلق جو اس وقت برپا ہے نہایت صحیح ہیں۔ علم و حکمت آپ کو دعا دیتے ہوں گے کہ آپ انکا حق ادا کر سکتے ہیں۔ میں شاید مارچ میں قصد لکھنؤ کا کر سکوں۔ اگر

---

۵ میں جب الہ آباد میں حضرت اکبر سے ملا ہوں۔ فٹن اور گھوڑا انکی سواری میں تھا اس وقت کے معیار سے یہ ایک اچھی خاصی امارت کی علامت تھی۔

۱ observations یعنی خیالات۔ معارف میں شذرات اس زمانہ میں میرے بھی تھے یہ اشارہ انہیں کی جانب ہے۔

پرتاب گڈھ گیا اور موقع ہوا تو ایک دن کے لئے ضرور زحمت گوارا کیجئیگا۔
عشرت سلمہ ابھی دورے پر ہیں۔
گھوڑے کی قیمت آپ کی رائے پر منحصر ہے۔ بہرکیف دہائیوں
سے زیادہ یعنی بینکڑوں تک ہو۔ موٹر سے نہ بھڑکے۔ مضبوط ہو۔
اکبر

(۱۵۵)

الہ آباد۔ ۱۹ مارچ ۲۰ء

عزیز اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے دل خوش ہوگیا۔ عبدالباری
صاحب[۱] کا لکچر دیکھا۔ ان کی وقعت نظر میں بہت زیادہ ہوگئی۔ الحمد للہ
کہ وہ آپ کے دوست ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ، آپ اور میں یکجا ہوں۔
میں غالباً ۲۲ کے بعد پرتاب گڈھ جاؤں۔ وہاں سے لکھنؤ کا ارادہ
ہے۔ زندگی و توانائی شرط ہے ناتندرستی و ناتوانی نے معذور کر
دیا ہے۔ دل و دماغ میں انتشار رہا کرتا ہے۔ یاران موافق میسر نہیں آتے۔
خدا آپ سے جلد ملائے۔ اشعار پیش کروں گا۔ کاش آپ سُن کے
انتخاب کرتے۔ ڈاکٹر اقبال ملنے آئے تھے۔ تین دن رہ کر گئے۔ کہتے
ہیں میں آپ کے ساتھ رہتا تو ایک مجموعہ مرتب کرتا۔ خط لکھتے رہیئے۔

---

[۱] مولوی عبدالباری ندوی اور بعد میں مولانا۔ حاجی۔ شاہ۔ اُن کے لکچر کا عنوان
مذہب و عقلیات" تھا ؎

خدانخواستہ نہ آسکا تو آپ کو یہاں پرتاب گڈھ آنا ہوگا - اگرچہ ابھی تو آپ بہت کچھ لٹریری ہیں - مگر انشاء اللہ بہت کچھ روحانی ہوجائینگا - بڑے اثر اور ناموری کے ساتھ - بیٹھا تھا کہ بہت کچھ لکھوں - لیکن نہ لکھ سکا -

اکبر

(۱۵۶)

پرتاب گڈھ - ۲۵ ر مارچ ۲۰ء

عزیزم مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - اس عمر اور ان امراض کیساتھ انتشار طبیعت پر کیا تعجب کروں - اگر سفر کرنا ہے تو ایسی حالت بیماری میں سارے خطرات اٹھا کر سفر کروں - دنیا اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہے - کس کس کو بلاؤں - ہاں آپ ان سے مستثنیٰ ہیں - یعنی آپ سے درخواست تشریف آوری کر سکتا ہوں - پرسوں ہی یہاں پہنچا - دو ہی گھنٹہ کا سفر تھا - لیکن بار ہوا - عشرت کہتے تھے - کہ آپ کو بلاؤں - میں نے چاہا ہے ممکن ہو تو خود آؤں - اس وقت مولوی عبدالباری صاحب کا بھی خط آیا ہے کہ ۲۶ ر کو ماجد میاں صاحب کا مہمان ہوں گا - میں کوشش کرونگا - اگر نہ آسکا تو آپ صاحبوں سے درخواست تشریف آوری کرونگا - بہت جگہیں ہیں - جہاں لوگ امید کرتے ہیں کہ میں ٹھہروں گا - لیکن غالباً سید زاہد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن نیا گاؤں کے یہاں اولاً جانا ہو - میری حقیقی بھانجی گھر میں ہیں - اُن کو شکوہ ہوگا -

اکبر حسین

(۱۵۷)

پرتاب گڈھ - بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آج میں نے ارادۂ سفر کیا تھا - لیکن ابر و باد اور ضعف و خطرہ اشتداد علالت سے رُک گیا - آپ سے ملنے کا شوق بہت ہے - عشرت میاں بھی آپ کی تشریف آوری کے متر صد ہیں - دو دن کے لئے خود ہی زحمت گوارا کیجئے - احباب لکھنؤ کو بہت مایوسی ہوگی - لیکن کیا کروں - زندگی ہی غنیمت سمجھیں - یہ ممکن ہے کہ آپ کے ساتھ لکھنؤ پہنچ سکوں - مولوی عبدالباری صاحب کو بھی ساتھ لیجئے - میں خوش ہوا کہ انھوں نے الہ آباد ہی آنے کا ارادہ کرلیا تھا اطلاع مِل جائے - تو اسٹیشن پر سواری موجود رہے - ۹ بجے وہاں سے چلیئے - تو یہاں قریب ایک بجے دِن کو پہنچیئے - اچھا وقت ہے اگر تار دیجئے تو تاریخ معلوم ہو جائے - دس روپے کا نوٹ علی الحساب ہے - جو کچھ ہوگا - دیدیا جائیگا - آپ ہی کا ہے - اکبر حسین

(۱۵۸)

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ - اپنی خیریت لکھیئے - عزیزی صبغۃ اللہ صاحب[1] آپکی مدح کرتے ہیں - الحمدللہ کچھ آپ روحانی ترقی میں سرگرم

---

[1] یعنی مولوی صبغۃ اللہ صاحب شہید فرنگی محلی - انکے دادا مولوی شرافت اللہ صاحب مرحوم سے حضرت اکبر کے خاص تعلقات تھے ؀

ہیں۔ رعیت[1] میں آپ نے مضمون کی تمہید خوب لکھی تھی۔ افسوس ہے میں اب خواجہ صاحب کے ساتھ پورے طور پر نہیں چل سکتا تفصیل اس کی بروقت ملاقات سنیئے گا۔ ۲۷ مارچ سنہ ۲۰ء اکبر

زندہ رہا تو رمضان کے بعد پھر قصد لکھنؤ کروں گا۔ اچھا ہے ہیں مردوں آپ کے ہاتھ سے مٹی پاؤں۔ رعیت میں بجز ایک شعر "اللہ کے ہوتے ہوئے" باقی اشعار بے جوڑ اور نامناسب چھپے۔ خدا جانے خواجہ صاحب کو کہاں سے ملے۔ ان کا محل نہ تھا۔ نہ میرے دیوان میں ہیں[2]۔

(۱۵۹)

پرتاب گڈھ۔ ۳۰ مارچ سنہ ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا انتظار ہے۔ سواری اسٹیشن پر جائیگی۔ عشرت میاں نے سب انتظام کر دیا ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب کا ہونا باعث لطف مزید ہوتا۔ لیکن آپ کا آنا اُن کی معیت پر مشروط نہیں۔ آپ چلے آئیے۔ وہ یہاں براہِ راست تشریف لا سکتے ہیں۔ میں کل بہت علیل ہو گیا تھا۔ ڈر تھا کہ آپ سے بات نہ کر سکوں گا۔ لیکن آج پھر

---

[1] رعیت کے نام سے ایک روزانہ اخبار خواجہ حسن نظامی صاحب نے دہلی سے نکلوایا تھا۔

[2] حضرت اکبر شوخی و ظرافت کی مد میں بہت سے ایسے شعر بھی کہہ جاتے تھے۔ جنہیں صرف تخلیہ کی صحبتوں میں احباب تک محدود رکھنا چاہتے تھے عام اشاعت ہرگز نہ گوارا کرتے رعیت میں کچھ کلام اسی قسم کا بھی چھپ گیا تھا۔

بحال ہو گیا ہوں۔ دعاگوئے شما اکبر حسین

(۱۶۰)

پرتاب گڈھ - ۲۰ اپریل ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آج آپ کی تشریف آوری کا انتظار تھا - عشرت سلمہ آپ کی فرودگاہ کی درستی میں خوشی سے مصروف رہے - اگرچہ اپنے کام میں بھی مشغول تھے - چپراسی سواری لے کر بارہ بجے سے اسٹیشن پر حاضر تھا - گاڑی لیٹ تھی - پونے چار بجے چپراسی واپس آیا کہ آپ تشریف نہیں لائے - سب کو مایوسی ہوئی - دعا ہے کہ آپ خیریت سے ہوں - آج ڈاک اول وقت نہیں آئی - شاید اس وقت آپ کا کوئی خط ملے - امید ہے کہ کل آپ تشریف لائیں - عبدالباری صاحب نے روک لیا ہوگا - کہ میں بھی چلوں گا - اکبر حسین

(۱۶۱)

الہ آباد ، ۲ مئی ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - حاذق الملک صاحب نے بھی جراد لے شعر کو بہت پسند کیا - لیکن آپ صاحبوں کو مشاغل جرا کا بھی کچھ خیال

۱؎ شعر یہ تھا ے رفتار او رسمت میں موج ہوا کی ہے - اسے قصہ گوئے بد ضرورت جرا کی ہے

پرتاب گڈھ حاضری سے آیا ہوں - اپنی زبانی حضرت اکبر نے یہ شعر سنایا تھا اور میں جھوم جھوم گیا تھا - شعر بالکل میرے دل کا ترجمان تھا -

حاذق الملک سے مراد حکیم اجمل خان مرحوم ہیں -

چاہیئے - آپ کا مزاج کیسا ہے - مئی - جون - جولائی کی گرمی نے اگر جان چھوڑی تو انشاء اللہ ملاقات ہوگی - اس گھوڑے کا کیا حال ہے - جب کوئی نقص ہوتا ہے - اسی وقت لوگ جانور کو علیحدہ کرتے ہیں لیکن فی الواقع مضبوط جانور ہو اور موٹر سے بھڑکتا نہ ہو - گاڑی میں صاف چلتا ہو - خرید کیا چاہتا ہوں - عشرت کو بھی ضرورت ہے -

اکبر حسین

(۱۶۲)

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - زاہد صاحب نے لکھا کہ گھوڑا بک گیا - خیر خیال میں رہے عشرت سلمہ کی بھی خواہش ہے - واپسی تمدن[1] کا نکتہ خوب ہے - جزاک اللہ اس کی نسبت کچھ کہا ہے پیش کر دوں گا - طبیعت کو انتشار ہے - تبخیر بہت شدت سے ہوتی ہے جب ہو سکے تو دو چار دن کے لئے یہاں آیئے - قلم کہاں تک کام دے سکتا ہے - جالب صاحب کی خدمت میں تسلیم ۱۵ رمئی ۲۰ء

اکبر حسین

(۱۶۳)

الہ آباد - ۱۶ رجون ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - جو مضمون آپ لکھا چاہتے ہیں

---

[1] خلافت و ترک موالات کی کمیٹیوں نے طے کیا کہ گورنمنٹ کے خطابات سب لوگوں کو واپس کر دینے چاہئیں - میں نے معارف کے شذرات میں لکھا کہ اصل واپسی تو خود مغربی تمدن کی ہونا چاہیے۔

قریباً اسی خیال سے چند روز ہوئے یہ شعر موزون ہوا تھا ۱؎ ؎

حسنِ بُت دیر میں کھینچے لئے جاتا ہے تمہیں
کیا نتیجہ ہے برہمن سے چپکے رہنے کا

گرمی شدید ہے ورنہ اصرار کرتا کہ دو چار دن کو آئیے۔ کچھ کام کی باتیں ہوتیں۔ میں تو گھر سے نکلا نہیں۔ لیکن بہت بزرگوار ملنے تشریف لائے اگرچہ رفتار زمانہ کو کوئی روک نہیں سکتا معلوم نہیں کیا شدنی ہے لیکن بظاہر بہت باتیں بے فائدہ بلکہ مضر نظر آتی ہیں۔ ۲؎

سالونیکا والا شعر کئی برس کا کہا ہوا لغو اور صرف بیاض میں درج ہے ۳؎۔ خدا جانے رعیت نے کہاں سے نقل کر لیا میں نے انکو شکایت لکھ دی ہے۔ مدت ہوئی۔ ترک وہاں سے بے دخل کر دیئے گئے۔

۱؎ میں نے لکھا تھا کہ بچنے کی اصل چیز تو انگریزیت ہے نہ کہ انگریزی قوم۔

۲؎ خلافت کانفرنس کا اجلاس الہ آباد میں ہوا ہے۔

۳؎ Play upon words یعنی رعایت لفظی۔ سالونیکا کے مورچے پر ترکوں اور بلقانی مسیحی سلطنتوں سے بڑی سخت جنگ ہوئی تھی۔ اکبر نے اسی وقت کہا تھا ؎

مغرب کی لیڈیاں بھی ترکی حرم میں آئیں۔ محفوظ رکھے دنیا اس رشتہ سے ہم کو
پھر دل یہ کر کے قبضہ کہہ دیں یہ ترک ان سے۔ سالونیکا ہے اب تو نکلو ہم کو

اکبر ایسے کلام کو اپنے دیوان میں جگہ دینے کے روادار نہ تھے۔

صبغۃ اللہ صاحب بیچارے نہیں جانتے کہ کدھر کے ہو رہیں۔ آپ کو تو اب وہ بڑے واصلانِ حق میں داخل کرتے ہیں۔ انشاء اللہ یہی ہو گا۔ انشاء اللہ کسی وقت اور کچھ اشعار لکھوں گا۔ یادداشت میں بہت کچھ ہے۔ گرمی زیادہ ہے لکھنا بار ہے۔ اکبر حسین

(۱۶۴)

الہ آباد - ۲۱ر جون ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ معلوم نہیں۔ آپ کیا کر رہے ہیں یہاں تو گرمی ایسی شدید ہے کہ حواس درست نہیں۔ سلیمان صاحب کا خط آپ کے نام سرسری نظر سے دیکھا تھا[1] -

دعائیں کر رہے ہیں، ہم یہاں مسجد کی دریوں پر
مُبارک ہو سلیمانی نظر پیرس کی پریوں پر

کچھ خبر ہے کہ یہ حضرات کب تک واپس آئیں گے - اپنی خیریت لکھئے - ہمدم صاحب کو میرا اسلام فرما دیجئے گا - زندہ رہا تو شاید جولائی میں ملنا ہو - اکبر

(۱۶۵)

الہ آباد ۱۶ر اگست ۲۰ء عزیز مکرم - اللہ آپ کو خوش اور تندرست

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی مولانا محمد علی کے ہمراہ وفد خلافت میں یورپ گئے ہوئے تھے - انکے خطوط میرے نام کے ہمدم میں چھپ جایا کرتے تھے - اسوقت مولانا پیرس میں تھے

رکھے۔ میں نے کئی خط آپ کی واپسی کے متعلق اطلاع حاصل کرنے کو لکھنو
بھیجے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ آپ سے محبت ہے اور ملنے کو دل چاہتا ہے۔
آپ سے کام بھی ہے۔ حصہ سوم کا انتخاب اور اس کی اشاعت آپ
ہی کے ذریعے سے ہو تو بہتر ہے۔ عشرت سلمہ سے طے کرونگا کہ اگر مالی
نفع ہو تو اس میں آپ کی توجہ اور صرف وقت کے عوض میں آپ بھی شریک
ہوں۔ بہر حال ضروری کام ہے۔ اور آپ کے مذاق کے موافق ہے
بیسیوں خط اہل پنجاب کے آئے ہیں۔ لیکن میں کسی کو اس کام کا اہل
نہیں سمجھتا۔ خدا کرے۔ آپ بہت جلد صحیح و توانا ہو کر لکھنو واپس
آسکیں[1]۔ میں منتظر ہوں۔ بہ شرط زندگی و توانائی آپ کی واپسی پر
لکھنو پہنچوں گا۔ انشاء اللہ خواب مبارک ہو۔ جب ملیگا تو اس کے متعلق
آپ سے کچھ کہوں گا۔ کرشن صاحب بڑے شخص گزرے ہیں[2]۔ انتخاب
اشعار مجھ پر بار ہے۔ اس موسم میں دوران سر کی شکایت بہت زیادہ
ہوگئی ہے۔ انشاء اللہ کل کوشش کروں گا کہ آپ کے معارف کے لئے کچھ
اشعار انتخاب کردوں۔

مسلمانوں پر جو باخبر اور صاحبدل ہیں اس وقت بڑی مصیبت

۱؎ میں کئی ہفتے کے سفر پر حیدر آباد و اورنگ آباد گیا ہوا تھا۔ اور وہاں بیمار ہوگیا تھا

۲؎ میں نے خواب دیکھا تھا۔ جس کا کچھ تعلق زیارت نبوی سے تھا اور اسی سلسلہ میں
کرشن جی کے ایک ہمنام خواب میں نظر آئے ہیں ؎

ہے۔ اُن کو عظیم خطرات کا سامنا ہے۔ پولیٹیکل پہلو پر تو بہت شور و شغب ہے۔ لیکن اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی طرف کم خیال ہے۔

آپ سے زبانی گفتگو ہوئی ہوگی۔ عجب نہیں کہ حسن نظامی صاحب بھی آپ کی واپسی کے زمانے تک تشریف لائیں۔ اپنی خیریت برابر لکھتے رہیئے۔ میری نسبت جو کچھ آپ نے خیال ظاہر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس حسن عقیدت سے بہرہ مند کرے۔ اکبر حسین

(۱۶۶)

الہ آباد۔ ۸ ۲؍ اگست سنہ ۲ء

سیدی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمدللہ کہ آپ خیر و عافیت سے لکھنؤ پہنچ گئے۔ سال کا یہ موسم میرے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ انشاء اللہ دو ہفتے بعد قصد سفر کر سکوں گا۔ آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے آپ کی طبیعت صحیح نہیں۔ ورنہ کہتا کہ یہاں یا پرتاب گڈھ تشریف لائیے کیا کچھ اشعار بھیج دوں۔ اکبر حسین

(۱۶۷)

۳؍ ستمبر سنہ ۲ء معارف صفحہ ۲۳۸ لندن میں ریشنلسٹ ایسوسی ایشن۔ اس پر جس نے ریمارک لکھا ہے۔ خوب لکھا ہے [۱] پار سال اسی موسم میں شدت سے بیمار ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی تکلیف ہے۔ خدا کرے۔ آپ سے جلد ملنا ہو۔ آپ کا مشتاق اکبر حسین

---

[۱] اس حقیر ہی کی تحریر تھی۔

(۱۶۸)

پرتاپ گڈھ - ۲۰ر دسمبر سنہ ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - کل میں یہاں آیا - ڈیڑھ گھنٹے کا سفر بھی مشکل سے طے ہوا - ارادہ ہے کہ دو ہی تین دن میں الہ آباد واپس جاؤں - معلوم نہیں - آپ کیسے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ آخر ستمبر میں انشاء اللہ بشرط زندگی لکھنؤ کا قصد کروں - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے - آپ کے احباب انگلستان سے کب واپس آئیں گے - اکبر حسین

(۱۶۹)

پرتاب گڈھ - ۱۶ر ستمبر سنہ ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - طبیعت کو بیحد قلق ہے - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے - افسوس ہے کہ ضعف نے اجازت نہ دی ورنہ آپ کی عیادت کرتا - زندگی باقی ہے تو آخر ستمبر یا شروع اکتوبر میں قصد کرونگا - ہر روز درد سر کا دورہ ہوتا ہے - گھنٹوں رہتا ہے - تبدیل موسم سے کچھ اصلاح کی امید ہے - کاش ایسی صورت نکلتی کہ میرا مستقل قیام لکھنؤ میں ہو سکتا - اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجئے - آپ کے گھر میں دعا - خواجہ صاحب بمبئی و حیدر آباد گئے ہوئے ہیں - پرتاب گڈھ میں بھی کچھ شورش کا خدشہ تھا اور ہے - عشرت بہت مشغول و مصروف ہیں ؁

اکبر حسین

(۱۷۰)

پرتاپ گڈھ - بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۱ ستمبر ۲۰ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں نے دو خط بدریافت مزاج آپ کو لکھے ہیں - جواب نہیں ملا - بیحد تعلق خاطر ہے - آپ نے صرف آپریشن کی خبر دی تھی - اُمید ہے کہ اب آپ بالکل اچھے ہو گئے - براہ مہربانی بواپسی ڈاک خیریت سے مطلع فرمائیے - حالات موجودہ نے آپ کے ساتھ دلی تعلق کو اور بھی زیادہ کر دیا ہے - آپ نے اشعار مانگے تھے - یاد نہیں کہ آپ کو بھیجے یا نہیں - کاش آپ خود منتخب کرتے - ہمت سفر باندھ رہا ہوں - ضعف و افسردگی غالب ہے - اکبر حسین

(۱۷۱)

پرتاب گڈھ - ۲۵ ستمبر ۲۰ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - خدا کرے - آپ جلد توانا ہو جائیں - میں خود آپ سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں - لیکن بوجہ عوارض لاحقہ خاص انتظام قیام ضروری ہے جو ہنوز نہیں ہوا اور شاید ایک دفعہ مجھ کو الہ آباد بھی جانا ہے - ۴ یا ۵ اکتوبر تک غالباً قصد نہ کر سکوں - زندگی کا کچھ اعتبار نہیں - حصہ سوم جلد طبع ہو جائے تو بہتر ہے[۱] - کیا آپ دو ایک دن کو تشریف نہیں لا سکتے - آپ کو سمجھا دوں - سپرد کر دوں - عزیزہ

---

[۱] افسوس ہے کہ یہ آرزو مرحوم کی زندگی میں نہ پوری ہو سکی +

صاحب بھی معین ہوں گے - عـــہ کا نوٹ بھیج دوں گا - آمد و رفت کے لئے - آپ کو کافی ہو جائیگا - عشرت میاں بھی آپ کے مشتاق ہیں - بے تکلفانہ یہ خواہش ظاہر کی - معلوم ہے کہ آپ کی صحت اچھی نہیں - خیر اگر نہ آسکئے تو جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کروں گا - ممکن ہے - کہ عزیز صاحب کو یہاں آنے کی تکلیف دوں - لیکن انکو خانہ داری کے تعلقات سے بمشکل فرصت ہوگی - جواب جلد دیجئے - اشعار جلد بھیج دوں گا - انتخاب دشوار ہے -

اکبر حسین

(۱۶۷)

الہ آباد - ۹ر اکتوبر سنہ ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ نے معارف[1] میں خوب مضمون لکھا ہے جس میں میری نظم بھی درج فرمائی ہے - خدا آپ کی عمر دراز کرے - مدارج عالی پر پہنچائے - صفائے بیان - صحت خیال بلند نظری آپ کے حصہ میں ہے - کیا کہوں اب تک جرأت سفر نہیں کر سکا - آپ سے ملنے پر میرے بہت سے کام منحصر ہیں - پرتاب گڈھ میں راجہ صاحب سے مہمان ہونے کا وعدہ کر لیا ہے - مگر اسی نادرستی مزاج کا خیال کر کے تامل کر رہا ہوں - بہرحال بشرط زندگی اسی اکتوبر میں

---

[1] معارف کے شذرات میں توجہ ترک موالات کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں پر دلائی گئی تھی ۔

آنے کا قصد ہے۔ سید سلیمان صاحب سے میرا بہت بہت سلام فرما دیجیے گا۔ [ہ]

دعائیں مانگتے تھے ہم یہاں مسجد کی دریوں پر
مبارک ہو سلیمانی نظر پیرس کی پریوں پر

نواب علی صاحب پروفیسر بڑودہ کالج کا یہ مطلع مجھ کو نہایت پسند آیا تھا۔ اس پر مصرعے لگا دیے ہیں۔ معارف میں طبع کر دیجیے۔ [ہ]

نواب اور علی سے ترکیب نام کی ہے
مقبول طبع خوبی انکے کلام کی ہے
کیا لاجواب مطلع کل آپ نے سنایا
سالک نے راہ پائی عارف کو وجد آیا
اترے ہیں جو زمیں پر روشن دماغ لیکر
وہ ڈھونڈتے ہیں مجھ کو دل کا چراغ لیکر

اکبر

(۱۷۴)

الہ آباد۔ ۱۵؍ اکتوبر ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے۔ اب آپ بالکل اچھے ہوں۔ میں غالباً ۲۲؍ اکتوبر کے بعد سفر کو اٹھوں۔ بشرط زندگی و توانائی حصہ سوم کی بڑی فکر ہے۔ آپ سے شوکت علی صاحب سے ملاقات ہو تو میرا سلام شوق پہنچائیے۔ ملنا ہوتا تو بعض ضروری باتیں گوش گذار کرتا حصہ چہارم میں اپنی ایک نظم دیکھی [ہ]

[ہ] مولانا اب سفر یورپ سے واپس آچکے تھے۔

جس بات کو مفید سمجھتے ہو خود کرو | اوروں پہ اس کا بار نہ اصرار سے دہرو
کافی ہے بس یہ غط کہ غیرت ضرور ہے | تقویٰ بہت ضرور ہے اللہ سے ڈرو
حالات مختلف ہیں ذرا سوچ لو یہ بات | دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو

بہت نظمیں ہیں - خدا جلد وہ موقع لائے کہ آپ دیکھیں اور منتخب کریں - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے

اکبر حسین

(۱۷۴)

پیارے ماجد صاحب اللہ سلامت رکھے - معلوم نہیں - آپ کیسے ہیں - کیا کر رہے ہیں - یہ فرمائیے کہ شوکت علی صاحب اور محمد علی صاحب سے آپ سے ملاقات ہوئی اور باتیں ہوئیں یا نہیں - سید سلیمان صاحب کہاں ہیں - معارف کا چارج لیں گے - یا سوراج میں کام کریں گے ؟ میں ارادہ لکھنو کا کر رہا ہوں ضعف اور انتشار طبع اور بیماری نے ہنوز اجازت نہیں دی - بہت حرج ہو رہا ہے - زندگی کا اعتبار نہیں - خدا کرے - جلد فارغ ہو کر بہ اطمینان منتظر اجل ہو جاؤں بلکہ مشتاق اجل - جواب جلد لکھئے -

اکبر حسین - الہ آباد - ۲۶ اکتوبر ۲۰ء

بہ تاب گدھ میں دم لے کر لکھنو آؤں یا براہ راست - ہنوز نہیں کہہ سکتا - ظفر الملک صاحب کے مصائب کا افسوس ہے عزیزی صبغتہ اللہ کہیں ملیں - تو میری دعا کہہ دیجئے گا -

---

ؔ۱ مولوی حاجی ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر کو ایک سیاسی جرم میں دو سالی کی سزا ہوئی تھی -

(۱۷۵)

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ - ایسے شدید اور غیر معمولی تردداتِ پیش آ گئے ہیں کہ اب تک نہ آ سکا - دنیا عجب جگہ ہے ہم اسکو چھوڑتے ہیں - تو وہ ہم کو نہیں چھوڑتی - حِصّہ سوم کا مسودہ تیار ہے اگر کہئے تو آپ کو یا عزیز صاحب کو بھیج دوں - چھپنا شروع ہو جائے - دیر ہو رہی ہے - پبلک کا تقاضا ہے - آپ نے خوب لکھا تھا کہ روحانیات کی مدد ہو تو میں بھی اُن کا شریک ہو جاؤں - بالفعل تو مطلع تاریک ہے خدا روشن کرے ؁

اپنی خیریت لکھئے - مجھ کو اِن آفات سے نجات ملے - تو بشرط زندگی حاضر ہوں - نقصان مال ہوا ہے[۱] - اور ایک مطالبہ نا واجب درپیش ہے - سلیمان صاحب کہاں ہیں ؟ الہ آباد ۱۱ نومبر ۲۰ء

اکبر حسین

(۱۷۶)

الہ آباد - ۱۷ نومبر ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - روح خوش ہو گئی کہ آپ نے مجھ سے اس خیال میں اتفاق کیا ؏ عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت بنی رہیگی افسوس ہے کہ ایسے محب روحانی سے جُدا ہوں - خدا جلد ترددات

---

[۱] غالباً بنک فیل ہو گیا تھا اور حضرت اکبر کا روپیہ کئی ہزار کی تعداد میں ڈوب گیا تھا؛

سے نجات دے - تعلقات سے بیزار ہوں - لیکن جو پھندے پڑ چکے ہیں اور جن کی اخلاقی ذمہ داری مجھ پر قطعاً نہیں ہے - ان کے قانونی اثر سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں - گو کتنا ہی نقصان ہو -

اس وقت یہ خط پرسوں کا لکھا ہوا نظر آیا - یاد نہیں کہ آپ کو دوسرا خط لکھا یا یہی لکھا تھا پڑا رہ گیا - اکبر حسین

(۱۷۷)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - ایک پُر زبین مدعی فلسفہ کا مضمون میں آپ کو بھیجتا ہوں - بہت دن ہوئے - میں نے ایک قطعہ کہا تھا - حصہ سوم میں درج ہوگا ؎

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

لیکن اس مصنف یا مضمون نگار کا خیال صریحاً غلط ہے - اُمید ہے کہ آپ خود اس کی غلطی کو سمجھ لیں گے - افسوس ہے - کہ بعض بددیانت حریصوں کی بداندیشی نے مجھ کو شدید تردّدات میں مبتلا کر دیا ہے - خدا جلد نجات دے - اسی سبب سے ہنوز نہیں آ سکا لیکن ارادہ ہے - کہ تردّدات کے رفع ہونے کا انتظار نہ کروں اور اسی پر عمل کر سکوں ؎ سکون دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا -

---

؎ حضرت اکبر کے تعلقات اپنے پہلے محل سے شروع ہی سے بہت کشیدہ رہے - اب دعویٰ غالباً ان کی یا انکی اولاد کی طرف سے ہوا تھا ؛

اپنی خیریت لکھئے - اکبر حسین ۲۴ر نومبر سنہ ۲۰ء

شاید میں جلد نہ آسکوں تو کیا آپ پرتاب گڈھ ایک دن کو آسکیں گے - ممکن ہے کہ آپ کے ساتھ ہی ہو لوں اور لکھنؤ پہنچوں - الہ آباد محمڈن بورڈنگ ہوس کے تمام لڑکوں نے بورڈنگ ہوس چھوڑ دیا ہے - مصر ہیں کہ مہتمم امیر علی کو نکال دیا جائے - زاہد میاں کے لڑکے بھی اِن میں شامل ہیں ٭

(۱۶۸)

الہ آباد - ۱۱ر دسمبر سنہ ۲۰ء

عزیزی ماجد میاں اللہ آپ کو خوش رکھے اور مدارج عالی پر پہنچائے - آپ نے میرا شعر خوب یاد رکھا - جزاک اللہ - بہ امید ثواب اثرہ عمم قبول کرتا ہوں - آپ کے صفائے باطنی اور انداز روحانیت کو اللہ قائم رکھے - شمس تبریز[1] صاحب نے تو مشاہدات ایمانی میں قدم رکھا تھا - لیکن قیاس بھی اُس مغربی مضمون نگار کی تائید کرتا ہے - تعجب ہے کہ فلاسفروں میں مصنف نے اُس کو شمار کیا - شمع کا وجود شعلہ پر مقدم ہونا مسلم نہیں ہے - شعلہ وجود شمع کو گھٹاتا جاتا ہے - روح جسم کو بڑھاتی جاتی ہے - دِل میں آیا تھا کہ ایک مدلل آرٹیکل لکھوں - لیکن غیر ضروری سمجھا - آپ سے رپورٹ کر دینا کافی تھا -

---

لہ میں نے دیوان شمس تبریز سے (جو مولانائے رومی ہی کا کلام ہے) کوئی شعر لکھ بھیجا تھا ٭

ایسے مجرموں کے لئے آپ بہت ہیں۔ لکھنو آنا چاہتا ہوں لیکن اِن روزوں ضعف مثانہ کی یہ شدّت ہے کہ شب و روز میں شاید ۲۰-۲۵ مرتبہ جوکی پر جانا ہوتا ہے۔ سردی بھی زیادہ ہو گئی۔ بہرکیف آنا ضروری بھی ہے۔ اور آپ سے مِلنے کا آرزو مند بھی ہوں۔ اللہ مدد کرے۔ ہنوز پرتاب گڈھ بھی نہیں جا سکا۔ کاش آپ مسودات دیکھ کر کچھ اور اشعار منتخب کر لیتے اور حسب موقع اخبارات کو بھیجا کرتے۔ میں نہ آ سکوں تو کیوں نہ پرتاب گڈھ آئیے۔ کل غالباً خواجہ صاحب الہ آباد تشریف لائیں۔ اکبر حسین

(۱۷۹)

عزیز من۔ اگرچہ میں آپ کو خط نہیں لکھ سکا۔ کیونکہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ لیکن دِل ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کا مشتاق ہے۔ اِس سال ضعف مثانہ و ضعف قوتِ ماسکہ کی شکایت اِس قدر زیادہ ہے کہ بے چین اور مغموم رہتا ہوں۔ نہیں سمجھتا کہ اس حالت کے ساتھ زندگی زیادہ دِنوں تک چل سکے گی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ماجد صاحب نے راجہ صاحب کو خوب پیش کش کیا۔[1] میں اس کا

---

[1] راجہ صاحب محمود آباد، حکومت صوبہ کے ہوم ممبر مقرر ہوئے تھے۔ ہندوستانی کو یہ عہدہ پہلی بار مِلا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تہنیت نامے۔ قصیدے وغیرہ پیش کئے۔ ایک مطبوعہ پیش کش میں نے بھی نذر دیا تھا۔ تمام آیتوں۔ حدیثوں اور اقوال سعدی وغیرہ کا مجموعہ ؎

مطلب نہیں سمجھا - خواجہ صاحب الہ آباد آنے والے ہیں پھر پرتاب گڈھ جائیں گے - آپ چاہیں تو آپ بھی تشریف لائیں - یہاں یا پرتاب گڈھ - تعیین تاریخ ہو جائیگا - قصد تو میں کر رہا ہوں کہ لکھنو آؤں - تا تندرستی اور شرائط انتظام قیام سے رکتا ہوں - بھائی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام - اپنے گھر میں سلام و دعا - میں نے مولانا محمود الحسن صاحب کی تاریخ وفات نظم کی ہے - سید سلیمان صاحب لے گئے ہیں - امید کہ معارف میں طبع ہو -

اکبر

الہ آباد - ۲۱ رجنوری ۲۱ء

(۱۸۰)

الہ آباد - ۶ر فروری ۲۱ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - سردی زیادہ ہے نہ آپکو بلانے کی جرأت ہوئی نہ خود حاضر ہو سکا - دو مہینہ سے شکایتیں بہت زیادہ ہیں - رات مشکل سے کٹتی ہے - ضعف مثانہ سے بار بار طہارت کی ضرورت - پوس ماگھ کی پچھلی راتیں میرے لئے اٹھنا بہت سخت ہیں - ایک انبار اشعار کا موجود ہے - آپ سنیں اور انتخاب فرمائیں - میرا دل نہیں چاہتا کہ خود کہیں بھیجوں - اگرچہ لوگ باصرار خواستگار ہیں - آپ کے ساتھ

ھ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی وفات اسی زمانہ میں ہوئی ہے - حضرت اکبر عقائد میں اکابر دیوبند کی تحقیق کے قائل تھے -

میری محبت ہمیشہ سے ہے۔ آپ کی تحریریں اور بھی شیفتہ کر لیا کرتی ہیں
کئی دن ہوئے۔ سید سلیمان صاحب ملنے آئے تھے۔ دو چار شعر لکھ
لے گئے۔ آپ کا ذکر خیر بھی رہا۔ میں نے انکو ناتوان پایا۔ علیل ہیں۔
افسوس ہے کہ وقت کم تھا۔ آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔
بلکہ ملنا ضروری ہے۔ معلوم نہیں۔ آپ کی صحت کا کیا حال ہے۔ فوراً
جواب مرحمت ہو۔ عشرت کا دورہ مارچ تک رہیگا۔ اکبر

(۱۸۱)

الہ آباد ۲۲ فروری ۲۱ء

پیارے ماجد صاحب اللہ آپکو خوش رکھے کہ آپ نے مجھ کو یاد
کیا۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ آپ سے ملنے کا مشتاق ہوں۔
اگرچہ بہت علیل ہوں۔ ایسا کہ حواس کو انجوائے[۱] نہیں کر سکتا۔ میں
اس وقت زیادہ نہ لکھ سکا۔ امروز فردا میں پھر لکھوں گا۔ آپکے لکھنؤ
نہ ہونے نے میری نظر میں لکھنؤ کو بے لطف کر دیا۔ کیا آپ مجھ سے ملنے
کو اور دس پانچ دن قیام کرنے کو یہاں یا پرتاب گڈھ آ سکیں گے؟

اکبر حسین

---

[۱] Enjoy (لطف اٹھانا)۔

[۲] میں اب لکھنؤ کی سکونت ترک کر کے اپنے وطن قصبہ دریاباد (بارہ بنکی) میں منتقل آ گیا تھا۔
اعزہ و احباب کی کثرت اور دعوتوں، پارٹیوں کی افراط نے لکھنؤ میں علمی کام ناممکن بنا دیا تھا

(۱۸۲)

الہ آباد - ۲۰ مارچ ۲۱ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - کچھ خبر نہیں کہ آپ کہاں ہیں - دو خط بھیجے - جواب نہ آیا - اپنا حال کیا لکھوں - عوارض لاحقہ نے معذور کر رکھا ہے - اپنی خیریت لکھیئے - اگر آپ تک پہنچ سکتا تو ضرور آتا - بشرطیکہ آپ کی راحت میں کچھ اضافہ ہو سکتا - مولوی محمد کریم صاحب کی خدمت میں تسلیم - معلوم نہیں مسٹر احمد کریم آج کل کہاں ہیں ۱؎

اکبر حسین

(۱۸۳)

الہ آباد - یکم اپریل ۲۱ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - اگرچہ لکھنؤ مستحق تھا کہ آپ کا قیام وہاں رہتا - لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی تکمیل کے لئے خواہ مخواہ ایسے اسباب مہیا ہوئے کہ آپ وہاں کے ہنگاموں سے علیحدہ ہو جانے پر مجبور ہوں ۲؎ -

بہر حال آپ جہاں ہوں - میرے دل میں اور آنکھوں میں آپ کی جگہ ہے - معارف میں تصوف پر آپ کی تحریر دیکھ کر روح تازہ ہو گئی ۳؎ کاش میں آپ یکجا ہوتے - میں علیل ہوں - آج پھر تلیین ہے اگر زندگی ہے تو شاید کچھ روز تو حواس میں رہ سکوں - شکایات لاحقہ نے بے حواس کر دیا -

---

۱؎ میرے دو قریبی عزیزوں کے نام ہیں - حضرت اکبر کے پرانے ملنے والے ہیں ۱۲

۲؎ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۰۶ حاشیہ ۲ - ۳؎ اس مضمون کا عنوان تھا حکمائے مغرب اور فلسفہ تصوف

ہے - آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا - میں تنہائی اور بیکسی کی حالت میں ہوں - معلوم نہیں - آپ کے گھر میں کہاں ہیں - انکو دعا

اکبر حسین

(۱۸۴)

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - میں بیمار رہوں - بہت تکلیف ہے - ہر دوسرے تیسرے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ نزع قریب ہے - پھر ذرا افاقہ ہو جاتا ہے - عشرت بلا رہے ہیں - ہنوز نہیں جا سکا - اسی انتظار میں آپ کو خط نہیں لکھا - زندہ رہا تو اتوار کو پرتاب گڈھ کا قصد ہے - دیکھئے کیا حالت پیش آتی ہے - میرے دل کو آپ کے تصور سے تسکین ہوتی ہے - اپنی خیریت لکھئے -

اکبر ۲۷ اپریل ۲۱ء

(۱۸۵)

الہ آباد - ۱۱ مئی ۲۱ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - بہت علیل ہوں - ہیجان مادۂ سوداوی نے دماغ کو پریشان کر رکھا ہے - کبھی معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ نزع قریب ہے کبھی پھر امید زیست بندھ جاتی ہے - ادھر اقارب کا نعقارب کے معاملات پیش رہتے ہیں - پرتاب گڈھ کا ارادہ کر رہا ہوں - زندگی و توانائی اور حواس نے اجازت دی اور پہنچا - آپ کو فوراً اطلاع دونگا - میرے پاس جو معتمد ملازم تھا - وہ چلا گیا ہے - بہت دقت ہے - خواجہ صاحب کی آمد کی امید نہیں ہے - موسم

بھی بہت سخت ہے ۔ مولوی محمد کریم صاحب نے مجھ کو خط لکھا تھا کہ ماجد میاں کو تصوف اور عبادت الٰہی کا شوق ہو گیا ہے ۔ میری روح کو بالیدگی ہوئی ۔ میں نے لکھ دیا کہ اُن سے زیادہ کوئی میرے دِل سے قریب نہیں ہے ۔ اللہ آپ کو خوش رکھے ۔ میری موجودہ دنیاوی پریشانیاں رفع کرنے کے لئے ہمت بندھایا کیجئے ۔

تیسرا حِصّہ بدایوں میں چھپ رہا ہے ۔ شاید جون میں تیار ہو جائے ۔ آپ سے مجھ کو مِلنے کی سخت ضرورت ہے ۔ آپکا دعاگو

اکبر

(۱۸۶)

الہ آباد ۱۲ مئی ۱۹۲۱ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ بہت انتظار کے بعد خط مِلا ۔ امراض و آلام اور حوادث نے اِتنا پریشان کیا ہے کہ فیصلہ نہیں کر سکتا ۔ کل کیا کرونگا ۔ کہاں رہوں گا ۔ رہوں گا بھی یا نہیں اور حواس میں رہوں گا یا نہیں ۔ آپ میرے لئے نعمت ہیں ۔ اُمید ہے کہ آپکو مجھ سے ذاتی محبت ہے اور آپ ہمدردی کو موجود ہیں ۔ یہ نہ بھی ہو تو آپ کا مذاق اور طرزِ خیال مجھ سے اِس قدر موافق ہے کہ مجھ کو راحت محسوس ہوتی ہے ۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ طریقت سے بےخبر نہیں ہیں ۔ انشاءاللہ جلد یہاں یا بزناب گڈھ میں تشریف آوری کی درخواست کروں گا ۔ خواجہ صاحب کی صاحبزادی بہت بیمار

ہیں - وہ دہلی آ گئے - آپ کی فرمائش پر میں بھی صاد کرتا ہوں - انکو لکھ دیا ہے - خدا کرے - ایسا موقع ہو کہ میں آپ وہ یکجا ہوں - اُمید ہے کہ ایسا ہو - آپ سے بہت باتیں کرنا ہے - بہت اشعار جمع ہو گئے ہیں - دیکھئے اور انتخاب کیجئے - مولوی محمد کریم صاحب کا خط آیا ہے -

دعاگوئے شما اکبر حسین

(۱۸۷)

پرتاب گڈھ - ۲۵ مئی ۱۹۲۱ء

حبیبی و عزیزی - میں کسی نہ کسی طرح آج پرتاب گڈھ پہنچا - انشاءاللہ یہیں قیام ہوگا - گرمی نے حواس گھور رکھے ہیں - بیماری مستزاد - اپنی خیریت لکھئے -

اکبر حسین

(۱۸۸)

پرتاب گڈھ -

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کے خط نے دل کو نہایت لذت بخشی اس وقت میں ایسی حالت میں ہوں کہ آپ سے زیادہ کسی کو اپنے دل کے قریب نہیں پاتا - مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس زمانہ میں اپنے قرب کے لئے منتخب کیا - اُمید ہے کہ مجھ کو آپ سے بہت مدد ملے - کیونکہ شدید مصائب اور تردّدات میں مبتلا ہوں - خانہ ویرانی، بے سامانی، بے کسی الاقارب کا لعقارب اس پر امراض لاحقہ ایسے کہ قریباً حالت نزع میں ہوں - ضعف کی حد نہیں - عمر اتنی ہو چکی کہ

ہر نفس کو نفس آخر سمجھتا ہوں - حوادث نے اُس حلقہ میں رہنے پر مجبور کیا ہے - جس کو ہم سے مذاق و خیال میں تباین کلی ہے۔ واقعی اِس وقت شدید گرمی ہے - انشاء اللہ بعد چند یوم درخواست تشریف آوری کروں گا - غالباً آپ بھی خوش ہوں گے - اگر مجھ کو مدد دے سکیں - بقیہ زندگی کو جہاں تک ممکن ہو سکون کے ساتھ بسر کر سکوں - عشرت سلمہ آپ کے میلان طبع اور ترقی روحانی پر عش عش کرتے ہیں - علم کا بھی اثر ہونا چاہیئے - اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجیئے - انہی کی برکت ہے کہ آپ کو یہ روحانی ترقیاں اور شہرت ہے[۱]

(۱۸۹)

پرتاب گڈھ - ۱۰ / جون ۲۱ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - میری رائے میں منشی ممتاز احمد صاحب کو یہ تعلق رکھنا چاہیئے - عبد الباری صاحب سے ملا نہیں لیکن اُن کی وقعت میری نظر میں بہت ہے - میں نے ممتاز احمد کو لکھ بھیجا ہے کہ اگر چاہیں تو انکو دیکھ بھی لیں - عشرت میاں نے بھی اتفاق رائے کیا ہے[۲]

---

[۱] "روحانی ترقیاں" تو خیر شاعرانہ تھا لیکن اس پر تو میرا ایمان ہے کہ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہوا اسمیں بڑا دخل میری تہجد گذار والدہ ماجدہ مرحومہ (متوفیہ ۱۹۴۱ء) کی دعاؤں کو رہا ہے -

[۲] حضرت اکبر کے عزیز قریب تھے - ان کا ذکر آگے آرہا ہے ؞

کہ نسبت ہو جائے ۔ آپ نے میری غزلوں کا خوب انتخاب کیا ۔ اگرچہ مجھ پر اب زندگی بار ہے ۔ کیونکہ لذت زندگی اور ذوقِ فردا سے مایوس ہوتا جاتا ہوں ۔ لیکن آپ کی روحانی ترقی سے ایسی موانست ہو گئی ہے کہ آپ کے خیال سے انبساط ہوتا ہے ۔ اور اس امید میں کہ آپ سے ملنا ہو گا ۔ مزا آتا ہے ۔ خدا نے اپنے لئے آپکے مذاق کو منتخب کیا ہے ۔ بلادلیل اس کے ہو رہیئے ۔ اِس زمانہ میں تو بالخصوص بڑی نعمت ہے ۔

اکبر حسین

امراض لاحقہ سے سارا جسم ضعیف ہے ۔ گرمی کی شدید تکلیف ہے ۔ دریاباد سے یہاں تک کا کیا کرایہ انٹر کا ہے ۔ کس راہ سے آنا ہو گا ۔ شاید براہِ فیض آباد ۔

(۱۹۰)

پرتاب گڈھ ۔ ۲۳ ؍ جون ۱۹۲۱ء

پیارے ماجد میاں ۔ اللہ آپ کو مسندِ علم و عزت پر متمکن رکھے ۔ میں پہلے ہی اندیشہ ناک تھا ۔ رات کے پانی نے اِس مکان کو بالکل ناقابل آرام کر دیا ۔ اسکا بنانے والا نہایت ناتجربہ کار تھا ۔ تمام احاطہ پانی میں ہے ۔ میں آج یا کل انشاء اللہ الہ آباد واپس جاتا ہوں ! انشاء اللہ وہیں آیئے عشرت بھی وہیں پہنچ جائیں گے ۔ وہاں پہنچ کر آپکو خط لکھونگا ۔ آپ سے بہت باتیں کرنا ہیں ۔

اکبر حسین

(۱۹۱)

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ - آپ کہاں چلے گئے تھے۔ آپکا
خط راجہ میاں کو بھیجا جا رہا ہے - غالباً وہ جلد جانے کا قصد کریں۔
دوسرے ورق پر مختصر حالات، قرابت راجہ میاں کے لکھ کر بھیجتا
ہوں ۔ یہ احتیاط رکھئے - اب جلد ان کی طرف سے باضابطہ درخواست
ہونا چاہیئے - کیونکہ اور طرف بھی خیالات ہیں - راجہ میاں کا پتہ یہ
ہے - الہ آباد - احاطہ عشرت منزل - کوئیں ٹولہ - مکان نمبر ا سمہ
شیخ ممتاز احمد صاحب عرف راجہ میاں مترجم ہائی کورٹ - الہ آباد

میں امراض لاحقہ اور ضعف سے بہت معذور رہوں - دیکھئے
کب تک زندگی ہے - کل تو خوب پانی برسا - آپ کب قصد کرسکیں گے۔
عشرت نے مکان بدل دیا ہے - یہ مکان ان کے خسر کا ہے - اسٹیشن
ریل سے قریب ہے - لیکن وسعت کم ہے - مولوی عبدالباری صاحب
کو میرا سلام شوق پہنچایئے - سید سلیمان صاحب کہاں ہیں؟

شیخ محمد علی صاحب رئیس الہ آباد شرفائے دیوبند سے تھے
|
شیخ برکت علی صاحب
|
شیخ غلام امام صاحب خان بہادر لسان العصر ریٹائرڈ جج کی حقیقی بہن کے شوہر
|

(دیکھو صفحہ ۲۱۴)

شیخ ممتاز احمد عرف راجہ میاں
مترجم ہائی کورٹ

دختر خواندہ سلیقہ شعار۔ نیک منظر نوجوان جس کی نسبت مطلوب ہے۔

:- ان کی حقیقی بہن سردار بیگم زوجہ سید زاہد حسین خانصاحب اسسٹنٹ سرجن جن کے صاحبزادے بشیر حسین خانصاحب بی۔اے ابھی حال ہیں فرخ آباد میں انکم ٹیکس آفیسر مقرر ہوئے ہیں زاہد حسین خانصاحب لسان العصر کے حقیقی بھانجے الہ آباد میں مالک مکانات وسیع کے ہیں سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر بی اے کے حقیقی پھوپھی کے لڑکے ہیں :.

ان کی بی بی آگرے کے ایک نہایت شریف پیرزادوں کے خاندان کی لڑکی ہیں

اس لڑکی کی ایک بہن لکھنؤ میں منسوب ہے شوہر نیک شریف قانونگو ہیں۔ خسر جیلر ہیں۔ لڑکی کے بڑے بھائی نثار احمد بی اے ہیں۔ سررشتہ تعلیم ہیں سو روپے یا اس سے زائد کے ملازم ہیں

راجہ میاں کے لڑکے اور لڑکیاں اور بھی ہیں۔ دو لڑکے چھوٹے ہیں۔ تعلیم پا رہے ہیں۔ راجہ میاں کی ایک لڑکی سید محمد عباس صاحب کو منسوب ہے۔ جو لسان العصر کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ ٹیلیگراف ہیں دو سو کے ملازم ہیں :.

(۱۹۲)

الہ آباد - ۲۴ جون ۲۱ء - عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - کل میں الہ آباد آ گیا - یہ فرض کر کے کہ آپ ہمارے ہمدرد، خیر طلب اور معین ہیں اور عشرت میاں سے محبت برادرانہ رکھتے ہیں - چند باتوں میں آپ سے مشورت اور ہو سکے تو شرکت و اعانت مطلوب ہے - از انجملہ حصہ اول و دوم کا پھر چھپوانا جس کی مانگ ہے - اور اب کوئی کاپی باقی نہیں ہے اگر حرج نہ ہو تو الہ آباد تشریف لائیے - عشرت میاں کہتے تھے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ پرتاپ گڈھ ہوتے ہوئے ایک دن ان کے پاس قیام کر کے یہاں آئیے وہ موقع کہ الہ آباد تشریف لائیے - عشرت بھی شریک ہوں آخر جولائی میں انشاء اللہ ہوگا - آپ پھر بھی تشریف لا سکتے ہیں - میں تو اپنی حالت دیکھ کر زندگی کو غنیمت سمجھتا ہوں - طول امل اور امید فردا بہت کم ہے - عزیزی ممتاز احمد صاحب اعظم گڈھ گئے ہیں - انٹر کا کرایہ دریاباد سے الہ آباد تک کا لکھ بھیجئے - تکلف نہ کیجئے - معاملہ واحد سمجھئے - جیسے عشرت ویسے آپ - اکبر حسین

(۱۹۳)

الہ آباد - ۱۱ جولائی ۲۱ء

سلمہ اللہ تعالیٰ - راجا میاں رات لکھنؤ گئے - ۲۴ کو آپ کا منتظر رہوں گا اگر زندہ رہا آپ کی محبت و ہمدردی سے دل کو قوت پہنچتی ہے - خدا قائم رکھے - اُمید ہے کہ ایسی مشکلات کے حل میں آپ سے بہت کچھ مدد ملے - چونکہ عشرت میاں کے دل میں آپ پر بہت اعتماد ادر

آپ کی محبت پاتا ہوں - اس سبب سے یہ امید ہے - اپنا حال کیا لکھوں

خیال مرگ نے اس عمر میں زائل کیا اُس کو ۵

حلاوت زندگی کی تھی فقط امید فردا سے

واپسی منی آرڈر سلف ریسپکٹ[۱] کی مد میں ہوئی ہوگی - لیکن یہ خیال بھی کر سکتا ہوں کہ میرے ساتھ ہمدردی ہے اور بہت دل خوش کن ہے - بہر حال رنج و راحت، فکر و فارغ البالی میں ہمارا آپ کا معاملہ واحد ہونا چاہیئے - اکبر حسین

(۱۹۴)

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - تفسیر مواہب الرحمٰن - مولانا امیر علی مرحوم سابق پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ قیمت ے علاوہ محصول ڈاک اس کا اشتہار "دین و دنیا" میں دیکھا ہے - کیا آپ اس کتاب سے واقف ہیں یا واقف ہو سکتے ہیں - کیسی کتاب ہے اور اسی قیمت کی مستحق ہے؟

الہ آباد - عشرت منزل ۱۴ ر جولائی ۱۹۱۳ء سید اکبر حسین

(۱۹۵)

الہ آباد - ۱۷ ر جولائی ۱۹۱۳ء

میرے پیارے ماجد میاں - راجہ میاں نے آپ کے واجد علی شاہی ٹھاٹھ اور مصارف اور انجمن آرائی اور تکلفات کی تصویر[۲] کھینچی کہ اگرچہ

---

[۱] (Self Respect) میں نے منی آرڈر بہ ادب واپس کر دیا ہے *

[۲] دیکھو صفحہ ۲۱۷ *

بہت مسرت ہوئی۔ لیکن یہی سمجھا کہ آپ کو دماغ اور فرصت کہاں۔ کہ میری طرف صرف توجہ کیجیئے۔ واجد علی شاہی سے خدانخواستہ عیاشی مراد نہیں ہے۔ آپ کی سعادت مندی اور خوشی اخلاقی کا شکر گذار ہوں۔ کہ ۲۴ کو وعدہ تشریف آوری ہے۔ عبدالباری صاحب سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں۔ لیکن اپنا یہ قطعہ یاد آتا ہے ؎

لکھا تھا کہ مشتاق ملاقات بہت ہوں ۔۔۔ پاؤں جو اجازت تو دم چند کو آؤں
آیا یہ جواب آئیے جب چاہیئے لیکن ۔۔۔ افسوس کہ میں آپکا مشتاق نہیں ہوں

خیر زندگی باقی ہے تو ملنا ہو ہی جائیگا۔ عشرت سلمہ یکم اگست سے دس دن کی رخصت لینے والے ہیں۔ انشاءاللہ یہاں بھی آئیں گے۔ آپ اگر زیادہ قیام نہ کرسکیں۔ تو پرتاب گڈھ اُن سے ملتے ہوئے واپس جائیے گا۔ کیونکہ وہ آپ کے مشتاق و معتقد ہیں۔ اکبر حسین

میں بشرطِ زندگی وسط اگست میں لکھنؤ کا قصد رکھتا ہوں۔ اور وہیں قیام کا قصد ہے۔ یہاں بالکل سناٹا ہے اگر یاد رہے اور مِل سکیں تو ۱۵۔ ۲۰ آم تخمی شیریں پتلے یا گاڑھے رس کے لیتے آیئے گا۔

(۱؎ نوٹ صفحہ ۲۱۶) میں اس زمانہ میں قوالی سنتا تھا۔ لکھنؤ میں ایک محفل صبح کے وقت کی۔ چائے و ناشتہ کے بعد قوالی ہوئی۔ اور قوالوں کو حسب دستور کچھ مِل ملا بھی گیا۔ راجہ میاں بھی اتفاق سے اس میں شریک تھے۔ اُن کی روایت پر حضرت اکبر کا یہ والا نامہ آیا ؎

قلمی نہیں - حاجی عبد الحق صاحب سے کہہ دیجئے گا - ابھی انھوں نے
۱۵ آم راجہ میاں کے ہاتھ بھیج دیے ہیں - ان کا مزا اکھٹا ہے -

(۱۹۶)

۲۲ جولائی ۱۱ء عزیز من سلمہٗ - مجھ سے واجد علی شاہی کے لفظ میں شدید
غلطی ہوئی - صرف بلحاظ مصارف و تکلف کے یہ لکھ دیا تھا - راجہ میاں
نے کہا کہ ماجد میاں نے خوب روپیہ قوالوں کو دیا اور مہمانوں کو پر تکلف
دعوت دی - اسی بنا پر میں نے لکھا کہ آپ کی توجہ ادھر کم ہوگی - اس کی
تصریح کر دوں گا - بہر کیف مطمئن رہیئے - اکبر حسین
اگر آپ کی نسبت سوء ظن ہوتا تو میں مشتاق طالب کیوں ہوتا -

(۱۹۷)

عزیزم سلمہٗ - آپ نے پھر مجھ کو نہ یاد کیا - رسید مع الخیر کا خط بھی
نہ آیا[1] - خواجہ صاحب سے سُنا کہ آپ شاید عید میں ان سے ملنے آئیں -
خدا ایسا کرے[2] - اکبر الہ آباد ۱۳ اگست ۲۱ء

---

[1] میں الہ آباد جا کر آخری بار دیدار سے مشرف ہو آیا تھا - آہ - کیا خبر تھی کہ اس
حکیم و عارف کی یہ آخری زیارت ہے ؛

[2] اس کے چند ہی ہفتہ بعد وہ وقت آگیا - جس کے انتظار میں حضرت اکبر سالہا
سال سے تھے ؛

خطوطِ محمد علی

یا

جوہر نامہ[1]

دیباچہ

خط و کتابت میرے اور ان کے درمیان اس وقت شروع ہوئی۔ جب میں تمام تر "مسٹر" تھا اور وہ "مسٹریت" میں غرق اور محمد علی بھی پوری طرح "مسٹریت" منزل سے باہر ابھی نہیں نکلے تھے۔ گو چہرہ پر نورِ ایمان، داڑھی کی شکل میں اب بھی ظاہر ہونے لگا تھا۔ یہ ۱۹۱۳ء تھا۔ اُن کی حیثیت اُردو کے سب سے بڑے نئے روزنامہ کے ایڈیٹر کی تھی۔ اور میری حیثیت ایک طالب علم قسم کے ایک ہونہار مضمون نگار کی ۱۹۱۶ء میں زمانہ نے پلٹا کھایا۔ میں "مسٹر" اب بھی تھا۔

---

[1] مولانا محمد علی کا تخلص جوہر تھا۔

لیکن طالب علمی ختم کر کے اُردو کے علاوہ انگریزی میں بھی فلسفہ کی ایک کتاب کا مصنّف تھا۔ اور محمد علی اب ایڈیٹر سے زیادہ ایک لیڈر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے چھندواڑہ میں نظربند تھے۔ اب وہ شاعر تھے انگریزی کے مشہور ادیب اور ایڈیٹر تھے۔ لیڈر تھے اور سب سے بڑھ کر۔ کٹر ایک بردست مسلمان تھے۔ "مولانا" ہو چکے تو نہیں تھے۔ ہو رہے تھے۔ میرا انکا رشتہ مذہبی یا سیاسی نہیں۔ صرف علمی و ادبی تھا۔ . . . اس دور کے خطوط اِسی نظر سے ملاحظہ کئے جائیں۔

کئی سال کے وقفہ کے بعد اب ایک مکتوب سنہ ۱۹۲۱ء کا ملتا ہے۔

(مراسلت اس طویل درمیانی مدت میں ایک تو رہی بھی کم۔ دوسرے دو ایک خطوط جو سنہ ۱۸ء یا سنہ ۱۹ء میں آئے وہ افسوس ہے کہ محفوظ نہ رہے) محمد علی اب ملک کے مسلم سردار ہیں۔ باقاعدہ مولانا اور علم پر دین کو مقدم رکھنے والے "پُرجوش مجاہد و مبلغ۔ جامعہ ملیہ کے بانی۔ میں بھی اس وقت بحمد للہ نامسلم نہیں۔ تو مسلم ہوں۔ گو مولانا کو اس وقت تک میرے تجدید ایمان کی خبر نہیں۔

دسمبر سنہ ۲۳ء سے ستمبر سنہ ۳۰ء تک مسلسل ایک دَور ہے۔ میں ایک ادنیٰ نیازمند ہوں اور وہ ہر طرح میرے مخدوم و محترم۔ سن میں بھی وہ مجھ سے ۱۴ سال بڑے تھے انکی اخلاقی۔ روحانی۔ دماغی عظمت کے علاوہ کچھ تھوڑا سا دخل انکی بزرگ داشت میں سن کے اس تفاوت کو بھی تھا۔

خطوط اس مجموعہ میں تعداد میں زیادہ نہیں لیکن بعض بہت ہی مفصل ہیں گویا ایک رسالہ کے مساوی الحجم۔ اور محمد علیؒ کی روح کے ترجمان تو سب کے سب ہیں۔

محمد علیؓ کی خطوط نویسی کا طریقہ بھی یہی تھا۔ وہ خط زیادہ نہیں کم لکھتے۔ زیادہ لکھنے کی انہیں فرصت ہی کب ملتی؟ لیکن جب بھی لکھتے دل کھول کر رکھ دیتے۔ دل کو بند رکھنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔

محمد علیؒ کی زندگی تاریخ امت کے حادثوں میں سے ایک حادثہ (ٹریجڈی) ہے موافق حالات اور سازگار فضا میسر آجاتی تو خدا معلوم وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے کیا کچھ کر ڈالتے۔ کیسا انقلاب برپا کر جاتے لیکن مشیت کو یہ منظور نہ تھا۔ کل ۵۳ سال کی عمر میں وہ ہر طرف سے مایوس ہر طرح سے دل شکستہ دنیا سے سدھار گئے۔ یہ عمر بھی کوئی عمر ہے! قوم کے طنز و تعریض نے دل چھلنی کر ڈالا تھا۔ کوئی الزام مشکل سے بچ رہا ہوگا۔ جو اس غریب پر نہ تھوپا گیا ہو۔ "غدار" "قوم فروش" "خائن" "جاہ پرست" "خوشامدی" غرض ہر تیر کا ہدف محمد علی کا دل و جگر تھا۔ یقین نہ آئے۔ تو آج بھی اس وقت کے اخبارات کے فائل تلاش کر لیے جائیں۔ . . مخالف و معاند ماحول نے تو علی مرتضیٰؓ اور عثمان غنیؓ جیسے اکابر امت اور اجلّ صحابہ تک کو نا کام رکھا۔ تو محمد علی غریب کا کیا ذکر! پھر کہاں وہ زمانہ خیر القرون سے متصل۔ اور نہ کہاں یہ بیسویں صدی عیسوی کا عہد ظلمات !

ابتدا کے خطوط کیسی زندہ دلی، شگفتگی کے مرقع ہیں اور نہ آخری خطوط کیسی اداسی اور مظلومیت کے خاکے۔ جلے ہوئے دل سے اگر کچھ کلمات بعض اغیار معاصرین کے ہاتھ میں تند و تلخ و ناملائم نکل گئے ہوں۔ تو شاید وہ زیادہ قابل ملامت نہ ہوں۔ لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم میں الا من ظلم کا استثناء آخر اللہ ہی کا تو فرمان ہے

اس پر بھی جن صاحبوں کا دل دکھے۔ اُن سے دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔

اپنی زندگی میں میں نے فاضل و محقق علماء، دین اچھے اچھے دیکھے بزرگ و درویش عابد و زاہد بھی۔ ایک نہیں کئی ایک دیکھے۔ لیکن تحزّب (پارٹی اور جماعت کے اثرات سے تاثر) ہی اکثر دیکھنے میں آیا۔ جرأت و صداقت اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرنے کی۔ یہاں تک کہ امر حق میں، اپنے پیر و مرشد اور عزیز تریں دوستوں اور محترم ماں اور بزرگ بھائی، کسی کا بھی اثر نہ قبول کرنے کی جو مثال محمد علیؒ نے دکھائی۔ وہ ان کی آنکھوں نے تو اب تک کہیں اور نہیں دیکھی۔ غیر مسلموں میں گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال چوٹی کے لیڈر رہیں اور حق گوئی و صداقت پرستی کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن تحزب وہ بلا ہے کہ وہاں بھی اس نے بالکل پیچھا نہیں چھوڑا ہے . . . حق گوئی کے دربار کی رونق بس محمد علیؒ کے دم تک تھی۔

دریاباد۔ بارہ بنکی　　　　عبدالماجد

نومبر ۱۹۴۲ء

خطوطِ محمد علی

(۱)

آغاز مئی ۱۳ء

مکرمی - السلام علیکم - ہمدرد ۴ صفحہ کا نکلتا ہے اور انشاء اللہ یکم جون سے آٹھ صفحہ کا نکلنا شروع ہوگا - اب ضرورت ہے کہ میں آپ سے قلمی امداد کے لئے عرض کروں - اس سے غالباً آپکو بھی عذر نہ ہوگا کہ ہمدرد آپ کی امداد کا حاجتمند بھی ہے اور مستحق بھی - میں چاہتا ہوں کہ اصل ہمدرد کے ابتدائی پرچوں سے آپ کے مضامین نکلنے شروع ہوجائیں - اس لئے اگر بواپسی ڈاک مضامین عنایت کریں گے - تو اور بھی زیادہ میری شکرگذاری کا باعث ہوگا - والسلام

نیازمند - محمد علی

(۲)

چھندواڑہ سی - پی - ۲۲ مئی ۱۶ء

مکرم! کوئی مہینہ بھر ہوتا ہے - کہ انگریزی کتاب سائیکالوجی آف

ف یہ ایک گشتی خط ہے - ہمدرد کے اجرا اوّل کے وقت میری طرح اور بہتوں کے پاس گیا ہوگا - شروع شروع میں چار صفحہ والے پرچہ کا نام ہمدرد نہیں، نقیب ہمدرد تھا - اصل ہمدرد آٹھ ہی صفحہ پر نکلا ؞

لیڈرشپ مطبوعہ ٹی فشر انون[۵] (لندن) کا ایک اشتہار موصول ہوا تھا۔ لفافہ کے اندر سوا اس اشتہار کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اشتہار آپ کے ایما سے یا کم از کم آپ کے علم سے میرے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ اگر کتاب آپ ہی کی تصنیف سے ہے تو یقیناً دلآویز ہوگی۔ متعدد ولایتی اور ہندوستانی اخبارات کی مدحیہ رائیں اس اشتہار میں پڑھ ہی چکا تھا۔ کہ ایک مفصل ریویو مسز بسنٹ کے روزنامہ نیو انڈیا میں نظر سے گذرا۔ جو بہت ہی مداحانہ تھا ؛

اچھا تو میں اب بجائے مشتہر صاحب کے براہ راست آپ ہی کو لکھتا ہوں کہ کتاب کی ایک کاپی میرے نام وی۔ پی بھجوا دیجئے۔ اس وی۔ پی کی فرمائش کو کتاب کا نسخہ مفت ہاتھ آنے کے لئے حسن طلب نہ سمجھئے گا۔ مجھے یہ دل سے ناپسند ہے کہ مصنف کے احباب اس سے کتاب وصول کرنے کی گھات میں رہیں۔ اب وہ زمانہ تو ہے نہیں کہ مصنفین غریب کو شاہانہ سرپرستیاں حاصل ہوں۔ کتابیں اگر فروخت نہ ہوں تو آخر طبع و اشاعت کے مصارف کہاں سے نکلیں گے اور اس میں اگر دوست احباب ہی بخل کرنے لگیں۔ تو پھر امید کس سے رکھی جائے۔

(Pcychology of Leadership
(Fisher Unwin) [۵]
میری پہلی انگریزی کتاب دسمبر ۱۹۱۵ء میں لندن میں شائع ہوئی دو ایک ماہ بعد ہندوستان پہنچی

اِس جبریہ تعطیل کے زمانے میں مجھے پڑھنے کے لئے تھوڑا بہت وقت مِل جاتا ہے[1]۔ اور سائیکالوجی آف لیڈرشپ (نفسیات قیادت) سے بڑھکر موزوں موضوع بھی مطالعہ کے لئے کیا ہوگا۔ خصوصاً اس لئے کہ آج ہندوستان میں کوئی قابلِ ذکر لیڈر رہے ہی نہیں[2]۔ خدا معلوم آپ نے ہمارے پیغمبر (روحی فداہ) کی سیرت کا مطالعہ قائد اعظم کی حیثیت سے کیا ہے یا نہیں۔ مکہ کو فتح کرنا جانی دشمنوں کے حق میں لا تثریب علیکم الیوم کے مشہور فرمان کے ساتھ اور انصارِ مدینہ سے اِس بغیر کشت وخون والی اور بغیر مالِ غنیمت والی فتح کو قبول کرا لینا یہ قیادت کے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ لیکن یہ سب میں قبل از وقت لکھ رہا ہوں۔ پہلے کتاب تو دیکھ لوں۔ پھر رائے قائم کروں۔ جملہ احباب کی خدمت میں سلام (ترجمہ انگریزی) مخلص۔ محمد علی

(۳)

(دستخط سنسر) یکم اگست ۱۹۱۶ء۔ چھندواڑہ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی! جی ہاں۔ جیسا کہ آپ نے یاد دِلایا ہے۔ آپ کی سائیکالوجی

---

[1] محمد علی اپنی پہلی نظر بندی کے سلسلہ میں اس وقت چھندواڑہ (سی پی) میں نظر بند تھے۔

[2] یہ گاندھی جی کے دَور سے پہلے کا زمانہ ہے۔

[3] میں اس وقت دورِ الحاد سے گذر رہا تھا۔ مذہب کے قریب ہوکر بھی گذرنا نہیں چاہتا تھا لیکن محمد علی کو اپنے جوشِ تبلیغ میں اس کی کیا پرواہ تھی۔

آف لیڈر شپ" میرے پاس میری ہی فرمائش پر آئی اور آپ کے اِس فقرے کو میں اپنے لئے باعث عزت افزائی سمجھتا ہوں کہ میں ان گنے چنے چند لوگوں میں ہوں۔ جن کے تبصرے کی آپ کوئی پروا اور وقعت رکھتے ہیں۔ کتاب اگر ہدیتہً نہ موصول ہوتی ہوتی۔ جب بھی اغلب یہ ہے کہ میں اِس کے موضوع پر ضرور آپ کو کچھ لکھتا۔ لیکن اخبارات میں میں نے پڑھا۔ کہ آپ کی شادی ہوئی اور آپ بعد موٹر پر کہیں باہر جشن عروسی منانے روانہ ہو گئے۔ اور میں نے خیال کیا کہ کم از کم "ماہ جشن" بھر تو "فلسفہ محبت" کے آگے "فلسفہ قیادت" کا تذکرہ بہت ہی بے محل و نامناسب ہوگا۔ اِس لئے اب تک خاموش رہا۔ اُمید ہے کہ یہ عذر مقبول ٹھہریگا۔ خیر اب سہی۔ کتاب مصنف کی جس غور و فکر۔ وسعت مطالعہ اور زبردست قوت مشاہدہ کی شہادت دے رہی ہے۔ اِس کے لحاظ سے میں داد دیتا ہوں۔ ہمارے پڑھے لکھوں سے غور و فکر کی طرح ذوقِ مطالعہ بھی عنقا ہو گیا ہے اور اتنا بھی مادہ باقی نہیں رہا ہے کہ دوسروں ہی کے خیالات سمجھ کر پڑھ لئے جائیں۔ لیکن آپ نے اپنی مختلف واقعات نفسیاتی کی جو مثالیں درج کی ہیں۔ اِن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں صرف دوسروں کے خیالات پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔ میں داد و ستائش کی زبان میں اور بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپکو مقصود "میری تقریظ" نہیں بلکہ "تنقید" ہے۔ آپ سے ملاقات ہوتی تو زبانی ہی بہت تفصیل سے اپنے خیالات ناقص عرض کرتا۔ ایک خط کے حدود کے

کے اندر ایک فلسفہ کی کتاب پر تفصیلی ریویو کیونکر آسکتا ہے - آپ کو صرف مختصر اشارات پر قناعت کرنی ہوگی - یہ محض خاکے کے طور پر آئیں گے اور آپ غالباً اِن سے یہ سمجھیں کہ کتاب کا مطالعہ محض سرسری اور متفرق مقامات سے کیا گیا ہے - لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں عموماً مطالعہ بہت آہستہ آہستہ کرتا ہوں اور آپ کی کتاب کا بغور مطالعہ تو میں نے کئی دِن میں کیا بہرحال میرے منتشر نوٹ حسب ذیل ہیں :-

۱ - عبارت

موجودہ فلسفیانہ زبان پر آپ کو جو قدرت بلکہ عبور حاصل ہے اس پر دِلی مبارکباد پیش کرتا ہوں - بیان ہر جگہ صاف ہے اور جو شخص نفسیات جدید سے واقف ہے - اُسے آپ کے مفہوم کے سمجھنے میں کہیں بھی دِقت نہیں ہو سکتی - لیکن اِس ضرورت کو تو آپ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پڑھنے والوں کی ایک تعداد اہل "اجتماع" کی بھی ہوگی اور آپ اِن "عوام" کی داد تحسین سے خواہ کتنے ہی بے نیاز ہوں - لیکن ان کی ضرورتوں سے تو آپ قطع نظر نہیں کر سکتے - اور ان کی ضرورتوں کا تقاضا یہ ہے کہ زبان میں مصطلحات ذرا کم استعمال کی جائیں یا یوں کہئے کہ نفسیاتی زبان کے ساتھ ساتھ توضیحات اور مثالوں کا حصہ ذرا زیادہ ہو - ممکن ہے کہ میں کچھ زیادتی کر رہا ہوں - اِس لئے کہ مجھے خود طوالت کی لت پڑی ہوئی ہے اور محض اپنا خیال پڑھنے والے کے سامنے پیش کر دینے پر بس نہیں کرتا - بلکہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح زبردستی اس کے

دِل کے اندر بھی اتار دوں ۔ تاہم میرا خیال ہے کہ بغیر طوالت کے عیب کے بھی آپ اپنی کتاب کو اس کی موجودہ ضخامت سے دوگنا تو کر ہی سکتے ہیں ۔

۲۔ مغز

مغز کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اجتماع سے تو آپ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے ۔ لیکن "قائدین" (لیڈروں) میں اسی قدر اجمال سے بھی کام لیا ہے ۔ یہ بالکل درست ہوتا کہ آپ اجتماع کی نفسیت پر بحث کر کے لیڈروں کے متعلق ایک منفیانہ پہلو اختیار کرتے یہ کہہ کر کہ اجتماع میں جن اوصاف کی کمی ہوتی ہے ۔ وہ اس کے افراد میں پوری طرح پائے جاتے ہیں ۔ لیکن یہ یاد رکھیئے کہ جس عمومی حیثیت سے آپ اجتماعات پر بحث کر سکتے ہیں ۔ وہ اس کے لیڈروں کے لیئے کافی نہیں کر سکتے ۔ کتاب کی نظرِ ثانی کے وقت میں آپ سے بزور سفارش کرتا ہوں ۔ کہ لیڈروں کے متعلق اپنے اس تناسب کو بدل دیجیئے ۔ کتاب کا یہ حصہ زیادہ تفصیل کا مستحق ہے ۔ اور اس حصے میں مزید شرح و بسط کی گنجائش ہی نہیں ۔ ضرورت بھی ہے ۔

۳۔ اجتماع

اجتماعات سے متعلق میں آپ کے نظریات سے اجمالاً متفق ہوں ۔ لیکن یہاں بھی مزید تفصیل و تقسیم کی ضرورت تھی نظم و ضبط کی اہمیت کو تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے ۔ اور مانا ہے کہ اجتماع جب اِس وصف سے

منصف ہو جاتے ہیں، تو اُن کی قوت زبردست بھی ہو جاتی ہے اور مفید بھی۔ لیکن "اجتماع" کا مفہوم آپ کے ذہن میں بس اُن بڑے بڑے جلسوں اور مظاہروں ہی کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ جو ہندوستان میں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں نہ کہ ان "مجلسوں" اور "کانفرنس" کا جہاں وامرھم شوریٰ بینہم کے ارشادِ ربانی کی تعمیل ہوتی رہتی ہے اور جہاں آزادانہ بحث و مباحثہ نظر و فکر کے بعد "اجتماع" کے فیصلے اکثر افراد کے فیصلوں سے زیادہ معقول اور "اجتماع" کا عمل بھی افراد کے عمل سے زیادہ منظم ہو جاتا ہے۔ آپ کے فحوائے تحریر سے ظاہر ہے کہ "اجتماع" (بھیڑ) کی حقارت آپ کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہے۔ (خود ہی یہ لفظ تحقیر آمیز ہے۔ عربی لفظ "جمعیۃ" اس سے کہیں بہتر ہے) کیا میرا یہ خیال صحیح ہے کہ آپ "اجتماع" کی تحقیر کر رہے ہیں یا یہ ہے کہ آپ اپنے خیالات پوری طرح واضح نہیں کر سکتے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مجھے اسی طرف (بلکہ یوں کہئے کہ آج سے پندرہ مہینے قبل نظربندی کے وقت تک) جمہور سے خوب خوب سابقے رہے اور ممکن ہے کہ آپ مجھے بھی اُن عوام پسند زعموں میں شمار کر رہے ہوں۔ جو زبان سے تو اپنے مقدس عامۃ الناس کی بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ مگر دل ہی دل میں اُن عوام کو کالانعام اور چوپایہ سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن حقیقتہً میں جہاں تک اپنے جذبات اور خیالات کا اندازہ لگا سکا ہوں۔ میرے خیال میں نسبتاً سب سے بہتر بلکہ اکثر تو بہترین فیصلے جماعات ہی کے ہوتے ہیں نہ کہ افراد کے۔ گو سرعتِ عمل کے قطعاً

لئے افراد ہی کی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خیر یہ تو ایک الگ بحث ہے۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ مجھے آپ سے توقع یہ تھی کہ آپ مختلف اجتماعات کی مختلف نفسیتوں پر نظر رکھیں گے۔ مومنین کی وہ آزاد جماعت جو محمد رسول اللہ صلعم کی ۲۳ سالہ مدت نبوت اور خلافتِ راشدہ کے ۳۰ سالہ زمانے میں موجود رہی۔ ایک ایسے ہی اجتماع کی مثال ہے جو اپنے قائدین کی سلیم ترین متبع ثابت ہوئی۔ کیا عمرؓ کے متبعین میں کبھی بھی ایسا ہوا ہے کہ نکتہ چین[1] نہ رہے ہوں اور پھر آجکل کے بھی کسی ایسے "اجتماع" کی بابت جیسا کہ برٹش ایسوسی ایشن[2] ہے۔ جو ہر سال برطانیہ اور اس کے علاقوں میں اپنے اجلاس کرتی رہتی ہے۔ آپ کیا رائے دیں گے؟ (بطور جملہ معترضہ مجھے اس سے مسرت ہو رہی ہے کہ اب آپکو اس کا موقع حاصل ہے کہ جس "اجتماع" کو ہمارے قدیم دوست آفتاب[3] بار دچودہ سال سے برابر ہانکے چلے آتے ہیں۔ اب اُسے صحیح[4] معنی میں کانفرنس بنانے میں مدد دے سکیں گے لیکن آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ آپ

---

[1] اب تبلیغ دین کھلم کھلا ہو رہی ہے ؛

[2] برطانیہ میں سائنس کی ممتاز ترین علمی مجلس ؛

[3] یعنی صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم سیکرٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ مولانا کے اور ان کے ساتھیوں میں بڑا اختلاف تھا اور برابر چشمک چلے جاتی تھی ؛

[4] صاحبزادہ صاحب نے مجھے بطور لٹریری اسسٹنٹ کے رکھا ہے۔ میرا تقرر اتفاق سے کانفرنس کے دفتر ہی میں ہوا ؛

"اجتماع" پر اعتماد کریں اور احتیاط سے بھی کام لیتے رہیں۔ نہ یہ کہ ان کی طرح اس سے بے اعتمادی قائم رکھیں اور اس سے خوف کھاتے رہیں؛

۴۔ قیادت

آپ کے فحوائے کلام سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ قیادت جس کا نام ہے۔ وہ محض ایک تسلسل ہے۔ چالبازیوں اور فریب کاریوں کا۔ احمق عوام الناس کے احمق بنائے جاتے رہنے کا۔ سکیلین اور ٹک کی طرح شعبدہ بازیوں کا محض ایک طلسم ہے مایا کا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ لفظوں میں کھل کر نہیں کہا ہے بلکہ کہیں کہیں تو آپ نے قیادت صادقہ اور قیادت کاذبہ کا امتیاز بھی قائم کیا ہے۔ لیکن نفسیات کے اندر صدق وکذب کا فرق ہے بھی؛ نفسیات کے نقطۂ نظر سے تو جو کچھ بھی ہے حقیقت ہی ہے۔ لیکن محرکاتِ عمل ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں اور اخلاقی حیثیت سے بعض قابل ستائش ٹھہریں گے اور بعض قابل مذمت۔ مجھے توقع تھی کہ آپ مختلف انواع کے قائدین کے اعمال۔ خیالات وجذبات پر تفصیلی بحث کریں گے اور فرق دکھائیں گے کہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عمداً دوسروں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں اور کچھ ایسے۔ جو غیر ارادی فریب دہی سے قبل خود ہی اس کا شکار ہو چکتے ہیں۔ اور پھر کچھ ایسے بھی جو پہلے تو ارادۃً دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ خود فریب نفس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ بہت ہی سرسری ہے اور اتنا مجمل ہے کہ مطالعہ نفسیات میں مدد نہیں مل سکتی ؎

۵ - نظائر

مثالیں اور نظیریں - جیسا میں پہلے کہہ آیا ہوں - میری رائے ناقص میں کافی تعداد میں موجود نہیں ہیں اس کے علاوہ اُن کی تقسیم بھی نامساوی و نامتناسب ہے - شبلی مرحوم کا ندوہ والا واقعہ اور کلکتہ کے بدمعاشوں کے ہاتھ سے دو عیسائی مبلغوں کا پٹنا - یہ چیزیں اس قابل نہ تھیں - کہ انہیں ایسی کتاب میں بطور مثال درج کیا جائے - جس میں آپ نے کثرت سے اہم تاریخی واقعات بیان کئے ہیں جو ناظرین کے لئے عموماً مشہور و معلوم ہیں ؎

۵ - پیغمبر خدا کا ذکر

میری تنقید کا آخری عنوان آپ کے اِن تذکروں سے متعلق ہے جو آپ نے پیغمبر خدا اور قرآن مجید کی تمثیل لاتے وقت کیا ہے - میرا خیال ہے - کہ آپ سچے اور حقیقی مسلمان ہیں - اِس بنا پر مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ نے ایسی مقدس شخصیت اور ایسی مقدس آسمانی کتاب کا ذکر کس ہلکے پن سے کیا ہے - کیا یہ آورد و تصنع اپنی "ناطرفداری" اور "خالص علمی تحقیق" کے اظہار کے لئے ہے یا کیا ؟ یہ سوال میں ایک نقاد نفسیات کی حیثیت سے نہیں کر رہا ہوں جو ایک مسلمان مصنف سے کتاب اللہ و رسول اللہؐ کے تذکرہ کے وقت ادب و احترام کی توقع رکھتا ہے - میں اس سے بے شبہ خوش ہوا کہ آپ نے محض دنیوی قائدین کی مثالیں دینے پر اکتفا نہ کیا - بلکہ ہمارے اولوالعزم نبی محترم کی شخصیت

سے بھی قیادت اور نفسیات قیادت کی مثال ہی کام لیا۔ لیکن آپ کے لب ولہجہ میں تو صاف عیسائی مشنریوں کی بو آ رہی ہے جو یہ دکھانا چاہتے ہیں یا کم از کم پڑھنے والے کے ذہن کو اس جانب منتقل کر دیتے ہیں کہ محمدؐ (جن کے دین پر میں اور میرا سارا کنبہ قربان ہو) نعوذ باللہ ایک پیغمبر کاذب یا محض لسان تھے بلکہ آپ تو یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ قریش اور یہود جو رسول اللہ کے گرد محض ان کی اہانت و تحقیر کی غرض سے جمع ہوتے تھے اور ان کی بدتمیزیوں پر قرآن مجید میں احکام صادر ہوئے ہیں۔ آپ نے اُن احکام پر نقد شروع کر دیا ہے۔ اگر آپ کوئی سی بھی سیرۃ اٹھا کر دیکھ لیتے تو آپ کو رسول اللہؐ کے حضور میں ادب سے گفتگو کرنے کی آیات کی شان نزول مل جاتی۔ اسی طرح سعد بن عبادہؓ کا بھی وہ واقعہ کہ تقسیم غنیمت کے سلسلے میں جب انصار کو مہاجرین سے شکایت پیدا ہوئی اور سعدؓ نے رسول اللہ کے سامنے انصار کے جذبات کی ترجمانی کی اور رسول اللہؐ نے اُس وقت تقریر فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کو بھی توڑ مروڑ ڈالا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں رسول اللہؐ کی یہ تقریر محض لفاظی اور شعبدہ بازی تھی؟ مجھے اُمید نہیں کہ آپ کا ایسا خیال ہو لیکن آپکا لہجۂ تحریر یقیناً اسی خیال کا اظہار کر رہا ہے۔ آپکی بحث قیادت پر مجموعی حیثیت سے مجھے یہ کہنا ہے کہ بہتر ہوگا اگر آپ نے قیادت کے اصلاحی پہلو کو صفات قیادت سے الگ رکھا ہوتا۔ پبلک زندگی میں کم و بیش ہم سب کچھ نہ کچھ تصنع سے کام لیتے ہیں۔ بناوٹ ہم سب میں ہے۔

اسی لئے ہمارے خدمتگار اور ان سے بڑھ کر ہماری بیویاں، ہمارے دھوکے میں نہیں آتیں۔ لیکن ہمارے پیغمبر نے اپنی عمر کے پورے ۴۰ سال مکے والوں کے درمیان ایک عام انسان کی حیثیت سے گذارے اور اس طویل مدت میں انہیں ان کی صداقت کے جانچنے کے ہر طرح کے موقعے حاصل رہے۔ جب ۴۰ برس کے بعد انہیں "امین" کا لقب حاصل ہو گیا اور اپنے مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے تیار ہو چکے۔ جب جا کر اُن پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جب بھی اُنہوں نے اُسے قبول کیونکر کیا؟ غم کے ساتھ ڈرتے ہوئے۔ جھجکتے ہوئے۔ اور سب سے پہلے ایمان اُن پر کون لایا؟ سب سے پہلے ان کی چہیتی بیوی۔ پھر کمسن چچا زاد بھائی۔ پھر اُن کا عزیز ترین و قدیم ترین دوست۔ فریب باہر والوں کو دیا جا سکتا ہے اور تصنع اور ابن الوقتی سے اُن کے سامنے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ حال تھا کہ تصدیق کرنے والے اور تسلی دینے والے وہی تھے جو خلوت کے محرمانِ راز تھے۔ کم از کم یہ ہستی تو چالبازیوں سے بالاتر تھی۔ یہی صحیح ہے کہ خدا نے اس کے سامنے سب کو خاموش رہنے یا مودب گفتگو کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ اس رعب و سطوت، و جاہ کے قیام کے لئے نہ تھا[1]۔ جس کی دھن میں مٹھی بھر پردیسی لاکھوں کروڑوں پر حکومت

[1] بد قسمتی سے مولانا کی تنقید کا یہ حصہ تمام تر صحیح ہے۔ میں زندگی کے اس دور میں فرنگی محققین کا ہم عقیدہ و ہم زبان تھا۔

کرنے کیلئے لگے رہتے ہیں جو اس جاہ و اقتدار کے بھوکے ہیں وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کبھی اعتراف نہیں کرتے۔ لیکن قرآن تو ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ جن میں پیغمبرؐ کو کہیں تو تنبیہہ ہے۔ کہ دیکھو فلاں غلطی نہ کر بیٹھنا۔ جس کے بہت قریب پہنچ گئے ہو اور کہیں یہ فہمائش ہے کہ فلاں بات جو کر چکے ہو۔ خبردار آئندہ نہ ہونے پائے۔ ہر مفسر و تفسیر دان آپ کو بتا سکتا ہے۔ کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے جن بعض افعال سے قرآن میں اپنی جس ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اس کے لئے خاص اصطلاح ہے یا پھر جب پیغمبرؐ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا ہے اور سورج بھی گہن اسی وقت پڑا ہے اور عرب کے لوگ گرہن کو اسی سانحہ ہی کا نتیجہ قرار دینے لگے۔ تو اس موقع پر کوئی جاہ پسند شخص ہوتا تو اس حسن اتفاق سے کیا کچھ فائدہ اٹھاتا۔ لیکن قرآن جو وہم پرستیوں کا خاتمہ کرنے آیا تھا۔ اس نے اس موقع پر بھی اپنا فریضہ خاص طور پہ ادا کیا۔ ایک طرف زرادیلز کے مدعی تقدس آویں۔ گنڈودرس کا یہ دعویٰ ملحوظ خاطر رہے کہ میری پیدائش کے وقت آسمان گرجا اور دوسری طرف قرآن کو دیکھئے۔ کہ اس تعلیم کے اوہام کو کس کس طرح ہٹایا ہے۔ آوین گنڈودرس کو بالآخر یورپ ہی میں جواب یہ ملا تھا۔ کہ یہ تو سبھی کرتے ک اور گرج تو اس موسم میں اس وقت بھی ہوتی ہے۔ جب کوئی بلی بچہ جنتی ہوتی اور وہ خود بخود پیدا ہوتا نہ ہوتا۔ لیکن ادھر دیکھیے۔ اللہ نے خود پیغمبرؐ کی زبان سے اس خیال

باطل کو جو طبعاً شدت کے ساتھ ہو گیا تھا - یوں دُور کرایا کہ آفتاب اور ماہتاب میں گرہن اپنے اپنے مناسب موسم میں پڑا کرتے ہیں - انہیں انسانوں کی شادی اور غمی سے کوئی واسطہ نہیں" ایک اور مثال لیجئے - صحابہ کے خیال میں یہ جما ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا - اِس عقیدے پر وہ مضطر و مجبور تھے - اور جب آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو جن کا ایمان سب سے زیادہ قوی اور مستحکم تھا - وہ فرطِ صدمہ سے دنگ اور ششدر رہ گئے - انہیں خیال بھی نہیں آتا تھا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آئیگا - جب پیغمبرؐ خدا اس دُنیا میں موجود نہ ہوں گے - جن کا ایمان اس درجہ کا نہ تھا یا جن کی عقلوں پر عقیدت مندی غالب تھی - ان کا تو ایمان ہی متزلزل ہو چلا - عمرؓ نے خود اس درجہ متاثر ہوئے کہ جہاں ایک سردارِ اعظم اور عملی انسان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے ان لوگوں کی روک تھام کی فوری ضرورت محسوس کی - وہاں کوئی عملی تدبیر سوا اس تخویف کے ان کے ذہن میں نہ آئی - کہ "خبردار" اگر کسی نے پیغمبرؐ خدا کو متوفی کہا تو اس کا سر اُڑا دُوں گا"! عین اس وقت وہ شخص جسے بجا طور پر صدیق کا لقب ملا تھا - اُٹھا اور اس نے تسلی دلاسا دے کر لوگوں کو مطمئن کیا - لیکن یہ کیونکر؟ محض ان آیات قرآنی کو سُنا کر جنہیں خود حضرت محمدؐ (میری ماں اور باپ اور اولاد سب اُن پر قربان) نے دنیا تک پہنچایا تھا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل، افان مات او قتل انقلبتم

علیٰ اعقابکم ۔ (اور محمد کیا ہیں بجز ایک رسول کے ان سے قبل اور بھی رسول ہو گذرے ہیں ۔ اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر (کفر کی طرف) واپس چلے جاؤ گے ؟)

حضرت ابوبکرؓ نے بالکل صحیح طور پر حضرت عمرؓ کو ٹوکا ۔ محمد کی وفات ہو چکی تھی ۔ لیکن رب محمدؐ کی وفات نہیں ہوئی تھی اور وہ حی و قیوم زندہ تھا ۔ یہ تھا اس انسان کی ساری زندگی کا حاصل وعظ جس نے کبھی اپنی عبدیت کے باب میں شک و شبہ بھی نہیں پیدا ہونے دیا ۔

"جاہ وسطوت" کا جو مفہوم آج شائع ہے وہ تو یہ ہے کہ نہ صرف فرمانروا معصوم ہے بلکہ حکام بھی اس معصومیت کے حصہ دار ہیں ، نہ صرف "قانون" ماورائے تنقید اور معصوم ہے ۔ (قانوناً تو قانون معصوم ہی ہے ۔ اس لئے کہ بادشاہ کوئی جرم نہیں کر سکتا ۔ قانوناً بادشاہ سے برتر کوئی قوت نہیں ۔ اس لئے بادشاہ کا جرم پیش کس کی عدالت میں ہو ؟) بلکہ اس قانون کے نافذ کرنے والے بھی امکانِ خطا سے ماوراء ہیں ۔ ہمارے نبی نے اِس عقیدے کو شرک قرار دیا ، جس سے دُنیا کو نجات دِلانے وہ مبعوث ہوئے تھے ۔۔ وہ خود معصوم بے شبہ تھے ۔ مگر اِس حیثیت سے کہ پیغمبر الٰہی تھے ۔ اور پیغامبر بھی اگر معاصی کا شکار ہو سکتا تو خود پیام کی صحت مشتبہ ہو جاتی ۔ لیکن آپ نے اس کی صاف تشریح کر دی ہے کہ جس وقت میں اپنے منصب رسالت سے الگ ہوں ۔ اس وقت میری تمہاری حیثیت یکساں ہے ۔

انتم اعلم بامور دنیا کم - یہ وہ الفاظ ہیں - جو آپ نے بحیثیت
ایک تجارت پیشہ بستی کے مدینہ کی زراعت پیشہ آبادی سے اسوقت
فرمائے - جب اُن لوگوں نے ایک فصل میں آپ کے مشورے کے بموجب
اور اپنے دیرینہ معمول کے خلاف اشجار خرما میں قلم نہیں لگائے تھے ٭

نیچے - یہ خط بہت زائد طویل ہو گیا اور یہ اس لئے ہوا کہ مجھے
خواہ غلط ہی سہی - یہ شبہ ہو گیا ہے کہ آپ نے دنیا کے مخلص ترین قائد
اعظم کی جانب چالاکی کا انتساب کیا ہے - اگر میرا یہ شبہ بیجا ہے -
تو آپ اِس طوالت بیان کو معاف کریں اور عبارات متعلقہ پر ایکبار
پھر غور کر لیں - جب کتاب کی طبع ثانی کی نوبت آنے لگے اور طبع ثانی
کی نوبت جلد ہی آنی چاہیئے اسوقت تک کیلئے میرا شکریہ قبول ہو - کہ
آپ نے ایسا تحفہ مجھے دیا - جس کے باعث مجھے بھی بہت کچھ غور کا
موقع مِل گیا - زیادہ آداب و تسلیمات -

آپکا مخلص - محمد علی

مکرر - آپ نے مجھے رائے دی کہ میں اِس جبریہ تعطیل کے زمانے
میں کوئی کتاب لکھنا شروع کر دوں اور مجھ سے اس کی توقع بھی کی جا
رہی ہے - اگر یہ صحیح ہے تو جن لوگوں نے مجھ سے یہ توقع قائم کی ہے -
وہ مجھ سے واقف نہیں ہیں - اوّلاً تو مجھ میں وہ صبر و تحمل اور استقلال

لہ میں نے رائے دی تھی کہ اس جبریہ فرصت کے زمانہ میں تاریخ پر کچھ لکھ ڈالئے

ہی نہیں ہے جو ایک عالم محقق میں ہونا چاہیئے۔ دوسرے جو کچھ علم و عقل رکھتا بھی ہوں۔ اس پر میرے جذبات کہیں زیادہ غالب ہیں۔ نہ ہی یہ جبرۃ فرصت، سو مجھے یہ فرصت ملنے ہی کیوں پاتی۔ اگر میرے جذبات اس قدر ضعیف ہوتے کہ جس وقت اغیار تاریخ سازی میں مصروف ہیں۔ میں تاریخ نویسی میں لگا رہتا۔ نہیں میرے عزیز دوست نہیں۔ میرا دماغ، میرا دل دونوں اس وقت جس عالم میں ہیں وہاں تصنیف و تالیف جیسی "تفریحات" کی گنجائش کہاں؟ البتہ کبھی کبھی دل کے ایما سے دماغ دو چار شعر موزوں کر لیتا ہے۔ اگر آپ کو اس کا ذوق ہو تو میں ایک آدھ غزل آپ کو بھیج سکتا ہوں۔ یہ وہ غزلیں ہیں جو ۱۵ مہینے کے زمانۂ فرصت میں مشغولیت میں مہلت کے لیے نکال نکال کر ضبطِ تحریر میں لا سکا ہوں۔ یہاں کے ایک حاکم صاحب نے بھی وہی رائے دی جو آپ نے پیش فرمائی یعنی تصنیف و تالیف۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت تو میرا موضوعِ تصنیف دو ہی چیزیں بن سکتی ہیں ایک "کربلا" دوسرے "قبل ہجرت" اپنے چند شعر اسی وقت پیش کیے دیتا ہوں۔ میری ترجمانی کسی قدر انہیں سے ہو سکے گی۔

(ترجمہ انگریزی)

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد — ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزہ ہے — قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہ قضا دیکھ
اللہ رے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا — اس سادگی پہ شوخیٔ خون شہدا دیکھ
ہے سنت ارباب وفا صبر و توکل — چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامان خدا دیکھ
تو طیرًا ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور — بیچارگی پہ اپنی نہ جا. شان خدا دیکھ

آساں نہ تھا تقرب شیریں تو کیا ہوا — تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہم تک جو دور جام پھر آئے تو کیا عجب — یہ بھی نہیں ہے گردش چرخ کہن سے دور

خوف غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوف خدا اور سہی
عہد اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو
تم وفادار ہو، تھوڑی سی وفا اور سہی

(۴۳)

چھندواڑہ - ۱۶؍ اگست سنہ ۱۶ء

مکرمی - السلام علیکم - عنایت نامہ مورخہ ۷؍ اگست چند روز روز ہوئے ملا - مجھے تو خوف تھا کہ کہیں آپ میری تنقید سے ناراض نہ ہو جائیں - مگر نیت بخیر تھی اور جانبین کو صرف اصلاح مطلوب تھی - نہ کہ افساد - اس لئے میرا خیال صحیح نکلا کہ آپ کو ایک سچی اور دردسوزی کی تنقید محض تقلیدی تعریف و توصیف سے زیادہ پسند ہوگی - عریضہ

ہی مفصل تھا۔ مگر پھر بھی اگر ہم دونوں ساتھ ہوتے تو جزئیات کے متعلق بھی بہت کچھ عرض کر سکتا۔ اِس زمانے میں استبداد اور استعباد سے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے دو لفظ گھڑ لئے ہیں (Constructive) اور (Destructive) (یا تعمیری و تخریبی) اور اس میں سے تو موخرالذکر کو تو ہر سچی تنقید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور مقدم الذکر کو اس عنقا صفت تنقید کے لئے سینت کر رکھ لیا ہے جو نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا نہ کبھی کانوں نے سُنا اور جو نہ کسی متنفس کے دِل و دماغ میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی جاگزین ہوا۔ حالانکہ اگر فن نقادی کو صحیح طور پر دیکھا جائے۔ تو اس کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ اس قصر سر بفلک کی تعمیر کے لئے جس کا نقشہ اس کے تصور میں ہوتا ہے (یا کہیں کہیں کسی شاعر یا فلسفی یا ادیب کے کلام میں بھی کوئی محراب یا گنبد نظر آجاتا ہے) زمین کو صاف کرے اور آس پاس کے بوسیدہ مکانات، بدنما جھونپڑے اور تنگ و تاریک بے قاعدہ گلیاں وہاں سے دُور کر دے۔ بہر حال تعمیر سے پہلے تخریب تھوڑی بہت کرنی ہی پڑتی ہے۔ اگر استبداد کے عام اعتراض میں کوئی اصلیت ہے تو محض اس قدر کہ تخریب کی غرض سے نہ ہو۔ بلکہ تعمیر کا پیش خیمہ ہو۔۔ سو میں نے جو کچھ بھی لکھا۔ اس غرض سے لکھا تھا کہ جب کبھی نظر ثانی کا موقع آئے تو آخری فیصلہ کرتے وقت میرے پراگندہ خیالات میں سے جو ضروری اور مفید معلوم ہوں پیش نظر رکھے جائیں ؎

پیغمبر اسلام (روحی فداک یا رسول اللہ) کے متعلق ظاہر ہے۔ کہ آپ ان کو اتنا بڑا پیشوا مانتے ہیں اور کتاب کے ہر پڑھنے والے سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ جتنا کہ کوئی اور پیشوا ہو گذرا ہو۔ جس کی نظیر کتاب میں ہے۔ ورنہ ایک مسلمان کو کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ جہاں نپولین وغیرہ کا موازنہ کیا جاتا ہو۔ وہاں ذکر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا جائے۔ آجکل کی سیاست بین الاقوامی کی اصطلاح میں آپ کا غیر طرفدار رہنا بھی ایک ایسی کتاب کے لکھنے میں جسے ہر مذہب وملت والا پڑھے۔ قرین مصلحت تھا۔ میں نے اِس خیال (Conception) پر ہرگز اعتراض نہیں کیا ہے۔ اگر اعتراض ہے۔ تو محض طرز عمل (Execution) پر۔ اب چونکہ خود آپ کی تحریر سے واضح ہو گیا کہ آپ وہی چاہتے ہیں جو میں سمجھتا تھا کہ آپ چاہتے ہوں گے۔ اِس لئے میری تنقید کی نوعیت بھی واضح تر ہو گئی اور وہ ابھی باقی ہے۔ یعنی ایک عام پڑھنے والے پر آپ کے الفاظ اور جملوں کی اور نیز اُن موقعوں کا جن پر تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا گیا ہے ایک حد تک ضرور یہ اثر پڑتا ہے۔ کہ وہ بار بار غور کرے کہ کہیں کہ آنحضرت صلعم کو مارگولیتھ (یہ میری بدنصیبی تھی کہ آکسفورڈ میں جب میرا ارادہ تحقیق (Research) کی ڈگری لینے کا تھا تو یہ میرے رہنما مقرر کئے گئے تھے۔ اِس کے علاوہ پیشتر بھی کچھ عربی ان سے پڑھی تھی) وغیرہ کی طرح ایک چلتا ہوا لیڈر تو ثابت نہیں کرنا چاہتے۔

چونکہ یہ نہ آپ کا مفہوم ہو سکتا تھا نہ ہے اس لئے میری توقع بیجا نہیں کہ آپ اپنی تصنیف کو ایک بار اس شبہ کو دل میں جگہ دیکر پڑھیں کہ مصنف کوئی غیر مذہب والا ہے جو مسلمانوں کو یا کم از کم غیر مسلموں کو ضلالت کی طرف آہستہ آہستہ لے جانا چاہتا ہے۔ تا کہ وہ عظمت جو ایک وحی پانے والے رسولؐ کی اسکے دل میں ہو وہ دُور ہو جائے اور اس طرح دُور ہو کر خود پڑھنے والوں کو بھی اس تبدیلی خیالات کا احساس نہ ہونے پائے۔ اور اسی لئے بہ طور ایک نعم البدل کے خلعت نبوت اُتار کر ڈیڑھ ری کی گون Gown پہنادی۔ یہ ہرگز آپ کا خیال نہ تھا نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ مگر جس طرح حساب میں بچے اپنے سوالات کے جوابات کی جانچ کرتے ہیں کہ تقسیم کا ہے تو ضرب دے کر دیکھتے ہیں اور تفریق کا ہے تو جمع کر کے۔ اسی طرح ایک پڑھنے والے کے جذبات اور اس کے دل پر جو اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس سلسلۂ تاثر کو اُلٹ دیا جائے اور تنقید کہ ایک نقاد پیش کرتا ہو اس کو صحیح تسلیم کر کے اور جو اثر کہ آخر کار پڑھنے والوں کے دل پر یہ قول اسکے پڑنا ممکن یا اغلب ہو اُسے قبول کر کے پھر کتاب کو پڑھا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ جو نقوش پڑھنے سے پیشتر ہی دل پر نقش ہو گئے تھے باقی رہتے ہیں یا مٹتے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب گھڑی ساز گھڑی کے کسی ٹوٹے ہوئے پُرزے کو سنبھالنا چاہتا ہے تو خوردبینی شیشہ لگا لیتا

ہے ۔جس سے نقص اصلیت سے کہیں بڑا معلوم ہوتا ہے ۔ یہ اس غرض سے کہ باریک سے باریک نقص بھی صاف نظر آئے اور اصلاح کی جا سکے ۔ اچھے سے اچھا نقاد بھی اکثر اس غرض سے مبالغہ سے کام لیتا ہے اور عوام سے کہیں زیادہ اسے 'لطیف' اور 'باریک بین' بننا پڑتا ہے ۔ چونکہ غرض اصلاح ہے نہ کہ افساد ۔ اس لئے یہ بال کی کھال نکالنا اس کے لئے جائز ہی نہیں سمجھنا چاہیئے ۔ بلکہ اس کے لئے اصرار کرنا چاہیئے ۔ اسی وجہ سے میں نے بھی اس تنقید میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور مصر ہوں کہ آپ خود اس سے بھی زیادہ مبالغے سے کام لیں ۔ جوہری جب نگینہ تراشی میں مصروف ہوتا ہے تو زیادہ وقت اس کا اس تراش خراش میں صرف نہیں ہوتا جو عوام کو نظر آ سکے ۔ بلکہ ایسی باریک اصلاح میں جس کا نظر آنا تقریباً ناممکن ہے اور جو کچھ وہ گھنٹوں کی محنت میں تراشتا ہے وہ نہایت باریک خاک کے چند ذرے ہوتے ہیں جو تراشتے تراشتے ہی ہوا لے اُڑتی ہے ۔ مصنف کسی طرح جوہر فروش سے کم نہیں اور اس سے زیادہ باریک بین نقاد اس کی تصنیف کا اور کوئی نہ ہونا چاہیئے ؎

"فلسفہ اجتماع" کب تیار ہوئی ۔ افسوس ہے کہ انجمن ترقی اُردو

ؔ میری دوسری کتاب کا نام ۔ اسی انگریزی لیڈرشپ ہی کا گویا اُردو ایڈیشن تھا ۔ زیادہ مفصل و مطوّل ؎

اپنی طرف سے شائع کردہ کتابوں کا کافی اشتہار نہیں دیتی۔ اُسے چاہیئے کہ اگر کسی کتاب پر ایک ہزار روپیہ صرف کرے تو کم از کم ۲۵۰ اس کے متعلق اشتہاروں پر بھی صرف کرے۔ اخبار والے اس کے ساتھ ضرور رعایت کریں گے۔ میں نے خود ہمدرد میں یہی کیا تھا۔ مگر خود انجمن کے کارکن اس معاملے میں تساہل برتتے تھے۔ آپ بیسویں صدی کی اس ضرورت اور (Psychology of The Advertisers) پر عبدالحق صاحب کو ضرور لکھیے۔

نفسیات القرآن[1] پر آپ نے جو لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس کے متعلق کیا پوچھ سکتا ہوں کہ کام کا نقشہ اور تخمینہ (با صلاح تعمیرات) کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی ریڈیکل کے جسم میں ایک مذہبی دقیانوسی کی روح رکھنے والا سمجھیں گے اگر میں عرض کروں کہ بقول حالی ع

یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے

جو کچھ بھی لکھا جائے۔ وہ سمجھ کر کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ محاورہ

---

[1] اس وقت انگریزی میں "سائیکالوجی آف دی قرآن" پر لکھنے کا ارادہ تھا۔ اسی ملحدانہ رنگ میں۔ بحمد اللہ کہ یہ ارادہ اس وقت محض ارادہ ہی کی حد تک رہا۔ محمد علی اس وقت بظاہر انگریزیت میں بالکل ڈوبے ہوئے ہیں لیکن دل و دماغ کے ریشہ ریشہ میں اللہ اکبر کس درجہ کی اسلامیت چھپی ہوئی ہے!

انسانی ہے مگر اس کی تمام (PSYCHOLOGY) خلاق زمین
و آسمان کی ہے۔ غالباً آپ نفسیات القرآن سے یہ ثابت کرنا چاہیں
کہ بڑے سے بڑا (PSYCHOLOGIST) بھی انسانی نفسیات کے
اسرار و نکات سے نہ واقف ہو سکتا ہے نہ اُن کے اظہار کے لئے
الفاظ اور نہ ترکیبیں اور فقرے کسی زبان میں پا سکتا ہے۔ جس طرح خود
اس ذات پاک نے قرآن کریم میں ظاہر فرما دیا ہے۔ جو عالم الغیب
والشہادۃ اور انسان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے
تو میدان نہایت وسیع ہے مگر رہرو کو ہر قدم پھونک پھونک کر اُٹھانا
پڑتا ہے۔ میں ہرگز ان لوگوں کے طرفداروں میں نہیں ہوں جو کلام ربانی
سے اس قدر خائف ہو جائیں کہ نہ اُسے کبھی سمجھ کر پڑھنے کی کوشش
کریں۔ نہ اس کے متعلق کچھ سوچیں نہ پوچھیں گچھیں۔ کلام پاک
ریشم کے جزدانوں اور الماری کے بالاترین حصوں اور وہاں کے گرد
و غبار کے لئے آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ
قرآن پاک کا ہر ایک نسخہ اس کثرت سے مستعمل ہو کہ پنسل کے نشان کاغذ
کی پٹیاں بین الاوراق یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے نشان ہر
جگہ نظر آئیں اور ثابت کر دیں کہ اس کتاب سے زیادہ اس کے ماننے
والے کسی کتاب کو نہیں پڑھتے۔ نہ اس سے زیادہ کسی کتاب کے چھپنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ مگر مجھے اُن لوگوں سے ہمدردی ضرور ہے جو
قرآن کو نہایت احتیاط و اہتمام کے ساتھ چھوتے ہیں۔ گو برس دو

برس میں ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو۔ یہ اُم الکتاب ہے اور اس کا ادب باقی رکھنا اس لئے لازم ہے کہ اگر اتنی احتیاط نہ برتی جائے تو تحریف کا اندیشہ ہے۔ اند تمام صحف ماقبل اس خطرے کے بچا نہ ہونے کا کافی سے زیادہ اور سخت دلخراش ثبوت ہیں۔ اس لئے ایک صاحب نے جب ایک ترجمہ بلا متن میرے پاس ریویو کے لئے بھیجا تو میں نے انہیں اطلاع دیدی کہ مجھے ایندھن کی آج ضرورت نہیں ہے۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ بات مایۂ ناز نہیں کہ تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ مگر مسلمانوں نے اس ام الکتاب کو اس احتیاط سے رکھا۔ کہ آج تک ایک لفظ یا حرف تو کجا زیر و زبر کا بھی فرق نہیں ہونے پایا اور تمام فرقے اس پر اتفاق کلی کرتے ہیں۔ قرآن پاک تو قرآن پاک دوسرے صحائف ہمارے کتب حدیث کی تحقیق و تدقیق از صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قصہ مختصر مجھے اُمید ہے کہ جو کچھ بھی آپ لکھیں گے۔ آداب قرآن کو ہر طرح ملحوظ رکھیں گے۔ مگر لکھئے ضرور۔ اس سے ہرگز نہ خائف ہوجئے۔ یہ تو ایسی سیدھی سادی کتاب غیر ذی عوج ہے کہ عرب کے گنوار مدینہ منورہ جاتے اور نبی اکرمؐ سے اسے سنتے اور ہم سے کہیں زیادہ سچے اور پکے مسلمان بن کر اپنے بالوں والے خیموں اور اپنے ریگستان اور اپنے گلوں میں واپس آجاتے۔ مفسرین کا جہاں شکریہ ادا کرنا ہے۔ وہاں یہ شکایت بھی باقی ہے کہ باوجود سچی محبت و احترام کے انہوں نے بھی ایک حساب سے

ادب قرآن پاک قائم نہ رکھا۔ جو کچھ لکھا وہ زیادہ تر اس نیت سے کہ اپنا کمال تمام اس صحیفۂ اکرم پر صرف کر دیں۔ مگر بعض اوقات یہ بھول گئے کہ کہیں حاشیہ متن کو اپنے بوجھ اور پھیلاؤ سے چھپا اور دبا نہ لے۔ یہی حال شیکسپیئر کے جرمن شرحین کا ہے۔ ان کا ساری دنیا پر احسان ضرور ہے کہ شیکسپیئر کو خود اس کے ہم وطنوں کے تغافل سے نجات دی۔ مگر اب تو بعض نے شیکسپیئر کو محض اپنی مضمون آفرینی کا آلہ بنا لیا ہے۔ خدا مسلمانوں کو قرآن پاک کے متعلق اس شر سے بچائے۔ آمین!

آپ میری شاعری کا کیا پوچھتے ہیں۔ بچپن میں تو بہت سے سامان ایسے بہم ہو گئے تھے کہ میں اسوقت زلف و ابرو کی تعریف میں خاصے شعر نکال لیا کرتا۔ رامپور میں اس زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ جب گھر گھر مشاعرہ ہوتا تھا۔ داغ۔ امیر۔ تسلیم۔ عروج۔ دہلی اور لکھنو کے آسمان کے ٹوٹے ہوئے ستارے سب رامپور کے آسمان سے نور افشانی کر رہے تھے۔ خود میرے خاندان میں بھی شعر گوئی کا ذوق ہوا۔ تین چار عزیز استاد داغ کے شاگرد ہوئے۔ جن میں ایک میرے حقیقی بھائی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر اور میرے چچا زاد بھائی اور خسر عظمت علی خاں اور اُن کے بھائی حافظ احمد علی خاں صاحب شوق شامل تھے۔ گھر پہ بارہا مشاعرہ ہوا۔ پھر داغ کو نواب کلب علیخان صاحب مرحوم نے جن کی نظر ہمیشہ کفایت شعاری پہ رہتی تھی ازراہ

پرورشس سرکاری اصطبل کا داروغہ بھی کر دیا تھا۔ تاکہ وظیفہ محض "کارِ بے کاران" کی نذر نہ ہو۔ یہ میرے مکان کے عقب میں تھا۔ اِس لئے روز ان کی زیارت یونہی ہو جاتی تھی اور اب اس بذلہ سنج کے شعر کا لطف اُٹھاتا ہوں۔ جس نے داغ کے اِس تقرر پہ کہا تھا۔ ممکن ہے کہ تاریخ بھی نکلتی ہو ؎

آیا دلی سے ایک مشکی خر — آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا[1]

داغ کی غزل یاد کیجئے ؎

آج رخصت جہاں سے داغ ہوا — خانۂ عشق بے چراغ ہوا

اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار علی روزانہ داغ کے گھر جاتے تھے۔ جو ہمارے مکان سے دُور نہ تھا اور مجھے بھی لے جاتے تھے۔ داغ نے پہلے دن پوچھا کہو کچھ شعر بھی یاد ہیں۔ میری عمر بہت کم تھی۔ مگر بھائی نے کچھ شعر یاد کرا دیئے تھے۔ جنہیں میں نہایت شان اور زور سے کڑک کر پڑھا کرتا تھا۔ میں نے داغ ہی کے چند شعر انہیں سُنا دیئے۔ سُن کر پھڑک گئے اور اس کے بعد ہمیشہ اصرار رہا کہ اِس بچے کو ضرور لایا کرو۔ جناب والا اِس کے بعد اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر میرا دعویٰ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ سنیئے میں نہ صرف شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں

---

[1] جناب داغ سیاہ فام تھے ۔

بلکہ اس کی توند پر کودا ہوں۔ اس کو ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں۔ غرض کوئی بے ادبی و گستاخی باقی نہیں رہی ہے۔ جو میں نے شعر و سخن کی شان میں نہ کی ہو۔ میری پیدائش ۱۸۶۹ء کے اواخر کی ہے میں نے دس برس ہی کی عمر میں بہت لغو و فضول شعر مگر بامعنی اور موزوں کہے تھے اور اچھا ہوا کہ اب وہ کسی کو یاد نہیں۔ ورنہ جب میری (یعنی گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ بقول آپ کے میری امت کی طرف سے) لکھنے کا وقت آتا تو میرے سیرت نگار کو سخت مشکل کا سامنا ہوتا۔ اس لچر پوچ کو ردی دان بلکہ آتش دان کے نذر کیا جاتے یا سیرت پیشوائے قوم و ملک میں جگہ دی جاتی۔ ہمدرد؎ کے سنسر نے (جن کا چند ماہ کے بعد ہی یکایک انتقال ہو گیا) تو ہمدرد میں سے ایک بار چڑیا چڑے کی کہانی کو بھی (جو محض امتحاناً درج کی گئی تھی) خارج کر دیا تھا اور اعتراض کیا گیا تو کہا کہ "بھائی ہے تو چڑیا چڑے ہی کی کہانی۔ مطلب بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے مگر ہمدرد والوں سے ڈر ہی لگتا ہے اور روئی کا معاملہ ہے۔ نہ معلوم اس میں کچھ زہر بھر دیا ہو اور جواب وہی ہمارے سر آ پڑے" آپ نفسیات کے ماہر ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ میرا پوجنے والا سیرت نگار باوجود نقاد سخت ہونے کے محض بطل پرستی

؎ ہمدرد پر کچھ روز تک سنسر بھی رہا تھا۔ کوئی مضمون بغیر سنسر کی منظوری کے نہیں چھپ سکتا تھا۔

کے باعث یہ خیال کرنے لگتا کہ نہ معلوم کیا کیا اسرار اس بہ ظاہر لچر پوچ میں پوشیدہ ہیں اور آنے والی نسلیں ممکن ہے اس سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہوں اور ان اسرار سے واقف ہو کر دنیا کو نئی نئی معلومات اور عجیب عجیب انکشافات سے مالا مال کردیں؟ اس لئے بہتر ہے۔ کہ انہیں داخل ہی کردو اور اسی طرح ہمیشہ کے لئے میری لچر گوئی باقی رہتی اور قیامت کے دن استاد داغ میرا دامن پکڑتے کہ خود بھی بدنام ہوئے اور ہمیں بھی بدنام کیا۔ خیر اب سنیئے۔ گیارہ برس کی عمر میں علی گڈھ گیا۔ ایک بڑے بھائی نے میری موزوں گوئی کا ذکر مولانا شبلی مرحوم سے کیا۔ دوسرے نے میرے حافظے کی تعریف کی کہ المامون میز پر رکھی تھی۔ اُٹھا کر پڑھنے لگا اور دو دن میں نے ابن کے قتل پر جو مرثیہ ہے اس کا ایک شعر عربی کا پڑھا تو اس کا مجھے ترجمہ سُنا دیا۔ حالانکہ عربی سے بالکل ناواقف ہے۔ مولانا کو یقین نہ آیا۔ اور امتحان کی غرض سے ہم بلائے گئے۔ پہلے مامون کی اولاد کی فہرست مانگی۔ پھر اسکا حلیہ پُوچھا۔ جب اس میں پاس ہو گئے تو ایک مصرعہ طرح اسی وقت دیا اور کہا کہ شعر لکھو۔ چیزے از قسم لچر پوچ اسی وقت تیار ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ مولانا مرحوم پر تو جو سکہ بیٹھ گیا تھا۔ وہ اسی لچر پوچ کا تھا۔ میں اسکول ہی میں تھا۔ کہ ایک نظم انعامی میں نے لکھی اور مولانا حکم ٹھہرے۔ انعام تو ایک کہنہ مشق بزرگ کو ملا۔ مگر ہماری لچر گوئی کا بھی خاصہ شہرہ ہوا ؎

اکثر ایسا ہوا کہ ذوالفقار بھائی نے کوئی نظم لکھ دی اور ہم نے اپنی طرف سے پڑھ دی۔ مگر جب عمر ذرا زیادہ ہوئی۔ تو امتحانوں نے فرصت نہ دی۔ کالج میں البتہ آخری سال سجاد حیدر کی صحبت میں شعر و سخن کا چرچا رہا۔ پہلے بھی جب ہم لوگ انٹرنس میں تھے تو ایک نظم میں شعرائے باکمال نے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب (تربیت الدجاج اور "ٹونیں جیک" والے) کی دعوت کے شکریہ میں تیار کی تھی۔ ان میں سے ایک یہ خاکسار تھا۔ ایک سجاد حیدر صاحب اور ایک سید وزیر حسن صاحب تازہ آنریبل و آزمودہ کار سکرٹری مسلم لیگ کے برادر[1] اصغر خیر ایک سال آخری کالج میں خوب گذر گیا اور وہ مشاعرہ جسے بعدہٗ حسرت[2] نے رونق بخشی۔ ہم لوگوں ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ چودھویں کو پیش ہوا کرتا تھا اور شمع پیش نہ کی جاتی تھی۔ کرکٹ کا (Lawn) جائے مشاعرہ تھا۔ ایک چودھویں کو بارش ہو گئی تو تین چار دن مطلع صاف ہونے کی راہ دیکھ کر (Dining Hall) میں کیا گیا۔ اس وقت میں نے اپنی ایک غیر طرح میں اس شعر کا بھی اضافہ کر دیا ؎

فرش زمردیں نہیں وہ چاندنی نہیں — لطف مشاعرہ تو گیا چودھویں کیساتھ

---

[1] سید اصغر حسین صاحب بی اے (علیگ) مشن جج سے پنشن پائی۔ سید وزیر حسن اودھ چیف کورٹ کی چیف ججی تک ترقی پائی۔ اب سر وزیر حسن ہیں۔

[2] یعنی مشہور شاعر حسرت موہانی۔

علی گڑھ کالج میں شاعری تو کچھ کی۔ مگر وہی فرضی معشوق۔ اگر کچھ اصلیت تھی بھی تو اتنی ہی جتنی ایران کی شاعری کو اور "سبزہ خط" وغیرہ کو ایک حد تک بامعنی کر دیتی ہے۔ کالج چھوڑا تو ولایت جاتا ہوا یہاں البتہ شاہدانِ اصلی کی کمی نہ تھی مگر ذوق نظارۂ جمال لاکھ سہی اور گرہ میں مال بھی سہی۔ تاہم طبیعت کا میلان خلاف دستورِ عام زہد و تقویٰ کی طرف تھا۔ دو برس کے قریب تو ہندوستان کے کچے دھاگے نے باندھے رکھا۔ دو برس کسی اور کے خیال نے۔ مگر یہ آخری خیال باعصمت تھا اور محض حالات گرد و پیش اس کے محرک تھے۔ جب ان سب تجربوں کے بعد "کپڑے بچائے گھر کو آئے" تو تاہل کی زندگی بال بچوں کے خیال نے شاعری سے مستغنی نہیں تو غافل ضرور کر دیا۔ گذشتہ چند سالوں میں اگر کچھ ترشح شاعری کا ہوا تو وہی قومی مرثیہ۔ مگر زیادہ تر سہی۔ البتہ پچھلے دو تین برس میں عشق حقیقی رنگ لایا ہے اور تغزل کا زور ہے یہ اپنی تنگ آئی ہے کہ سوائے چار پانچ غزلوں کے اس فرصت کے زمانہ میں بھی کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کے لئے نہ بیٹھتا ہوں نہ کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب طبیعت پر خود ہی کسی بیرونی تحریک کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو بنہایت مجبوری کہہ لیتا ہوں اور یہی ایک ذریعہ (علاوہ تلاوت قرآن پاک کے) تسکین قلب کا رہ گیا ہے۔ چونکہ آپ کا اصرار ہے کہ پوری غزلیں لکھ کر بھیجو۔ اس لئے یہ لکھے بھیجتا ہوں (Touch Stone) کی معشوقہ سے زیادہ قابل قدر نہیں۔

اب رخصت ہوتا ہوں (A POOR THING BUT MINE OWN)
اور تضیع اوقات کی معافی کا خواستگار ہوں۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں
آداب۔ عزیزی مسعود کے رشتہ سے بھی میرا حق پہنچتا ہے والسلام

محمد علی

مکرر یہ کہ مجھے سخت تعجب ہوگا۔ اگر آپ صاحبزادہ صاحب کے
ساتھ نباہ کر سکے۔ ہمارا تجربہ مدتوں کا ہے۔ گو اوروں کے لئے اپنا
تجربہ اکثر بے سود ہوتا ہے ؂

تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی (غالب)
خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی
خوفِ غمازی عدالت کا خطر دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی
کشتہ کفر میں کعبے کو بھی شامل کر دو
سیر ظلمات کو تھوڑی سی فضا اور سہی
رب عزت کے لئے بھی کوئی پہنے دو خطاب
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی
عہدِ اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو
تم وفادار رہو تھوڑی سی وفا اور سہی
حکمِ حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم

مالک الملک پہ ایماں کی سزا اور سہی
جس نے ہنگامہ عدالت کا نہیں دیکھا ہے
اس گنہگار کو اک روزِ جزا اور سہی
بندگی میں نہیں تھکتے ہیں ڈیوڑھی بیٹھیں
چند دن کے لئے دوزخ کی ہوا اور سہی
دل و دیں جا ہی چکا جاں بھی جاتی ہے تو جائے
ترکشِ کفر میں اک تیرِ قضا اور سہی
ہم وفا کیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمعِ محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور (غالب)
یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
گر بوئے گل نہیں، نہ سہی۔ یادِ گل تو ہے
صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور
پاداشِ جرمِ عشق سے ہے کب تلک مفر
مانا کہ تم رہا کئے دار و رسن سے دور
کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش کفن سے دور

تقویٰ کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دُور

مستِ مئے الست کہاں اور ہوس کہاں
طرزِ وفائے غیر ہے اپنے چلن سے دُور

واعظ کا ارتداد، نہ میرا ہی ترکِ کفر
کچھ بھی نہیں ہے ساقیٔ توبہ شکن سے دُور

ہے بُعد کربلا سے بھی قُرب یزید بھی
اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنج تن سے دُور

اللہ رے نورِ چشم محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دُور

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا
تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دُور

مسلم اجل سے دُور نہیں روزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلھن سے دُور

منقارِ عندلیب کو صیاد نے سی چکا
مانا کہ گوشِ گل ہے لبِ نالہ زن سے دُور

یوں بچ سکو ہوا خندۂ حشر سے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دُور

مفتیٔ مفت خوار کو سب کچھ حلال ہے

بوئے شراب شرک ہو پھر کیوں دہن سے دُور
دستِ دراز کو تو سے آئے رندِ با صفا
رکھے خدا عمامۂ شیخ زمن سے دُور

ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دُور

ہیں اتنے لاف شوق پہ مرعوب حسن بھی
یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دُور؟

تم ہو نذرِ عشق، نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروّت اہلِ سخن سے دُور

تاویل بڑھ کے اقرب للکفر ہو گئی
کچھ بھی نہیں ہے شیخ ترے علم و فن سے دُور

تم سے بعید تھا۔ کہ بھلا دو، اگرچہ ہم
اک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دُور

شاید کہ آج حسرت جوہر نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دُور

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رُک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

غیروں کے ساتھ ہم سے الگ حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذر حیا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدہ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد

کیا زندگی جو دل میں کوئی آرزو نہ ہو
رہتی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرت جوہر یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

یہ نُورِ خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بُجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تمرد

اللہ کو مان ، اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ
سونے کا نہیں وقت یہ ہشیار رہو غافل
رنگ فلک پیر، زمانے کی ہوا دیکھ
ہے سنت ارباب وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ
اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی شوخی خون شہدا دیکھ
خُو تیری دو روزہ مرا پیماں ہے ازل کا
پابند جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ
ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حالِ دل بیمار طبیبوں کو سُنا دیکھ
تو طیر ابابیل سے ہر گز نہیں کمزور
بے چارگی پر اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ
دشت رہ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کف پا دیکھ
عقبیٰ تو کہاں ہاں نہیں دنیا کی بھی کچھ ٹھیک
اس کا فرِ بے فیض سے دِل تو بھی لگا دیکھ
اِس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزہ ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہ قضا دیکھ

ہو حسنِ طلب لاکھ، مگر کچھ نہیں مِلتا
ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہ رسا دیکھ

ہوں لاکھ نظر بند، دُعا بند نہیں ہوں
اللہ کے بندوں کو نہ اِس طرح ستا دیکھ

سینہ ہمارا افگار دیکھیے کب تک رہے
چشم یہ خوں نابہ بار دیکھیے کب تک رہے

عشق، سو وہ بھی ترا، صبر طلب ہے بہت
صبرِ ہمارا شعار دیکھیے کب تک رہے

سب کو یہاں ہے فنا ایک تجھے ہے بقا
یہ ستمِ روزگار دیکھیے کب تک رہے

یوں تو ہے ہر سو عیاں آمدِ فصلِ خزاں
جور و جفا کی بہار دیکھیے کب تک رہے

زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا
زعم کا باقی خمار دیکھیے کب تک رہے

پہلے رہا دردِ دل مونسِ جاں مُدّتوں
دردِ جگر اب کی بار دیکھیے کب تک رہے

ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھیے کب تک رہے

حق کی کمک ایک دِن آ ہی رہے گی ولے

گرد میں پنہاں سوار دیکھئے کب تک رہے

ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھئے کب تک رہے

رونق محفل پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی
یوں ہی یہ اجڑا دیار دیکھئے کب تک رہے

طاعت و آزادگی یوں تو نہ ضدیں تھے
جبر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

دین پہ دُنیا فدا کرتے رہے مدتوں
کفر پہ ایمان نثار دیکھئے کب تک رہے

یہ چند اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ بقول آپ کے میری "اُمت" اُن سے کچھ تسکین پائے۔ بہرحال مجھے ضرور کچھ نہ کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ مگر ان کو لٹریچر سے کیا تعلق، یہ صرف اپنی دست افشانی اور پاکوبی کے لئے ہیں۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔

آپ کا نیازمند محمد علی

انوار احمد صاحب کو اور رئیز عباسی صاحب کو سلام شوق دونوں کی طرف سے ؎ ۔

؎ دونوں صاحب کانفرنس میں اہلکار تھے۔ "دونوں کی طرف سے" یعنی مولانا شوکت علی کی طرف سے بھی وہ بھی نظربندی میں ساتھ تھے ۔

(۵)

۱۰ نومبر ۱۹۱۶ء - چھندواڑہ

مکرمی۔ تسلیم - یہ سچ ہے کہ آپ کے ملازم صاحب نے ایک خط آپ کا ضرور تلف کر دیا - مگر اس کے بعد کے دونوں خط مورخہ ۲۵ ستمبر و ۱۱ اکتوبر مجھے ملے - میری اس خاموشی سے آپ ضرور متردد اور غالباً مجھ سے ناخوش بھی ہوں گے۔ مگر میرے عذرات سُنکر ضرور مجھ سے ہمدردی بھی فرمائیں گے - آپ کا پہلا عنایت نامہ مجھے ۲۸ ستمبر کو ملا - اکتوبر کو مسٹر معظم علی[1] میرے سالے بانکی پور سے مع اپنی بیگم صاحبہ اور دو چھوٹے بھائیوں کے تشریف لائے - چونکہ والدہ رام پور تھیں اور میری اہلیہ کو کامل صحت نہ ہونے پائی تھی - اس لئے خانہ داری کا تھوڑا بہت کام میرے بھی متعلق تھا یہی کچھ کم نہ تھا کہ مجھے تیمارداری بھی کرنا پڑی اور وہ بھی ایک نرس کی طرح - میرا منجھلا سالا بانکی پور سے ہی بخار ساتھ لایا - یہاں دو روز بعد ڈاکٹر نے ٹائیفائیڈ تشخیص کیا اور یہ بھی جتلا دیا - کہ اس عمر میں یہ مرض سخت ترین امراض سے ہوتا ہے - اور علاج سوائے نرسنگ

---

[1] معظم علی خان مرحوم بی - اے بیرسٹرایٹ لا - علی برادران کے زمانہ اسیری (۲۲ء تا ۲۳ء) میں مرکزی خلافت کمیٹی کے سیکرٹری رہے - اس وقت بانکی پور میں بیرسٹری کرتے تھے - آخر عمر میں رامپور میں ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے

کے کچھ نہیں ۔ شوکت صاحب تو ہمیشہ کے میرے تیمار دار تھے ۔ اب کی بار بالکل بیکار ہو گئے ۔ ایک ناتجربہ کار ڈاکٹر نے ایک پھی پھوڑیا میں نشتر لگا دیا ۔ معدہ خراب پہلے ہی سے تھا (Ketamnia) میں مبتلا ہو گئے اور سخت تکلیف رہی ۔ دس بارہ دن برابر سہل ہوئے ۔ تب جا کر چلنا پھرنا نصیب ہوا ۔ میں اپنی چھوٹی لڑکی کی تیمارداری ٹائیفائڈ میں حال ہی میں کر چکا تھا ۔ میری اہلیہ سخت علیل رہیں تو انکی تیمارداری بھی مجھی کو کرنا پڑی ۔ ان امراض پیہم نے مجھے چھنڈواڑہ کی اچھی خاصی مس فلارنس نائٹ انگیل[1] بنا دیا تھا ۔ یہ تو امر مسلم ہے کہ ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف " اپنے سالے کی تیمارداری میں ایسا منہمک ہو گیا اور ایسا منہمک ہونا پڑا کہ آپ کو ایک کارڈ بھی اطلاعاً نہ لکھ سکا ۔ کہ دونوں عنایت نامے مل گئے ۔ میرے متعلقین کو اس گورده میں پڑے پڑے ایک سال ہونے کو آیا تھا ۔ مگر تنہا چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا ۔ دوسرے لے دیکر صرف ڈھائی سو روپے کے وظیفے پر معاش تھی ۔ اب جب تک اس subsistance allowance پر ایک separation allowance کا اضافہ نہ ہو ۔ ان لوگوں کو علیحدہ رکھنے کی نظر بند بجٹ میں گنجائش بھی نہ تھی ۔ ایک ہنڈیا مشکل سے چڑھنے پاتی تھی ۔ دو ہنڈیوں کا چڑھنا معلوم ۔ مگر یہ بھی سوچتا تھا

---

[1] ایک انگریز خاتون ۔ میدانِ جنگ میں تیمار داری کے کام کے لئے ضرب المثل ۔

کہ ہم تو پھر بھی شہر میں چل پھر لیتے ہیں۔ رہتے رہتے بہت لوگوں سے واقفیت ہو گئی ہے۔ دوسرے اپنے افکار اشغال کا کام کرتے ہیں۔ اِن بیچاروں کے لئے تو یہ بھی موجود نہیں۔ سوائے ایک دو گھروں کے کہیں آنا جانا نہیں۔ "ملا کی دوڑ مسجد تک" اگر ہوا خوری کے لئے باہر گئیں بھی تو سول لائنس میں ایک دو جگہ۔ در و دیوار سے باہر نکلنے پر نظر بندوں کے پر جلتے تھے۔ پھر گھر میں پیہم بیماریوں کا ہونا اور خصوصاً دقی جھراکے دو واقعات پے در پے اِس لئے گورنمنٹ کو لکھا کہ جس زمانے میں یہ Subsistence allowance مقرر ہوئی تھی۔ صرف میرا بار اس پہ تھا اور میں نے دراصل اصولاً اس پہ زور دیا تھا اور بھائی Hailina سے "دوستانہ" خط و کتابت عرصے تک صرف اصول کے لئے جاری رکھی تھی۔ مگر ہمدرد کے بند ہو جانے کے بعد صرف یہی ایک ذریعہ معاش کا میرے اور میرے متعلقین کے لئے رہ گیا تھا۔ میرے ہی لئے کافی نہ تھا مگر ع

اِیں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ کے اصول پر جس طرح بن پڑا۔ اب تک کام چلایا۔ مگر اس الاؤنس کے دو ٹکڑے کرنا اور چھ چھ برس کے دو ملازم نوکر رکھنا برابر ہے۔ سفر خرچ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ سفر خرچ دیا جائے اور الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔ یہ تحریر اب گورنمنٹ ہند کے زیر غور ہے۔ نہ معلوم خزانہ عامرہ کی کیا کیفیت ہے۔ تہی ساغری ہے یا لبریزی۔ بہر حال متعلقین کا

زیادہ رکھنا مناسب نہ تھا ان کو یکم نومبر کو براہ بانکی پور رام پور روانہ کر دیا ہے۔ ڈھائی تین ماہ بعد پھر آجائیں گے۔ والدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم تنہا رہ گئے تو بیچاری فوراً رخت سفر باندھ چل دیں اور ۵ کو یہاں آگئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب تک مجھے کس قدر کم فرصت ملی ہوگی۔ ۱۸ تک تو عزیزی مسعود کو حرارت رہی۔ اس کے بعد جا کر ٹوٹی اور بفضلہ تعالیٰ صحت کامل حاصل ہو گئی۔ مگر ۱۲ تک سخت تردد تھا۔

اس قدر لمبی چوڑی معذرت کے بعد آپ کے عنایت ناموں کا جواب دیتا ہوں۔ بھائی علوی[۱] مجھ سے کچھ خفا ہیں کہ اب تک فلسفۂ اجتماع کی جلد روانہ نہ کی۔ مجھے پہلے بھی خوف تھا اور اب تو آپ کے لکھنے سے اس خیال کو اور تقویت ہو گئی کہ آپکو اجتماع سے نفرت ہے۔ مگر تعجب ہے کہ صاحبزادہ ... صاحب کو بھی اس اجتماع سے نفرت ہے۔ اور آپ کو بھی اور پھر دونوں میں نہ نبھ سکی[۲] نہ معلوم نفسیات القرآن میں آپ وامرھم شوریٰ بینھم اور وشاورھم فی الامر کی شان میں کیا فرمائیں۔ بہرحال میں فلسفۂ اجتماع کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ ظفر الملک صاحب سے کہکر جلد روانہ کرائیے

---

[۱] یعنی مولوی ظفر الملک علوی صاحب الناظر بک ایجنسی۔

[۲] اب میں کانفرنس سے واپس چلا آیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۲۳۰

Psychology of Leadership پر تو میں اپنی رائے دے چکا ہوں۔ سر ویلنٹائن چرول[1] ایک خبیث و بدباطن شخص نہ معلوم اس کی تعریف کی آپ نے کس طرح رقعت کی۔ وہ ہمارے لئے غلامی اور اپنے لئے خواجگی ہی کو پسند کرتا ہے۔ ابھی حال میں انہوں نے میرے ایک چینی صفت دوست جگندر سنگھ صاحب نے ان کے لکچر میں صدارتی تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ ۴۰ برس سے انہیں مشرق بلا رہا تھا۔ اُن کی مشرق کے حال پہ یہ بڑی ہی نوازش ہوئی کہ تشریف لائے "در خانہ خانہ نشست" کا مضمون ہے مگر کاش ان کو چار ہی سال سے مغرب بھی پکارتا اور وہ اس کے حال پہ بھی کرم فرماتے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرماتے۔ مگر ان لوگوں کی صرف یہی سزا ہے کہ قانون قدرت ان کی خاطر بدل نہیں سکتا۔ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اسی میں گرتا ہے۔ غلامی کو دوسرے کے لئے پسند کرنا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے اپنی غلامی کا۔ اگر اجتماع ہمارے

---

[1] برطانوی صحافت کا ایک نامور رکن، لندن ٹائمس کے شعبہ خارجہ کا مدیر اعلیٰ۔ ہندوستان و مشرق کا سیاح (Chirol) اس زمانہ میں ہندوستان آیا ہوا تھا۔ میری کتاب لیڈرشپ کی ایک خط میں بہت داد دی تھی۔ ایسوں کی امداد کو میں اس وقت معراج کمال سمجھتا تھا۔

[2] یعنی کاش اپنے ہاں کی جنگ عظیم کو روک سکتے۔

لئے بُرا سمجھا جاتا ہے توکل کو خود ایسا کہنے والوں کیلئے بُرا سمجھا جائے گا۔
رد ہا کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ تاریخ اسلام خود اسی کی شاہد ہے۔
جس طرح آپ مجھے لکھ رہے ہیں۔ اس سے تو نفسیات القرآن کے متعلق
بھی میرا خوف روبہ ترقی ہے "ناطرفدارانہ طرز ادا" مخالفین کے رام
کرنے کے لئے شوق سے استعمال کیجئے۔ لیکن اگر آپ کا قلب "ناطرفدار"
ہے اور وہ حصہ جسم بھی جس میں ایمان جاگزین ہوتا ہے۔ محض ایک
سادہ لوح ہے۔ جس پر آپ کی Psychology کی بدولت
کچھ نقوش منقش ہوں گے۔ تو ایک مسلم اور مومن سے آپ کیا توقع رکھ
سکتے ہیں کہ وہ آپ کو مسلم اور مومن بھی سمجھے۔ جب ایک بار قلب کے
اعتراف واقبال کر لیا کہ آمنا وصدقنا تو پھر تو یہی صادق آنا چاہیئے
کہ "مجھے تو خوہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے" گو دوئے سخن خدا اور رسولؐ کی طرف
ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ہر گیسو دراز وریش درازکی طرف۔ میں اجتہاد پہ
ایمان رکھتا ہوں اور اس کو بہت ضروری بلکہ لابدی سمجھتا ہوں۔
کورانہ تقلید میرا ہرگز مذہب نہیں۔ اگر آپ اس طرح لکھیں۔ کہ
اپنا ایمان مقدمۂ کتاب میں واضح ہو جائے اور نہ محض اس Proom
کی تشریح اصل کتاب میں جس سے خود آپ کے قلب کی لوح سادہ
پہ بتدریج ایمان اور عقیدہ منقش ہو گیا۔ تا کہ ناطرفدار تو ناطرفدار
خود مخالفین کے دلوں پر کے کفر و شرک کے نقوش دھندلے پڑتے
جائیں اور بتدریج مٹ جائیں اور پھر ورق سادہ پہ آپ کی کتاب

کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جلی حروف میں لکھ دے۔ تو واقعی میں آپ کی نفسیات کی قدر کروں گا۔ برادرم ایمان ہر شے پر مقدم ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ اوّل بنایا تو در اصل اس امر کا اعتراف کیا کہ ایمان ابوبکرؓ عدل عمرؓ۔ غنا و حیا عثمانؓ اور فقر و شجاعت علیؓ سے بھی زیادہ قابل قدر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آفتاب محمدی بہ تقاضائے بشری ۲۳ سال کی نبوت کے بعد غروب ہو گیا اور سارے عالم پر اندھیرا سا چھا گیا۔ تو جو لوگ اپنے ہر امر میں اس کی شمع ہدایت کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے۔ خدا کی دی ہوئی آنکھیں بھی گویا کھو بیٹھے اور بعض مولفتہ القلوب کے ارتداد اور زندیق ہو جانے سے ان کے ایمان بھی تھوڑی دیر کے لئے معرض خطر میں آ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو سوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے۔ اور چلانے لگے کہ اگر کسی نے کہا کہ محمدؐ (روحی فداہ) قضا کر گئے۔ تو اس کی قضا اسی وقت اس تلوار کے ذریعے اس تک پہنچ جائے گی ؂

ایسے وقت میں وہ آمنا و صدقنا کہنے والا آیا اور اس نے ایک بدیہی امر ان سراسیمہ اور پریشان لوگوں کو جتلایا۔ آفتاب محمدی غروب ہو گیا تھا۔ مگر خدا کا شمار آفلین میں نہ تھا۔ آفتاب اسلام اسی طرح درخشاں تھا۔ بھائی یہ سب ایمان کے کرشمے تھے۔ یہ فطرت صدیقی تھی۔ اگر کچھ کمی تھی۔ تو اس امین اعظمؐ کے ایمان نے پوری کر

دی تھی۔ جبکہ غار ثور میں ابو بکرؓ کو بتایا گیا تھا کہ وہاں سینکڑوں دشمنوں سے خائف اور مارے ڈر کے غار میں چھپے ہوئے صرف بندگانِ خدا ہی نہ تھے بلکہ ایک تیسرا اور بھی وہاں موجود تھا۔ جو ان دونوں کا نگران اور نگہبان تھا۔ اِنَّ اللہَ مَعَنَا کی تعلیم کے بعد ایمان ابوبکرؓ پختہ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امینؐ کی خلافت صدیقؓ کو ملی۔ اگر آپ فلسفہ اور استدلال سے مدد لیتے ہیں تو لیجئے مگر صرف اسی طرح اطمینان قلب کے لئے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے مردہ زندہ کرنے کے لئے اطمینان قلب چاہا تھا۔ مخالف کے لئے دلیل اور ثبوت کے ہتھیار تیار کیجئے۔ استدلال و تحقیقات کی توپیں اپنے دماغ کے کارخانہ اسلحہ سازی میں ڈھالئے۔ یہ تو ایک مومن کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جاری رہے جس کے لئے ہم کو خیر امۃ کا لقب عطا ہوا۔ مگر کیا یہ ممنون باللہ قرآن سے خارج کر دیا گیا ہے۔ مجھے اگر اعتراض ہے تو صرف اس پر کہ کہیں خود قلب و دماغ ناطرفدار نہ ثابت ہوں۔ اسلوب بیان تمام تر نفسیات ارسطو اور نفسیات کانٹ کا کس طرح ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ ارسطو اور کانٹ دونوں کو مرکب من الخطا مانتے ہیں اور ان کی تقلید ہر امر میں فرض نہیں جانتے۔ مگر قرآن صرف یہ حرف فرمودۂ خداؐ ہے اور خدا خاطی نہیں ہو سکتا۔ آپ شوق سے

(لہ دیکھو صفحہ ۲۷۰)

اُسے فرمودۂ خدا ثابت کیجئے - مگر خود آپ کے قلب کو مستغنی عن الحجۃ ہونا چاہیئے - بھائی جتنی شاعری چاہو - باہر کی عورت پر صرف کرو اور اُسے بھاؤ اور رام کرو - مگر گھر کی بیوی تمہاری ہے نہ دوسرے پر نظر ڈال سکتی ہے - نہ اس کو تمہاری گریہ وزاری اور التماس وگذارش کی ضرورت ہے - بلکہ اصل تو یہ ہے کہ بقول میرے ؎

نہ تبسم کی ضرورت نہ نگہ کی حاجت + نہیں جز دل کے توسل کوئی دل آنے میں

غزالی کا فلسفہ مجھ سے زیادہ آپ نے پڑھا ہوگا - ان کی احیاء العلوم کا اگر ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوگیا ہوتا تو ڈیکارٹ کو دنیا چور سمجھتی - مگر ان کی خود تصنیف کردہ سیرۃ بلکہ سوانح قلبی و دماغی کو ملاحظہ فرمایئے - آخر میں اسی کا اعتراف ہے کہ اصل وہی مشاہدہ ہے جو حسیات ظاہرہ سے مستغنی اور استدلال و محبت سے بے نیاز ہے ؛

خدانے ہم پر بڑا رحم فرمایا کہ مسلمان کے گھر پیدا کیا لہٰذا ہم[لہ] کا رجحان اسلام و توحید کی طرف اور تربیت اسلام اور توحید کے دائرے میں - اگر اس پر ہمارے فلسفے نے ہماری امداد کی ہے تو سونے پہ سہاگہ ہے - اسلام اور ایمان کو اور بھی تقویت ہوگئی اور عقل و نقل دونوں کی زد سے باہر ہوگئے - اب نہ ارسطو کا جادو چل سکتا ہے نہ کانٹ کا - مگر

(نوٹ صفحہ گذشتہ) میں نے اپنی ملحدانہ شوخ چشمی کے ماتحت لکھ بھیجا تھا کہ نفسیات القرآن بالکل اسی آہنگ پر لکھی جائے گی جس پر نفسیات ارسطو یا نفسیات کانٹ لکھی جاتی ؛

لہ یعنی وراثت ؛

صرف استدلال ہی پہ بھروسہ ہے اور خود اپنی عقل پر اس قدر زعم ہے کہ جو اس میں نہ سمائے وہ خدا نہیں اور جو اس میں نہ آئے وہ ایمان نہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ "پائے استدلالیاں چوبیں بود" اور باوجود اس کے جو میرے اور شاید آپ کے بھی استاد (شبلیؔ) آخر عمر میں اسی ہیبت سے چلتے تھے - اس میں ذرا بھی شک نہیں - کہ "پائے چوبیں سخت بے تمکین بود" خواہ کسی طرح تفسیر کیجئے - مگر قرآن خود صاف کہہ چکا ہے کہ علم انسانی بہت ہی کم ہے - میں اس کا ضرور قائل ہوں کہ خواہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو وہ خدا کی دین ہے اور ایمان کے بعد اس کی بہترین دین بلکہ اس کے بغیر ایمان کمزور و ضعیف رہتا ہے - اس لئے اس کا پورا پورا استعمال کرنا چاہیئے اور ایمان کے لئے علم کا پشتہ ایمان کو مستحکم کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس کے ذریعہ سے ایمان کا استحکام کرنا چاہیئے - مگر زعم علم سے پرہیز ضروری ہے - خدا کی رحمت ہو اقبال پہ خوب تعلیم مولانا روم کا اتمام کر رہا ہے -

پر زن و از جذب خاک آزاد باش
ہمچو طائر ایمن از افتاد باش

تو اگر طائر نۂ اے ہوشمند
بر سر غار آشیان خود مبند

اے کہ باشی در پے کسب علوم
با تو مے گویم پیام پیر روم

"علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود"

آگہی از قصۂ اخوند روم
آں کہ داد اندر حلب درس علوم

پائے در زنجیر توجیهات عقل — کشتیش طوفانی ظلمات عقل
موسی بیگانهٔ سینائے عشق — بے خبر از عشق و از سودائے عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت — وز حکم صد گوهر تابنده سُفت
عقده هائے قول مشّائیں گشود — نور فکرش هر خفی را وا نمود
گرد و پیشش بود انبارِ کتب — بر لب او شرح اسرار کتب
پیر تبریزی ز ارشاد کمال[۱] — جست راه مکتب ملا جلال
گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست — ایں قیاس و وهم و استدلال چیست
پائے خویش از مکتبم بیروں گذار — قیل و قال ست ایں ترا با وے چه کار
قال ما از فهم تو بالاتر است — شیشهٔ ادراک را روشن گر است
حرف ملا شمس را حدت فزود — آتشے را جان تبریزی گشود
بر زمیں برق نگاه او فتاد — خاک از سوز دم او شعله زاد
التهاب دل خس ادراک سوخت — دفتر آں فلسفی را پاک سوخت
مولوی بیگانه از اعجاز عشق — ناشناس نغمه هائے ساز عشق
گفت ایں آتش چساں افروختی — دفتر ارباب حکمت سوختی
گفت شیخ اے مسلم زنار دار — ذوق و حال ست ایں ترا با وے چه کار
حال ما از فکر تو بالاتر است — شعلهٔ ما کیمیائے احمر است
ساختی از برگ حکمت ساز و برگ — از سحاب فکر تو بارد تگرگ

۱؎ شیخ کمال الدین خجندی رحمة الله علیه ؎

آتشے افروز از خاشاک خویش — شعلۂ تعمیر کن از خاک خویش
علم مسلم کامل از سوز دل است — معنی اسلام ترک آفل است
چون ز بندِ آفل ابراهیم رست — در میان شعله‌ها نیکو نشست
علم حق را در قفا انداختی — بهر نانے نقد دیں در باختی
گرم رو در جستجوئے سرمۂ — واقف از چشم سیاه خود نۂ
آب حیوان از دم خنجر طلب — از دهانِ اژدها کوثر طلب
سنگ اسود از در بتخانه خواه — ق نافۂ مشک از سگ دیوانه خواه
سوز عشق از دانش حاضر مجو — کیف حق از جام این کافر مجو
مدتے محو تگ و دو بوده ام — رازدان دانش نو بوده ام
باغبانان امتحانم کرده اند — محرم این گلستانم کرده اند
گلستانے لاله زار عبرتے — چون گل کاغذ سراب نکهتے
تا ز بند این گلستان رسته ام — آشیان بر شاخ طوبے بسته ام
دانش حاضر حجاب اکبر است — بت پرست و بت فروش و بتگر است

پا بہ زندان مظاهر بستۂ — از حدود حس برون ناجستۂ
در صراط زندگی از پا فتاد — بر گلوئے خویشتن خنجر نهاد
آتشے دارد مثال لاله سرد — شعله هائے او مثال ژاله سرد
فطرتش از سوز عشق آزاد ماند — در جهانِ جستجو ناشاد ماند
عشق افلاطون علت هائے عقل — به شود از نشترش سودائے عقل
جمله عالم ساجد و مسجود عشق — سومناتِ عقل را محمود عشق

این مے زبربینہ در مینا شش نیست
شورِ "یا رب" قسمتِ شبہاش نیست

لکھنے بیٹھا تھا خط - مگر لکھ گیا اقبال کی مثنوی شریف - مگر چونکہ یہ حیثیت ادب کے اس کا پایہ میری نثر سے اتنا ہی اونچا ہے جتنا کہ زمین سے آسمان کا - اور آپ باوجود فلسفی ہونے کے ادب کو استدلال سے مرجح سمجھتے ہیں - اس لئے اسرار خودی کا یہ حصّہ نقل کر دیا گیا! امید کہ تشفی ہو گی ؎

رہا ظریف مرحوم کا معاملہ[1] تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے مرحوم سے بیحد محبت تھی - اور میں ان کی قابلیت اور اس سے زیادہ ان کی محبت کا قدردان تھا - مگر ان کی فلسفیانہ گفتگو کو میں ہمیشہ ہذیان سرائی سمجھا اور وہ مجھے اس کا قدردان نہ پا کر محض اپنی ادبیت ظرافت اور محبت سے محظوظ فرمایا کرتے تھے - ایک مصرع غالب کا مجھے لکھا
"دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز"

---

[1] ظریف محمد ایم اے (علیگ) ان کی کتاب "اسلام اور عقلیت" دہریت والحاد سے لبریز تھی - بڑے قوی و تندرست تھے - عین عالم شباب میں انتقال کیا - میں نے محمد علی سے پوچھا تھا کہ اس دینی جوش اور مذہبی تقشف کیساتھ آپ سے اور ظریف سے دوستی کیونکر تھی؟ سنا ہے کہ ظریف غالباً ۱۹۱۵ء میں موت سے پہلے تائب اور از سر نو مسلمان ہو چکے تھے ؎

مطلب یہ تھا کہ دعا وغیرہ سب کچھ لغو ہے۔ جس کے پاس توپ گولہ نہیں وہ ضرور ہاریگا۔ نہ دنیا کا کوئی خدا ہے نہ اس کا کوئی بندہ نہ وہ بندہ نواز۔ بندگی بیکار ہے۔ ان کی عقلیات صرف یہیں تک راستہ روشن کرتی تھی۔ مگر ۱۱ر جون ۱۹۱۳ء کو ایڈریانوپل پھر غازی انور پاشا ادام اللہ فیضہ کے قبضہ میں آگیا اور دائرہ حکومت اسلام میں از سر نو داخل ہوا اور شبلی مرحوم کا شعر جو انصاری صاحب کے مشن کی واپسی والی نظم میں تھا۔ صادق آیا ؎

تعجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر ابھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

اس کو عقلیات کہئے یا نقلیات۔ بہر حال شبلی مرحوم کا شعر حریف مرحوم کی "ظرافت" سے صحیح تو اسی وقت ثابت ہو چکا تھا۔ بحمد اللہ اب خون شہیداں رنگ لایا ہے والے قطعہ نے صحیح ترین ثابت کر دیا۔ میں مرحوم سے اوائل ۱۹۱۴ء میں کلکتہ میں ملا۔ ہم دونوں تفریح کے لئے چند زنگر گئے تھے اور شب ماہ میں دریائے ہگلی کی سیر ساتھ ساتھ کی تھی۔ پچھلی "تومینٹ کو ریا پھر وجزن تھا وہ تو یہی کہتے تھے۔ اسلام اور ایمان نہیں ہے۔ مگر ایمان چھپائے سے نہیں چھپتا۔ قرآن کریم کے بے مثل ادب کے قائل تھے۔ ھو الذی لا الٰہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما

دیتا ہے کون - ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم کے ادب پہ وجد کرتے تھے - اس کے چند ماہ بعد میں رام پور گیا اور نظر بند ہوا وہاں نصیر حسین خاں خیالؔ[1] کا خط آیا کہ مرحوم تفریحاً ایام رخصت میں دزیگاپٹم گئے تھے - وہاں سے تار آیا ہے کہ ان کا یکایک انتقال ہو گیا - ان کے پسماندگان کو اطلاع دیدو - کہ مال اسباب لے جائیں انّا للہ و انّا الیہ راجعون - مرحوم پہ آج تک ہم سے کہیں زیادہ اسرار ہستی آشکارا ہو گئے ہوں گے - اُمید کہ خاتمہ اسلام اور ایمان پہ نہ کہ عقلیات پہ ہوا ہو - دل سے مرحوم کے لئے وہ دعا نکلتی ہے - جس کے قبول ہونے کا انہیں کبھی اقبال نہ تھا - آپ کو تو بفضلہ تعالیٰ خدا اور رسولؐ کا انکار نہیں ہے - برائے خدا و رسولؐ اپنی عقل و تمیز علم و تحقیقات کو اسلام اور صرف اسلام کے لیئے وقف کر دیجئے - اور اس دانش حاضر کے حجاب اکبر میں مستور و محجوب نہ رہیئے ۔

آپ نے مارگولیتھ کا ذکر فرمایا ہے - میں وہ بدنصیب ہوں کہ اس مردود خبیث ولعین سے آکسفورڈ میں عربی پڑھی ہے - عربی

---

[1] اب یہ بھی مرحوم ہو چکے ہیں - پٹنہ کے ایک ادب نواز شیعہ رئیس تھے - انہیں کی روایت ہے کہ ظریف آخر عمر میں تائب ہو گئے تھے - خدا کرے صحیح ہو ۔

اس کی مادری زبان ہے۔ قابلیت علمی بے شک بہت رکھتا ہے مگر دشمن اسلام اور سب سے زیادہ زہر آلود کتاب سیرۃ نبوی پر اس لئیم کی تصنیف کردہ ہے۔ مجھے خوف ہے کہ ہمارے لٹریری نوجوان اس کے پھندے میں آکر نبی امی (روحی فداک یا رسول اللہ) کو عرب کا بطل اعظم نہ سمجھنے لگیں اور رحمۃ للعالمین کے خدائی لقب سے محروم نہ کر دیں۔ سر ولیم میور کی سیرۃ میں سید احمد خاں مرحوم نے یہی سب سے بڑا عیب اور پوشیدہ مطلب ڈھونڈ نکالا تھا اور خطبات احمدیہ اسی غرض سے لکھ کر بصرف کثیر انگریزی میں ترجمہ کرا کے طبع کرائی تھی[5]۔

ہمدم سے میں ہرگز خوش نہیں نہ اس سے زیادہ کی اس سے توقع تھی۔ اس جنگ کے خاتمہ پر ایک جنگ اور چھڑے گی اور بھائی جانب سے میری ہو گی (دنیا نے مخاصمت) (Cacao Belli) وہ دوچشمی "حد" ہو گی جو ان کے ہمدم کے پیچھے لگی ہے۔ خدا کی مار ہو "ہمدرد" کو اگر اسی نے "ہمدم" کے قالب میں جنم لیا ہے اور خدا بخشے میر اکبر حسین ... معروف بہ "لسان العصر" سے جنہوں نے "ہمدرد" کی سرخی واعتصموا

---

[5] مارگولیتھ کے مقابلہ میں میور ہزار درجہ غنیمت ہے۔ مارگولیتھ کی زہر افشانی کی کوئی حد نہیں ۔

بحب اللہ جمیعاً کو ہم دم کے لئے یوں بدلا ہے - میری غزلوں کی تعریف وہ فرمائیں یا آپ یا آپ کے احباب - مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ادب میں داخل نہیں ہیں محض میرے درد کی آواز ہیں۔ "دیکھیے کب تک رہے" والی زمین شگفتہ کیونکر ہو سکتی ہے - گو چشم انتظار وا ہونے سے شگفتہ چیزوں میں شمار ہو سکے - تو اور بات ہے - حال میں چند اشعار لکھے ہیں اور لکھ کر غزلیں پوری کروں گا غالب کا ایک شعر مانع اظہار وحشت ہو رہا ہے اور ورد زبان ہے - اس کی ردیف کو محدود کر کے غزل لکھ رہا ہوں - وہ شعر یہ ہے

چاک مت کر جیب بے ایام گل ... کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے

اس پر چند اشعار لکھے ہیں -

صبر بھی شرط غمخواری کی ہے ... ضبط کا یاروں میں یارا چاہیئے
تھک گئے کتنا بھی جنوں کیسا اچھا ... خاک اڑانا آشکارا چاہیئے
دشمنوں سے گو "تلطف" ہے تو کچھ ... دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

(حافظ تو تلطف کی صلاح دیتے تھے - مگر آجکل ایں ہم غنیمت است)

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے ... اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

نہ معلوم کیوں ان ایام حج بیت اللہ میں بار بار یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

تم تو کعبہ کے خدا تھے پھر بلالے کیوں گئے ... لے بتو ! کیسے خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اس پر صرف ایک شعر خود بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ بے اختیار زبان پر آگیا۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

دیکھیے۔ یہ دونوں غزلیں کب پوری ہوں۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ اُمید ہے کہ میری مذہبی "نقادی" بارِ خاطر نہ ثابت ہوگی ؛

خوب یاد آیا۔ المعارف میرے پاس نہیں آتا۔ شکر خدا کہ بھائی ظفر الملک نے الناظر تو بھیجنا شروع کر دیا۔ ہاشمی[1] جوہر و حسرت کی بے ہیں کچھ لکھ گئے۔ مگر سُنا ہے کہ جوہر پر پہلے بھی کچھ لکھا تھا۔ دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ میں تو پہلے سے اس کا قائل ہوں کہ

تم ہو ندرِ عشق نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروت اہلِ سخن سے دُور

آپ کا خیر طلب محمد علی

(۶)

قومی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
۲۰ ار جنوری ۳۱ء

برادرم! السلام علیکم۔ اپنی عدیم الفرصتی کا اب کیا دکھڑا

---

[1] یعنی سید ہاشمی فرید آبادی ؛

رہوں۔ آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اسی باعث مفصّل خط لکھنے سے معذور رہوں اور مجملاً لکھنے کا غالباً یہ نتیجہ ہوگا کہ آپ میرے مفہوم کو نہ سمجھ سکیں گے۔ بہر حال یا قسمت یا نصیب کہہ کر لکھتا ہوں ؎

جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں دیکھوں مگر علم سے زیادہ مذہب عزیز ہے اور ایک مسلمان کے مذہب کے متعلق اگر قومی مسلم یونیورسٹی میں بھی شک و شبہ کیا جائے گا۔ تو ہم یہ کہہ کر پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ کہ ہر شخص کا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ جس سے اس دار العلوم کو کوئی تعلق نہیں۔ اب تک عمداً میں نے فلسفے کے سینیر پروفیسر کی جگہ کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی ہے۔ چونکہ اُردو میں تعلیم دلانا منظور رہے۔ اس لئے اور بھی آپ کی ضرورت ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ایک دو دن کے لئے میرے مہمان بن کر یہاں کی دال روٹی کھائیے اور تمام معاملات کا تصفیہ کیجئے اگر ہم دونوں ایک ہی بات پر راضی ہوگئے تو یقین ہے کہ دار العلوم کو آپ سے بیش قیمت مدد مل سکے گی۔ ممکن ہے کہ آپ شروع ہی سے یہاں آنے سے انکار کرتے ہوں اور مذہب کے متعلق میرے

لہ میں بحمد اللہ اس وقت تک پختہ مسلمان ہو چکا ہوں۔ لیکن محمد علی کو ابھی اس کی خبر نہیں وہ مجھے اب بھی نیم ملحد یا متشکک سمجھ رہے ہیں ؎

اس قدر لکھنے کو بھی خواہ مخواہ کا دخل در معقولات تصور کریں۔ لیکن مجھے تو (PROPAGANDA) کرنا ہے۔ اس لئے تبلیغ ہی کا موقع دیجئے اور آجائیے۔ بہر حال آپ سے نصاب و نظام تعلیمات کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ اسی کے لئے آجائیے۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام

آپ کا قدیم نیاز مند محمد علی

(۷)

ایک ہفتہ کے لئے علی گڈھ فوراً آجائیے۔ خطبہ صدارت کے اردو ترجمہ میں آپ کی ضرورت ہے[۱]۔

محمد علی

۵ر دسمبر ۱۹۲۳ء علی گڈھ

(۸)

کلام جوہر کا بھی جدید ایڈیشن زیر طبع ہے۔ اس کا مقدمہ ضروری ہے۔ مہربانی کر کے فوراً آئیے۔ کوئی حیلہ مسموع نہ ہوگا۔ میر محفوظ علی آگئے ہیں[۲] وہ بھی آپکو بلا رہے ہیں۔

محمد علی

۱۱ر دسمبر ۲۳ء علیگڈھ

---

[۱] محمد علی اب قید سے چھوٹ کر اپنی محبوب جامعہ ملیہ میں علی گڈھ آ گئے ہیں اور کانگریس کے صدر بھی منتخب ہو چکے ہیں۔ لیکن عین اس وقت انکی محبوب لڑکی آمنہ بی بی دق کے آخری درجوں میں مبتلا ہے۔ خطبہ صدارت سے، اسی کانگرس کا انگریزی ایڈریس مراد ہے

[۲] میر محفوظ علی بی۔ اے بدایونی مرحوم۔ مولانا کے بڑے مخلصین میں سے تھے اور اردو کے ادیب و انشا پرداز۔

(۹)

۱۴ اپریل ۲۴ء - دہلی

ولا غالب الا اللہ

برادرم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - تعزیت نامہ ۸ شعبان کا اسی زمانے میں ملا تھا یا یوں کہیے کہ جب ایک ہفتہ بعد کلکتہ کی خلافت کانفرنس سے واپس ہوا تھا - آج ۸ رمضان کو شکریہ ادا کرتا ہوں - تاخیر کا سبب کیا لکھوں - قومی مصیبتوں نے ذاتی مصائب کو اسی طرح نگل لیا جس طرح حضرت موسیٰؑ کے عصا نے ساحروں کے سانپوں کو نگل لیا تھا - بقول غالب

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

۱۱ مارچ کو آمنہ رخصت ہو گئیں - ۱۵ ہی کو مسلم لیگ کے قضیہ نے کھینچ بلایا - ۱۹ کو ڈاکٹر شوکت صاحب کو اور والدہ کو بھی ساتھ کر لے آئے[1] - والدہ تو آمنہ کی رخصتی کے وقت بیہوش تھیں - شوکت صاحب کو حرارت تھی اور اسی شب سے صاحب فراش ہوئے تو آج تک صاحب فراش ہیں - مسلم لیگ کے احیا کا بیڑا اٹھانے والے

---

[1] مولانا کی والدہ ماجدہ عرصہ تک زندہ رہیں - آخر ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا - بی اماں کے نام سے ملک بھر میں مشہور تھیں - عابدہ، زاہدہ، حاجیہ، تہجد گذار بیوی تھیں ؎

حضرات کی ہمدردی کی یہ حالت تھی کہ میں نے چاہا کہ اس کی کونسل کا جلسہ جو روز ماقبل کورم پورا نہ ہونے کے باعث نہ ہو سکا تھا۔ سہ پہر کو منعقد کر دیا جائے نہ کہ دوپہر کو جبکہ حکیم صاحب۔ ڈاکٹر صاحب[1] اور ہم لوگ انکو لینے سٹیشن جا رہے تھے اور ڈاکٹر عبدالرحمان ان کو ہمراہ لا رہے تھے۔ مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ مجبور ہو کر سب نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ شوکت صاحب کو ڈاکٹر عبدالرحمن پر چھوڑا جائے اور احیائے مسلم لیگ کا مسئلہ حل کیا جائے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کے ہاں سے ٹیلیفون پر اطلاع ملی کہ شوکت صاحب کی حرارت نارمل ہے۔ ہم سب خوش ہو گئے اور میں نے ٹیلیفون کر دیا کہ اب ان کے حسب فرمائش میں کلکتے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے چلا جاؤں گا اور اپنے سیکرٹری کو علی گڈھ بھیج دیا کہ میرا سامان لے کر ڈاک گاڑی میں مجھے مل جائیں۔ لیکن جب کا پیاسا چار بجے انصاری صاحب کے ہاں رائے سینا سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حرارت حسب معمول (AS USUAL) تھی نہ کہ نارمل یعنی

۱۰۲۔ اب میں نے جانے سے انکار کیا مگر شوکت صاحب نے پھر بھی مجبور کیا اور بالآخر کلکتہ گیا۔ وہاں کے لوگوں کے خیالات کی یکسوئی کی۔ خلافت کمیٹی غریب مفلس ہو رہی تھی۔ ساڑھے نو ہزار روپیہ بڑی مشکل سے

---

[1] یعنی حکیم اجمل خان صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب۔ مولانا کے اس وقت کے خاص رفیق کار۔

وصول کیا اگر ایک دن اور رہ جاتا تو شاید تین چار ہزار اور مل جاتے مگر مرض کے عود کر آنے کا شبہ صحیح نکلا اور ایک ہفتہ دہلی رہنا پڑا۔ طبیعت تو پھر درست ہونے لگی تھی۔ مگر پاسپورٹ نہ ملنے کے باعث تین چار دن خلافت کا کام کرنا پڑا۔ اس طرح ۱۵ مارچ کو نکلا نکلا کہیں ابتدائے اپریل میں "پھر گھر" یعنی علی گڑھ پہنچا۔ عزیزہ آمنہ مرحومہ کی قبر تیار کرائی۔ (یعنی اس قدر پختہ کہ دھل نہ جائے) رخت سفر باندھا اور اس نیت سے ریل میں سوار ہونے کو ۵ اپریل کو آیا کہ ۶ کی شام کو بمبئی کی طرف چل دونگا۔ بال بچے ساتھ تھے۔ اگر شوکت صاحب علیل نہ ہو گئے ہوتے تو برما جاتے میں بھی ہمراہ جاتا اور اپنی اہلیہ کو بھی بمشکل تمام راضی کرلیا کہ ہمارے ساتھ چلی چلیں۔ کام میں ان سے مدد ملتی۔ کیونکہ وہ مستورات میں خوب کامیابی سے کام کرتی ہیں۔ لیکن یہ بھی غرض تھی کہ ان کا غم غلط ہوگا۔ دس مہینے وہ اور غریب محمود اللہ ہمارا داماد مرحومہ کی تیمارداری کرتے کرتے اب اس درجہ کو پہنچ گئے تھے۔ کہ ان دونوں کا دھیان اس کی طرف سے ہٹانے کی سخت ضرورت تھی۔ خود غرضی بھی اس میں ضرور شامل تھی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ مع اہل و عیال کے پہلے خود ماتھران چلا جاؤں۔ راستے میں تمہارا جی سے دو تین دن مسلسل تمام امور حاضرہ پر گفتگو کروں۔ جب شوکت صاحب کو افاقہ ہو جائے اور وہ اتنا لمبا سفر کرنے کے قابل ہوں تو ڈاکٹر انصاری صاحب اور زاہد انہیں ماتھران لے آئیں۔ علی گڈھ سے چلنے میں دو روز کی دیر جامعہ کے کاموں کے

باعث ہوگئی تھی - اس لئے دہلی سے کوئی خبر نہیں آئی تھی - اسٹیشن پر منظم صاحب نے (D.T.M) خرید کر کھولا تو تار دیکھا کہ پھر شوکت صاحب کو (RELAPSE) ہوا ہے - یہاں آکر بھی ارادہ یہی تھا کہ اسٹیشن پر سامان چھوڑ دوں اور دوسرے ہی دن روانہ بمبئی ہو جاؤں مگر انصاری صاحب کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ انکا (RELAPSE) سخت تر ہے - بخار ۱۰۲ سے بڑھ گیا تھا - چار و ناچار رہنا پڑا - ۱۰ ا نکی تو حالت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ حرارت ۱۰۴ سے تجاوز تھی - ہزاروں خیالات بُرے سے بُرے دل میں آتے تھے - مگر میرے پروردگار نے رحم فرمایا - دوسرے ہی دن سے بخار کم ہونا شروع ہو گیا اور آج صبح تو حرارت نارمل تھی - مہاتما جی میرا انتظار کر رہے ہیں - مگر میری مجبوری کے باعث مجھے معذور سمجھتے ہیں - تاہم شوکت صاحب کا تقاضا ہے کہ جاؤ - جلد جاؤ - ابھی جاؤ - چنانچہ کل شب کو روانگی کی نیت ہے -

یہ میری پریشانیوں کی انتہا ہے مگر ولنگٹن نے پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا - سوائے صبر و شکر کے کیا چارہ ہے مگر چار و ناچار نہیں طوعاً صبر و شکر کرتا ہوں انما اموالکم و اولادکم فتنہ بالکل صحیح ہے - مال تھا ہی نہیں اولاد تھی - کبھی کوئی لڑکا نہیں ہوا - مگر ان لڑکیوں نے زندگی کو اتنا ہی پُر لطف کر دیا تھا - کہ مشکل ہی سے لڑکے کی خواہش کبھی دل میں آتی تھی - اور اب تو خدا کا شکر ادا کیا کرتا تھا کہ لڑکا نہ دیا - مگر جتنی اولادیں ہوئیں سب کو زندہ رکھا - بڑا کرم کیا - اِس

موت سے صبر نہیں آتا۔ فکر میں کمی ہو جانے کا بہت اندیشہ تھا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ مرحومہ میں کچھ تو میری شکل کی مشابہت تھی اور زیادہ تر میری خصلت کی۔ یہاں تک کہ میری بُرائیاں بھی اس میں موجود تھیں اور اسی لئے وہ اور بھی عزیز تر تھی۔ خداوند کریم نے جتنا بھی تو اسی کو مگر اس کے مرتے وقت سب روتے تھے۔ اور میں سب کو سمجھاتا تھا البتہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غم صرف اس دن کے لئے نہ تھا۔ بلکہ ساری عمر کا شریک ہو گیا ہے۔ کوئی چیز زندگی کو کھو کھلا کر گئی ہے دُعا کیجئے۔ کہ خداوند کریم رحم کرے۔ والدہ کی علالت سخت نے جو اگر سخت نہ بھی ہو۔ تب بھی اس عمر اور اس ضعیفی میں خطرناک ہوتی ہے۔ پریشان کر دیا تھا۔ شوکت صاحب کی خطرناک علالت نے اور پھر (Relapse) نے اور خاص کر اس پچھلے نہایت خطرناک (Relapse) نے رہے سہے حواس گم کر دیئے تھے۔ لیکن خلافت کے اِس قضیے[1] نے دل کی وہ حالت کر دی ہے۔ کہ اگر خداوند کریم کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو نہ معلوم میری کیا کیفیت ہو جائے۔ نہیں کہہ سکتا کہ جا کر کیا کروں گا مگر پاسپورٹ نہ ملنے سے اپنی بے کسی اور بے بسی اور بھی پریشان

---

(۱) ترکی سے ابھی اطلاع آئی تھی کہ جس خلافت کے پیچھے محمد علی اور اس کے رفقا جان دے رہے تھے مصطفےٰ کمال کی حکومت نے سرے ہی سے اس ادارہ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ محمد علی پر معلوم ہوتا تھا کہ بجلی گر پڑی ہو۔

کرنی ہے اور اِس قید سے دیکھئے کب خلاصی ملتی ہے ؎

قید ہے قید غلامی دو برس کی قید کیا
دیکھو کب ہو خاتمہ اِس قید بے میعاد کا

اب رخصت ہوتا ہوں ۔ مدتوں کے بعد آج خط لکھنے بیٹھا ہوں مگر آپ کو دو حرفی خط لکھا نہیں جاتا ۔ ابھی درجنوں خط پڑے ہیں ۔ جن کا جواب خود اپنے قلم سے دینا ہے ۔ والسلام

آپ کا محب صادق محمد علی

(۱۰)

۱۳ر فروری ۔ کوچہ چیلاں ۔ دہلی

محترمی مولانا صاحب ۔ السلام علیکم ۔

گرامی نامہ ماموں صاحب مخبلہ کے نام موصول ہوا[۱] ۔ ۱۱ر فروری سے صاحب فراش ہیں ۔ بخار رہتا ہے ۔ ہلکا ہو جاتا ہے ۔ مگر اترتا بالکل نہیں ۔ اپنے آپ خط لکھنے سے معذور ہیں ۔ اِس لئے میں ماموں صاحب کی جانب سے لکھتا ہوں ۔

۱ ۔ دنیا میں اگر کوئی چیز ہے جو انسان کو اس کے مصداق بنائے تو وہ اصول پرستی ہے ۔ ہم نے بہت سی چیزیں اِسی اصول پرستی کی وجہ سے چھوڑ دیں ۔ یہ چیزیں (TEMPTATIONS)[۲] میں انہیں

---

[۱] خط مولانا کے بھانجے عثمان علی خان جنرل منیجر ہمدرد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔

[۲] یعنی ترغیبات ۔

سے ہم کو بچنا ہے - انہیں کو چھوڑ کر ہم نے دیگر معاملات میں نا اہلوں کو جگہ لینے دی - پھر اگر آج نا اہل مسلط ہو جائیں گے - تو کیا ہے - بالکل شراب کی سی حالت ہے - نفع سے زیادہ مضرت اس میں ہے لہٰذا کنارہ کشی ہی بہتر ہے - یہ میری صاف رائے ہے "حکم" صرف خدا کے لئے زیبا ہے[ا] ؛

۲ - خلافت کمیٹی کے متعلق قطب میاں کو خط جا رہا ہے[۲] -

۳ - - - کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ عرایض[۳] زیادہ ہیں جس منزل پر آپ انکو پہنچانا چاہتے ہیں - اس کی اہمیت بالکل نہیں - صرف خواہش سے کام نہیں چل سکتا حکیم صاحب کا حیدرآباد میں کوئی خاص اثر نہیں - البتہ اگر میں مجبور کروں تو ضرور لکھ دیں گے - مگر میرے لئے یہ ایک قسم کا جھوٹ بولنا ہوگا - جسے میں جائز نہیں رکھتا -

---

[ا] صوبہ میں سرکاری انتظام سے ہندوستانی اکیڈمی کے نام سے علمی و ادبی مجلس قائم ہو رہی ہے - میں نے پوچھا ہے کہ اگر میرے پاس اس کی ممبری کی دعوت آئے تو کیا حکم ہے قبول کروں یا نہ کروں ؛

[۲] میں نے لکھا ہے کہ قطب میاں صاحب فرنگی محل کو لکھئے کہ اب ہماری اودھ خلافت کمیٹی سے اشتراک عمل کریں - اب تو ہماری انکی پارٹی کے اختلافات مٹ چکے ہیں ؛

[۳] میں نے ہمدرد کے اسٹاف کے ایک نوعمر ممبر کے لئے سفارش کی ہے کہ اگر حکیم اجمل خاں صاحب انہیں حیدرآباد سے کوئی وظیفہ دلا دیں تو وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلے جائیں ؛

اب تک جو مواقع آئے - میں نے انکو کچھ ترقی کرتے نہیں پایا - اب تک مزاج میں لڑکپن ہے - کامن سنس بالکل نہیں - جس سے کچھ کام لیں - مواد جمع کر دیا جائے - جب بھی کچھ اخذ نہیں کرتے - شام کے متعلق انکو کچھ کٹنگز دیئے تھے - تمام پوائنٹس بتا دیئے تھے - مگر جب مضمون لکھ کر لائے - تو کچھ بھی نہ تھا - چنانچہ خود ایک مضمون لکھ کر بتا دیا کہ اس نہج پر لکھو - مگر پھر بھی اب تک مکمل مضمون نہ دے سکا - دو مرتبہ مضامین پڑھ چکا - اب تیسری مرتبہ لائے - تو میں بیماری کے سبب نہ دیکھ سکا - آج کسی وقت دیکھوں گا - بشرطیکہ بقیہ مضمون انہوں نے دیدیا - میں انکی ترقی کا خواہاں ہوں - اور دل سے مگر آپ جانتے ہیں کہ جرنلزم (صحافت) کے لئے صرف قلم ہی درکار نہیں - اس کے لئے جو باتیں درکار ہیں وہ آپ پر بہ خوبی روشن ہیں - اس لئے کہ آپ خود بھی اس خارستان کے بادیہ پیما ہیں - دعا کیجئے - خدا ہم سبھوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے ؎

محمد علی

(۱۱)

برادرم - السلام علیکم - احمد آباد گیا ہوا تھا - پرسوں آیا

(Commonsense)[a] یعنی عقل سمجھ سوجھ بوجھ (Cuttings) تراشے - (Points) نکتے - لکھنے والی باتیں ؎

[a] صفحہ ۲۹۰ پر ؎

ہوں - آپ کا خط اور . . . ملے - مرض کی حالت میں اب پہلے سے فرق ہے - مگر تنہا ہوں - ہر طرح کا کام خود ہی کر رہا ہوں - سفر حج کا فکر علحدہ - گھر کی فکریں جداگانہ - آپ کی محبت کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں - ۱۰ مئی کو ارادہ روانگی ہے - اللہ تعالیٰ بخیر پہنچائے - آپ کا نام میں نے اپنی یادداشت میں لکھ لیا ہے - خانہ کعبہ میں ضرور دعا کروں گا اور مدینہ پاک میں سلام عرض کروں گا - بیگم صاحبہ کو بھی ہمراہ لئے جاتا ہوں - بچیاں یہاں رہیں گی - زیادہ سلام

محمد علی

(۱۲)

جہاز اکبر - قسطنطنیہ کامران - بحر احمر

(لفافہ کی مہر پر) ۲۴ جولائی ۲۶ء

پیارے ماجد میاں - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جتنی خوشی اپنے سفر کی ہے - اسی قدر افسوس آپ کی شرکت نہ ہونے کا ہے - یہ دربارہ وہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت

(گذشتہ صفحہ کا) منور علی خاں مرحوم دفتر ہمدرد کے خزانچی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور مولانا کی عین روانگی حج سے قبل - مئی ۲۶ء میں ٭

ؔ محمد علی حج کو جا رہے تھے - نیز خلافت کمیٹی کی طرف سے نمائندہ ہو کر موتمر عالم اسلامی میں شرکت کرنا تھی ٭

عبداللہ ابن مسعود کو اپنے مرحوم بھائی کے شریک نہ ہونے کا افسوس تھا۔ وہ خود ہر بار حاضری سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ یہاں ایک حد تک خودغرضی جائز ہے۔ مگر یقین جانئے کہ آپ کے اور میرے دوست قاسم حسن اور تیسرے دوست مسعود علی صاحب ندوی کے اور مستورات میں بیگم صاحبہ انصاری کے شریک نہ ہونے کا سخت قلق ہے۔ سفر خوب لطف سے طے ہوا۔ میری اہلیہ کو دو تین دن قے آئی اور بیگمن تو سب عورتوں کو چار پانچ دن رہی۔ مگر مرد اکثر اچھی طرح رہے اور ہم لوگ تو خوب مزے سے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ عدن سے گذرنے سے ایک دو دن پہلے ہی سمندر میں مطلق جوش نہ رہا تھا۔ جوش تو پہلے بھی نہ تھا۔ مگر ہوا بعض لوگوں کو ناگوار گذرتی تھی۔ لیکن جب ہوا بند ہوئی تو سب گرمی کے شاکی تھے۔ اور ایک شب تو بہت تکلیف رہی ؂

میں نے پہلی بار سمندر کا سفر ½ ۱۹ برس کی عمر میں کیا تھا۔ ۱۰ جون کو مان سون شروع ہوئی تھی۔ ۱۹ کو میں نے ساحل ہند چھوڑا طغیانی کا زور تھا۔ جو کیفیت شروع کے ۵ دن رہی تھی۔ اس سے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اوروں پر کیا گذرتی ہوگی۔ لیکن حج کا شوق وہ شوق ہے کہ ایسی سخت تکلیف پر بھی لوگ گلہ سنجی سے محترز رہتے ہیں۔ میرے کاربنکل کو چلنے سے پہلے آرام ہو گیا تھا۔ مگر ریل کے سفر میں ایک اور نکل آیا۔ پھر بھی جہاز کا ایک چکر تو روز ہو جاتا تھا۔ اگر اس سے نجات مل گئی ہوتی اور بیوی کی تسلی و تشفی لازمی نہ ہوتی۔ تو میں

تو زیادہ وقت تھرڈ کلاس ہی میں گذارتا۔ کمپنی تو مفت لے جانا چاہتی
تھی۔ مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ اِس سفر کو بلا خرچ کئے ہوئے اختیار نہ
کرنا چاہیئے۔ اور تھرڈ کلاس ہی میں سب کے ساتھ جانے کی نیت تھی اور
اتنا ہی روپیہ پاس تھا۔ تاہم کمپنی نے تھرڈ ہی کے ٹکٹ سے فرسٹ
میں ٹھہرایا۔ جمعیۃ العلماء کو بھی سیکنڈ میں ٹھہرایا۔ شوکت صاحب
کو کپتان نے اپنے پاس ایک خاص کیبن دیا۔ جس میں وہ اور بہن
رہتے تھے۔ مگر افسروں کا سارا ڈیک تھرڈ کلاس والوں سے
اتنا بھرا رہتا ہے کہ خود افسروں کو بعض وقت راستہ تک نہیں ملتا۔
افسر بہت خلیق اور با مروّت ہیں۔ بالخصوص کپتان جو ایک سیدھا
سادہ آدمی ہے۔ میری اہلیہ اور بہن اور اُن سے ملنے والی عورتوں
کو کپتان نے اپنا آدھا ڈک دے رکھا ہے۔ اپنے غسل خانہ میں اس
لئے کم جاتا ہے کہ ادھر مستورات بیٹھی ہیں۔ اُن کو نقاب نہ ڈالنا
پڑے۔ پرسوں رات مجھے سوجھی کہ اہل ہند غیر ہندی مسافروں کی
دعوت کریں۔ بالخصوص بخاریوں کی جو باوجود گندے اور پسینے کے
باعث سخت بدبودار اونی اور روئی بھرے کپڑے پہننے کے نیک اور
سیدھے سادے لوگ ہیں۔ کوئی پانچ سو روپیہ تیس چالیس آدمیوں
سے وصول ہو گیا۔ کل یہاں کامران میں قرنطینہ والوں کی دیگیں لیکر
سامان منگوا کر کھانا پکوایا گیا۔ رات پون بجے کھانا کھایا اور کوئی
دو بجے سونے کو لیٹا۔ بہت کھانا بچ رہا اور جنس بھی۔ بنگالی "بھوکے"

مشہور ہیں۔ رات ثبوت مِل گیا۔ باوجود سوائے ایک خاندان کے چندہ مطلق نہ دینے کے ناخواندہ مہمان بن کر آگئے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں ٹالا تھا۔ اب سب کی رائے تھی کہ انکو کھلوا دیا جائے۔ سخت ندیدے اور حریص اور اس معاملہ میں بے حیا ہیں۔ لوٹ مچا رکھی تھی خیر ضیف اللہ ہیں۔ جب اللہ ان کو مہمان بنا تا ہے تو ہم کیوں ناک بھوں چڑھائیں اس سے بھی فارغ ہوئے۔ اب کہ دِن کے ۱۱ بج رہے ہیں۔ جہاز پھر واپس جا رہے ہیں۔ کوئی بارہ بجے تک لنگر اٹھ جائے گا اِنشاء اللہ پھر شام کو احرام باندھا جائے گا۔ اور لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک کی ندائیں بلند کی جائیں گی۔ اس وقت آپ پھر یاد آئیں گے اور خوشی کے ساتھ قلق بھی ہو گا۔ مگر اب شوق کی بیقراری بڑھ جائے گی۔ دیکھئے کیا کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے۔ اب تک تو اور مسافروں کی دیکھ بھال سے فرصت نہ رہی کہ دھیان صرف اسی میزبان کی طرف کیا جائے جس کے مہمان ہو کر ہم جا رہے ہیں۔ دعا کیجئے کہ عمرہ، حج اور زیارت روضہ اقدس نصیب ہوں اور قبول ہوں آمین۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ حکم آگیا کہ اٹھو چلو۔ آخری کشتی اب جہاز کی طرف جا رہی ہے۔ یہاں ان عربوں سے جو ملازم ہیں خوب مزیدار باتیں ہوئیں۔ عرب اور باشندگان عرب کی محبت دِل میں اور بڑھ رہی ہے۔ خدا جلد اس قوم کا اور اسلام کا احیا کرے۔ سب کو سلام شوق۔ خصوصاً ظفر الملک کو کہہ دیجئے۔ کہ دیکھو بھائی ہمارے پیچھے

نہ اودھ خلافت کمیٹی کا کام ہم ہی دو شخصوں کے سپرد تھا ٭

نہایت احتیاط سے کام کرنا - قوم کو سنبھالنا اب آپ لوگوں کا کام ہے
بچوں کو پیار - گھر میں سلام شوق - میری اہلیہ کا سلام بھی
قبول فرمائیے اور گھر میں پہنچا دیجئے - والسلام
آپ کا پیارا بھائی - محمد علی

(۱۴)

۲۴ / اپریل ۱۹۲۸ء - "ہمدرد" کوچہ چیلاں دہلی

برادرم محترم و مکرم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مدتوں سے آپ کے محبت نامے سینے کی جیب میں دل کے قریب ہی ڈالے ہوئے پھرتا ہوں تاکہ ذرا وقت ملے اور جواب تحریر کروں - مگر اب تک موقع نہ مل سکا - جس طرح رام پور گیا - جس طرح خلاف توقع واپس آیا اور جس طرح دو والیانِ ریاست کے درمیان کم از کم عارضی طور پر ناچاقی کا سبب بنا - اس کی داستان طولانی ہے - اگر گھر میں طبیعت درست ہو گئی اور آپ ایک دو دن ہی کے لئے آسکیں تو تشریف لائیں اور اس داستان کو سنیں اور ومن یتق اللہ یجعل لہٗ ویرزقہ من حیث لا یحتسب کی تفسیر و تعبیر بھی ملاحظہ فرمائیں - جن باتوں کا جواب آپ مانگتے ہیں - وہ بھی آپکے تشریف لانے پر ہی دیا جا سکتا ہے - میں نے برادرم ظفر الملک صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ میرے ذاتی مصارف اس سے زیادہ نہ ہوں گے جو جیل خانہ میں تھے - جس طرح وہاں گذر کرتا تھا - یہاں بھی گذر

کروں گا۔

اور میری بیوی بیچاری مجھ سے کم کھاتی ہے۔ اِس لیئے اس کے واسطے بھی یہی اسکیل کافی ہوگی۔ لیکن میں اس اسکیل پر اس وقت رہنا شروع کروں گا۔ جب ہمدرد کو بند کر دوں گا۔ میری صحت میرے بال بچوں کی صحت بالکل خراب ہے۔ میں اب مالی تفکرات سے بالکل بچنا چاہتا ہوں تا کہ کچھ عرصہ تک آرام کر سکوں۔ گوشہ نشینی کو حرام سمجھتا ہوں مگر اب قدمے اور قلمے مدد کرنے کے لیئے سامان فراہم نہیں جس قدر ہو سکے گا سخنے ہی مدد کروں گا۔ درمے مدد کرنے کے قابل پہلے بھی نہ تھا۔ جس قدر تھا کرتا تھا۔ جس قدر اب بھی رہوں گا کروں گا۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کیا کام کرکے ڈیڑھ دو سو روپیہ ماہوار تین گھنٹے محنت کے معاوضے کے طور پر کما سکوں۔ "ہمدرد" کی ایڈیٹری اب نہ کروں گا۔ میں مضمون لکھ کر بھی اگر روٹی کماتا یعنی اس کی تجارت کرتا تو انگریزی اخبارات کم نہیں ہیں مگر مجھے ایڈیٹری کرنا نہیں ہے۔ تبلیغ مدنظر تھی۔ مگر لوگ بظاہر سُننا نہیں چاہتے۔ چند دِن کے لئے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ جب انہیں تجربہ سے معلوم ہو گا کہ جس طرح ہمارے علی گڈھ چھوڑ دینے سے انکو فائدہ نہیں پہنچا۔ اسی طرح ہمدرد کے بند ہو جانے سے بھی کوئی خاص فائدہ مرتب نہ ہو گا۔ تب وہ شاید پھر ہماری طرف متوجہ ہوں۔ میں ملت اسلامیہ کا بیحد مشکور رہوں۔ اب تک کمر بڈھ

ہمدرد پریس کے ڈینچر زکا روپیہ سوائے ایک دو کے کسی نے نہیں مانگا۔ حالانکہ میں ان کے نزدیک ایک چوتھے درجے کے ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوکت صاحب کی مالی حالت بھی وہی ہے۔ لیکن انکو ہمدرد کی طرح "خلافت" اپنے صرف سے شائع نہیں کرنا پڑتا۔ دوسرے ان کی بیوی نہیں۔ ایک لڑکی کے پورے مصارف ادا کرنا پڑتے ہیں (گو شادی اس کی بھی ہو گئی ہے)، اور ایک لڑکے کے زاہد[2] خود تنخواہ پاتا ہے۔ دوسری لڑکی کی شادی عثمان سے ہو گئی ہے۔ البتہ کچھ رقم ماہوار اسے بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ خود کھدر اسکیل پہ پہنتے ہیں۔ ان کی زندگی کا بیمہ غالباً دس ہزار کا ہوا تھا۔ وہ رقم غالباً ابھی ملی ہے۔ رامپور میں ان کی ایک بنگلیہ ہے جس کے باغ کی کوئی چار سو روپے سالانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے میرا کوئی گھر نہیں نہ کسی باغ کی آمدنی ہے۔ میری حالت اگر "ہمدرد" سے اب کچھ نہ ملے تو ان سے کسی قدر خراب تر ہے۔ ورنہ یقیناً اسمیں

---

[1] ہمدرد کی مالی حالت بہت گر رہی تھی زیادہ تر تو قوم کی بد مذاقی سے اور کچھ خود دفتر ہمدرد کی کوتاہیوں سے۔ بہرحال اب مولانا اس کے بند کرنے کا خیال کر رہے تھے میں نے ایک مشورہ یہ پیش کیا تھا کہ ولایتی اخبارات کی نامہ نگاری مولانا قبول فرمائیں

[2] زاہد علی خان فرزند مولانا شوکت علی۔

بھی وہ بڑے بھائی ہی تھے۔ میں قرض لے رہا تھا اور رکھا رہا تھا۔ وہ اس "فاقہ مستی" سے بچے ہوئے تھے۔ آپ کے لڑکے کی ولادت کی خبر سے جس قدر جی خوش ہوا تھا۔ اُسی قدر اس امانت کے چھن جانے سے صدمہ[1] ہوا اور آپ سے کہیں زیادہ بہن سے ہمدردی ہے میری بیوی بچے سب اس غم میں شریک ہیں۔ بہن تک اس پیغام کو پہنچا دیجئے۔ میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ مگر کوئی لڑکی بھی مری نہیں الا ماشاءاللہ۔ صرف آمنہ نے داغ جدائی دیا۔ البتہ زہرہ کا دوسرا لڑکا جو نہایت ہی خوش اور ہنس مکھ تھا۔ ۷ ماہ کی عمر میں رخصت ہو گیا۔ اس کا اسی طرح صدمہ ہوا۔ جس طرح خود اپنے لڑکے کے اس عمر میں گذر جانے کا ہوتا۔ پھر بھی سمجھتا ہوں کہ خداوند کریم نے مجھ پر بہت رحم فرمایا۔

حمیدہ[2] کا نکاح شروع جنوری میں ہو رہا تھا۔ مگر کچھ تو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات[3] کچھ ماجد کی پریشانیوں[4] نے دیر لگائی۔ اب دو تین دن میں ہو ہی رہا تھا کہ ایسے شخص کی طرف

---

[1] شروع رمضان میں اس بچہ کی ولادت ہوئی تھی اور آخر رمضان ہی میں وہ جاتا رہا۔

[2] حمیدہ بی مرحومہ مولانا کی تیسری صاحبزادی۔

[3] حکیم اجمل خان مرحوم کا انتقال آخر دسمبر ۲۷ء میں ہوا تھا۔

[4] یعنی ماجد علی خان رامپوری۔ مولانا کے ہونے والے داماد۔

سے ایسا ہوا کہ نومبر میں کرو۔ میں خود شریک ہونا چاہتا ہوں۔ بار بار کہا کہ اس کی ماں سخت پریشان ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ سامان کیا ہے خود اس کی ماں نے اپنی ۲۰ روپے ماہوار کی آمدنی میں سے کیا ہے جو ۱۲ برس سے جمع ہو رہی تھی۔ اب صرف جہیز میں کام آئی تھی یا اب کام آئی ہے اور وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں خانگی مصارف میں ان کی یہ قلیل پونجی بھی نہ اٹھ جائے۔ لیکن برابر اصرار ہے۔ کہ شوکت صاحب کے آنے پر اس کا فیصلہ ہوگا اور اس سے ایک اہم تر فیصلہ بھی جس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی تشریف لائیں۔ عجب کشمکش و پنج میں گرفتار ہوں۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ دعاگو اور آپ سے کہیں زیادہ محتاج دعا۔ محمد علی

قطب میاں صاحب اور ظفر الملک صاحب کو بھی خط سنا دیجئے گا۔ قطب میاں کے عنایت نامے کا جواب جلد دوں گا ؎

---

[1] مولانا ذیابیطس میں سخت علیل تھے۔ اتفاق کی بات کہ مہاراجہ الور ایک ایٹ ہوم میں مولانا سے مل کر ان پر خاص طور پر مہربان ہو گئے تھے اور اپنے صرف پر علاج کے لئے مولانا کو یورپ بھیجنے پر اصرار کر رہے تھے۔ مولانا اس امداد کو قبول کرنے میں بہت پس و پیش کر رہے تھے۔ آخر میں فیصلہ ڈاکٹر انصاری اور مولانا شوکت علی کے مشورہ پر اٹھ رہا تھا۔

(۱۴۴)

۲۹ر اپریل ۲۸ء - دہلی

برادر محترم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حمیدہ کی شادی ۶ر مئی کو رکھی گئی ہے مگر ابھی آخری اور قطعی طور پر تاریخ اس وقت مقرر ہو گی - جب معظم صاحب کے پاس سے (آج کے ارجنٹ تار) کا جواب آجائیگا کہ انہیں اس تاریخ کے لئے رخصت مل جائے گی ظفر الملک صاحب کا محبت نامہ شوکت صاحب کے واسطے جو میری اہلیہ کے نام آیا تھا - ابھی دیکھنے میں آیا - مجھے افسوس ہے کہ مجھے ہمدرد کے بند کرنے کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا - بہر حال میں تو چند ماہ کے لئے تمام کام بند کر کے اپنا علاج کرانے انگلستان جاؤں گا - غیب سے مدد مل گئی ہے اور مشورہ کرنے کے بعد امداد قبول کر لی گئی ہے - سوائے علاج کے اور کوئی غرض اس سفر کی نہیں ہے اور فاقہ کرا کے علاج کیا جائیگا - کوئی اور کام کروں گا بھی نہیں - براہِ کرم مشورہ کے لئے فوراً تشریف لے آئیے اور حمیدہ کے نکاح میں بھی شریک ہو جائیے - سوائے قطب میاں صاحب اور احباب فرنگی محل کے اور آپ کے اور ظفر الملک صاحب کے کسی کو نہیں بلا رہا ہوں بہن کی طبیعت کیسی ہے - میری بیوی اور بچیاں سب صحت کامل کے لئے دعا گو ہیں اور خیریت معلوم ہونے کے لئے سخت منتظر ہیں - براہ کرم فوراً چلے آئیے - تاکہ آخری فیصلہ دو تین دن میں کر دیا جائے اور اخبار

کو بند کر دیا جائے۔ میں انشاء اللہ اواخر مئی میں ہندوستان سے روانہ ہو جاؤں گا۔ کیا کہوں دل کی کیا کیفیت ہے۔

آپ کا بھائی محمد علی

(۱۵)

تار

۲ / مئی ۱۹۲۸ء (چہار شنبہ)

دہلی جمعہ کی صبح تک ضرور پہنچ جاؤ۔ اخبار کی بابت آخری فیصلہ بہت ضروری ہے۔ محمد علی

(۱۶)

تار

بمبئی - ۲ / جون ۱۹۲۸ء

اللہ آپ کو اور ظفر الملک کو اپنے فضل میں رکھے۔ یہ دُعا جہاز پہ بیٹھتے وقت کر رہا ہوں۔ محمد علی

(۱۷)

۶ / جون ۱۹۲۸ء - جہاز "مقدونیہ"

پیارے ماجد میاں و ظفر الملک صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ۲۵ / کو آپ لوگوں سے رخصت ہو کر ۲۶ / مئی کی صبح کو اجمیر

سنہ میں اب ہمدرد کا نگران مقرر ہوا تھا۔ اور ظفر الملک صاحب منیجر۔

شریف پہنچا۔ تاکہ جسمانی علاج سے پیشتر کچھ روحانی علاج بھی کرسکوں۔ نہ معلوم ظفرالملک صاحب کی "وہابیت" زیارت قبور کو کہاں تک روحانی علاج سمجھے اور کہاں تک خود اسے مرض تصور کرے۔ حقیقتاً جو کچھ ان مزارات کے گرد و پیش دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ مجھ جیسے "بدعتی" کو اس قدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ عرض نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ان تمام بدعات میں جو وہاں کی جاتی ہیں اور نہایت بدتمیزی سے کی جاتی ہیں میں جب کبھی اجمیر شریف آتا ہوں اور میری نظر اس مزار شریف پر پڑتی ہے۔ تو میرا خیال اس زمانے کی طرف جاتا ہے۔ جب سارے ہندوستان میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان نظر آتا ہوگا۔ مشکل ہی سے کسی جگہ کوئی شخص ایک آن دیکھے خدا کو سجدہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہوگا اور اذان کی آواز تو یقیناً کہیں بھی نہ آتی ہوگی اور پھر میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ایسے زمانے میں ایک سنجر کا رہنے والا سرکار مدینہ کے حکم سے غریب نوازی کو اپنا شعار بنا کر سلطان الہند بننے کے لئے ایک ایسے ملک میں آتا ہے اور کسی گوشہ کو اپنے لئے تلاش نہیں کرتا۔ بلکہ راجپوتانہ کے وسط میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کی راجدھانی میں داخل ہوتا ہے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنی پاک و صاف زندگی کے ذریعہ سے اسلام کا اعلان کرتا ہے۔ اور جس وقت ساری جنگی اور مادی قوتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں۔ اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں کو مشرف

بہ اسلام کرتا ہے۔ آجکل جبکہ ہزاروں لاکھوں نام کے مسلمان ہر وقت غیر مسلم اکثریت ہی کا رونا رویا کرتے ہیں۔ اس مزار پر جاکر اگر ہم اسی سبق کا آموختہ پھیریں کہ لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ولم تغن عنکم شیٔاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین تو مجھے یقین ہے کہ ہم پر بھی آج سکینہ نازل ہونے لگے اور ہماری مدد کے لئے جنود الم تروھا اتر آئیں۔ جاتے ہی درگاہ شریف پر حاضر ہوا۔ پھر مولانا معین الدین صاحب کے بھائی حکیم نظام الدین صاحب کے ہاں جاکر فروکش ہوا۔ اپنے اکسفرڈ کے رفیق صاحبزادہ عبدالواحد خاں سے جاکر ملا۔ اور شب کو پھر درگاہ شریف جانے کے بعد رخصت ہوا۔ میرے جن نئے کرمفرمانے مجھے علاج کے لئے اس بار ولایت بھیجا ہے۔ اُن سے دوسرے دن آبو جاکر ملا۔ ۲۸ر کو ان سے بھی رخصت ہوا اور اس بار بھی انہوں نے شکریہ کے الفاظ کو زبان پر آنے سے روک دیا۔ اس لئے اس صحبت کو دعا پر ختم کیا اور بادیدۂ تر روانہ ہوا۔ ۲۸ر کی شب کو احمد آباد پہنچا۔ انسوئیا بہن اپنے بھائی انبالال سارا بھائی اور ان کے بال بچوں کے ہمراہ ولایت گئی ہوئی ہیں اور شنکر لال بینکر علیل تھے۔ لیکن انہوں نے انسوئیا بہن کی موٹر روانہ کر دی تھی۔ اور آشرم سے ایک مدراسی نوجوان مجھے لینے آگئے تھے۔ اسی وقت سابرمتی گیا اور غسل کرکے سونے کو لیٹا مگر مگن لال بھائی کی جوان موت

اور اُن کی پیاری بچی رادھا کے رنج وغم نے نیند کو بھگا دیا۔ تاہم صبح کو خاصی نیند آ گئی۔ نماز فجر کے بعد پہلے رادھا اور اس کی والدہ کے پاس گیا۔ پھر . . . اور مہاتما جی سے ملا۔ اپنے ولایت جانے کا سارا قصہ سنایا اور ان کو اپنا ہم خیال پایا۔ دوپہر کو جمنا لال جی بزاز کی فرودگاہ پر آرام کیا اور شام کو کھانا کھا کر شنکر لال بینکر کے ساتھ ان کی اور انسوئیا بہن کی قیامگاہ پر گیا۔ نماز مغرب پڑھ کر اسٹیشن کو روانہ ہوا۔ تاکہ گجرات میل ہی میں روانہ ہو جاؤں اور نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے ہی بمبئی پہنچ جاؤں۔ بمبئی میں عیدین کی نمازیں سورج نکلتے ہی ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لئے ریل ہی میں غسل کر کے اور کپڑے بدل کر اور سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ کر، شوکت صاحب اور مولانا عرفان وغیرہ کے ساتھ ہی دفتر خلافت کے پاس والی چھوٹی مسجد کا رخ کیا۔ جہاں نماز اچھی طرح مل گئی۔ مگر اس قدر مختصر سی جماعت میں یقیناً وہ غرض پوری نہیں ہوئی جو مساجد جامع میں بھی بمشکل پوری ہوتی ہے اور جس کے پورا کرنے کے لئے شہر کے باہر عیدگاہ بنائی جاتی ہے۔ اس عید کی نماز میں اصفہانی صاحب نے آلہ مکبر الصوت لگانے سے احتراز کیا اور میرے نزدیک سخت غلطی کی اور کٹ ملاؤں سے ڈر گئے۔ میں انکا استفتاء ہی پڑھ کر بھانپ گیا تھا کہ ان بزرگ پر ملاؤں کا خوف غالب ہے۔ جو جماعت گراموفون کو باجا کہتی ہے اور اس میں قرآن کریم کی قرأت سننے کو لہو ولعب سمجھتی ہے۔ اس سے لاؤڈ اسپیکر کے لئے فتویٰ طلب

کرنا ہی حماقت ہے - عید کا دن اور دوسرا دن حاجی اسمٰعیل صاحب خلافت کے سیٹھ اور ایک دوست کے ہاں دعوتوں میں گذرا یا مسٹر نائیڈو کے ہاں کی دعوت میں - یکم جون کو کچھ کھدر اور اون کی جرابیں کٹراک صاحب کے کارخانے میں جاکر بنوائیں ٹکٹ ۳۱ مئی ہی کو لے لیا تھا - ۲ کو سب سامان بٹورا اور باندھا اور کمپنی کے سپرد کیا - اور پھر کچھ آم نے کر اور کچھ ہار پھول بٹور کر بندرگاہ پر گیا کمپنی کی نوازش سے چھ ٹکٹ جہاز پہ جاکر رخصت کرنے کے لئے دوستوں کے واسطے مفت مل گئے تھے - حالانکہ فی ٹکٹ تین روپے قیمت دینا پڑتی ہے - بندر پر ڈاکٹر کو نبض دکھائی - انہوں نے پوچھا کہ اچھے ہو میں نے کہا کہ اچھا ہوتا تو ولایت ہی کیوں جاتا - بار وہی نہ گیا ہوتا - مگر انکا اطمینان کر دیا کہ میرا مرض متعدی نہیں ہے (اور اب تو میری سیاست بھی متعدی نہیں ہے - نہ بظاہر میرا مذہب بھی متعدی) ایک پولیس کے انگریز افسر صاحب نے طارق تک سے ٹکٹ مانگا - اور شوکت صاحب غصّہ کے مارے اُسی وقت اپنے ٹکٹ کو پھینک کر واپس جا رہے تھے - مگر ڈاکٹر نے طارق صاحب کو بھی اسی ٹکٹ میں شامل ہونے اور جہاز پر جانے کی اجازت دیدی - روانگی کا وقت سنا ہے کہ ایک بجے ہوتا ہے - اِس سے پہلے سب رخصت کرنے والے رخصت کر دیئے گئے - مگر ڈاک ڈیڑھ بجے تک بار کی جاتی رہی اور ڈیڑھ بجے ہم ہندوستان کے ساحل سے رخصت ہوئے ؟

کیا کہوں کہ کن افکار اور کن خیالات کا اس وقت دل میں اور دماغ میں ہجوم تھا۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء کا کن امنگوں اور کن امیدوں کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ ایک غریب بھائی کی بے نظیر حیرت انگیز ہمت کی بدولت یکایک آکسفرڈ جانے کا انتظام ہوا تھا۔ پیسہ عنقا کا حکم رکھتا تھا۔ سول سروس میں ناکام ہو چکا تھا۔ شوکت صاحب بھی ناکامی کی خبر "پائونیر" میں پڑھ کر زرد پڑ گئے تھے۔ مگر ایک بڑھیا[۱] نے دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ کیا ہوا اور پوچھا تھا کہ کیا محمد علی کی امتحان میں ناکامی ہی پر اس قدر مایوس ہوتے ہو۔ اگر اس نے چوری کی ہوتی یا مرتد ہو گیا ہوتا۔ تب تمہاری کیا حالت ہوتی۔ محمد علی کو لکھو کہ میرا اسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی منگیتر بھی تین ساڑھے تین برس سے بیٹھی ہے۔ اب اسے بلا لو اور اس کی شادی کر دو۔ میں بلایا گیا تھا۔ شادی بھی ہوئی تھی۔ رام پور میں محکمہ تعلیم کا افسر بھی مقرر ہو چکا تھا اور اب صرف آکسفرڈ کا بی اے کا امتحان دینے جا رہا تھا۔ رام پور میں جو واقعات گذر چکے تھے۔ وہ بے حد پریشان کن اور بالآخر میرے استعفے کا پیش خیمہ تھے۔ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا حشر ہو گا۔ جو حشر ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ تیسرا سفر سید وزیر حسن صاحب کی معیت میں ۱۹۱۳ء میں چھپ چھپا کر ہوا تھا۔ کہ کہیں میرے کرم فرما میسٹن صاحب جن سے

---

[۱] ظاہر ہے کہ مولانا کی والدہ ماجدہ مراد ہیں۔

دو ہفتے پیشتر ہم سدھار رہے تھے۔ سنتے ہی میری گرفتاری کا وارنٹ نہ نکال دیں۔ "ایم۔ علی اور ڈبلیو جسن" کے نام کے دہلی سے ٹکٹ خریدے گئے تھے۔ سورج نکلنے سے پیشتر شوکت صاحب کے ساتھ دہلی کے اسٹیشن سے عید الفطر کے دوسرے ہی دن اس طرح روانہ ہوا تھا کہ گویا شوکت صاحب کو صرف پہنچانے آیا ہوں۔ گھر میں نہ بچوں کو خبر تھی نہ نوکروں کو اور سامان بھی یہ کہہ کر بندھوایا تھا کہ شملے جا رہا ہوں۔ وہاں سردی پڑتی ہے گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔ کان پور کی مسجد شہید ہو چکی تھی۔ سو سے زیادہ مسلمان جن میں بچے بھی تھے۔ اور بوڑھے بھی اس وقت قید تھے۔ ایڈریانوپل کے فاتح ترکوں سے ایسکوئتھ صاحب اور سر ایڈورڈ گرے سختی کے ساتھ مطالبہ فرما رہے تھے "کامریڈ" کے ایڈیٹر نے پریس ایکٹ کے خلاف ایک بے نظیر فیصلہ سر لارنس جنکنس کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور دو دوسرے سینیئر ججوں کا حاصل کر لیا تھا۔ گو "مقدونیہ آؤ اور ہماری مدد کرو" والا پمفلٹ جس میں بلقانی حلیفوں کے مظالم کی داستان غم نصارٰی ہی کو سنائی گئی تھی۔ پھر بھی واپس نہ مل سکا تھا۔ انگلستان کی لبرل حکومت کے پاس جا کر منت سماجت کرنا تھی۔ اس کا بھی جو حشر ہوا۔ وہ آپ کو معلوم ہے چوتھا سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا اور ایک آخری کوشش اس کی کی گئی تھی کہ خلافت عظمٰی کو برقرار رکھا جائے۔ ترکی سلطنت کی قوت اور اس کے اقتدار کی حفاظت کی جائے۔ اور ترکوں کو اس غلامی

سے محفوظ و مصئون رکھا جائے جس میں ہم خود ڈیڑھ سو بلکہ دو سو برس سے گرفتار تھے - اور اس قبضہ کو قسطنطنیہ پر سے اُٹھوایا جائے جو تقریباً ۴۰ برس سے مصر پر چلا آ رہا تھا - گذشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہوگا - مگر عمر رہے نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا - آپ کو یہ بھی معلوم ہے - کہ اس کا بھی کیا حشر ہوا ٭

اِس سفر کے بعد توبہ کر لی تھی کہ اب آستان بوسی نہ کریں گے - اگر پھر جائیں گے تو اسی لئے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کریں - افسوس وہ معاہدہ آج بھی دُور نظر آتا ہے مگر الحمد للہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی - سر ڈینس برے فارن سکرٹری صاحب کو پاسپورٹ کے لئے شملہ ٹیلیفون کیا تو اُن کے سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ اب نہ مجھے برطانیہ کی کسی سیاسی جماعت پر اعتماد ہے نہ یورپ کی کسی حکومت پر کہ کسی سیاسی کام کی غرض سے یورپ کو جاؤں اور آج مسٹر والٹن پولیٹیکل سکرٹری صاحب سے جہاز میں ملاقات ہوئی تو ان کی غلط فہمی کو بھی دُور کر دیا کہ میں بٹلر کمیٹی کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں محض اپنی صحت کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اور اِس پر ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے ایک متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بصرف کثیر اس لئے سفر کر رہا ہے کہ وہاں جا کر فاقہ کر کے اپنا علاج کرائے ٭

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں۔ مگر سوائے مسز بیسنٹ کے اخبار نیو انڈیا کے اڈیٹوریل اسٹاف کے ایک رکن جو اچکن اور آڑا پاجامہ پہنے ہوئے ہیں مردوں میں صرف میں ہی ایشیائی لباس میں ملبوس ہوں۔ ۲ر جون کا دن اچھا گذرا مگر ۳۔ ۴ اور ۵ کو ہوا تیز رہی اور تیز تر ہی ہوتی گئی۔ یہ وہ موسمی ہوا ہے جس کا نام بگاڑ کر "مون سون" کر لیا گیا ہے اور جو ہندوستان کے لئے بارش لا رہی ہے۔ دہلی کی گرمی کا خیال کر کے دُعا نکلتی ہے کہ یہ جلد بمبئی پہنچے اور سب طرف یہ جل تھل کر دے۔ لیکن جہاز والوں کا خیال کرتا ہوں اور بالخصوص عورتوں کا تو جی چاہتا ہے کہ دعا کروں کہ بند ہو جائے۔ اور سمندر کی یہ طغیانی باقی نہ رہے۔ تاہم خلاف توقع میں بالکل اچھا رہا اور ایک وقت کا کھانا بھی نہ چھوڑنا پڑا۔ حالانکہ آدھے سے زیادہ مسافر اور تین چوتھائی سے زیادہ مسافر عورتیں کھانے کے کمرے سے غیر حاضر رہنے لگی تھیں۔ البتہ آج صبح کے بعد سے موج میں بہت کمی ہو گئی اور آج شب کے ساڑھے گیارہ بجے سے جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے جہاز پر مردوں اور عورتوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ حالانکہ کل شب کو ان میں سے اکثر خاموش پڑے تھے اور ناچ ہو رہا تھا تو سمندر کی موجوں کا ہو رہا تھا ؎

علاوہ مہاراجہ صاحب الور کے وزیر اعظم کے جو میرے ہم سفر ہیں اور چند ہندوستانیوں کے میری کسی سے گفتگو نہیں ہوئی اور

اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے یا تو اپنی نیند کا قرضہ جو مدتوں سے
چڑھا ہوا تھا وصول کیا یا کچھ فرانسیسی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔
مرحوم علی گڈھ کالج کے مرحوم طالب علم سابق محمد داؤد صاحب کی
نظموں کو ان کے چھوٹے بھائی محمود احمد عباسی پھر شائع کر رہے ہیں۔
اور مجھ سے تقریظ لکھنے کا وعدہ لے چکے ہیں۔ ان کا خط جہاز پر بھی ملا۔
اس لئے خطوں سے بھی پہلے اسے لکھنا شروع کیا اور بحمد اللہ آج ختم
کر دیا۔ شوکت صاحب سے بھی پہلے آپ کے نام کا یہ خط شروع کیا۔
اور اب اگر آپ اجازت دیں تو اسے ختم کر دوں ؛

ڈیک پر میرے نزدیک ہی تین انگریزوں کے بچے دو لڑکیاں اور
ایک لڑکا کھیلا کرتے ہیں۔ اُن کے یا اُن کے والدین ہی سے کبھی کبھی دو
چار باتیں ہو جایا کرتی تھیں یا دو بہار کے انگریزی زمینداروں سے جو
نیل تیار کرایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے قریب ہی ایک خوش رو، وجیہہ
اور بلند قامت فوجی افسر بھی لیٹے رہتے تھے اور کبھی کبھی ایک دو لفظ
بول لیا کرتے تھے۔ آج ایک بجے سے میری دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس
میں زیادہ تر میری بچیوں کے نام اور ان کی عمر وغیرہ کے متعلق اس
کے سوالات اور میرے جوابات تھے بظاہر اسے سن کر اور کچھ دلچسپ
پا کر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور دو گھنٹے تک نہایت
آزادی اور صفائی سے۔ مگر پر لطف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی جس کے
بعد انہوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور داد تحسین بھی دی۔ بعد کو معلوم

ہوا کہ ان کے بزرگ میرے دادا کے ۱۸۵۷-۵۸ء کے دوست تھے۔
اب تک کی ساری داستان میں نے آپ کو سنادی۔ اب نہ کہئے گا کہ
میں نے خاموشی سے کام لیا ہے۔ کل سے انشاءاللہ حدیث شریف بھی
شروع ہو جائے گی۔ اور چونکہ حجاج کے جہازوں کی واپسی کا وقت ہے۔
راستہ میں آنکھیں ان کو بھی ڈھونڈیں گی۔ ہائے ؎

زہے سعادت آں بندۂ کہ کرد نزول
گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسولؐ

مگر خدا بھلا کرے سلطان ابن سعود کا۔ اب وہاں کا راستہ بھی ہم
بدبختوں کے لئے بند ہے۔ جہاز ہی پر خبر پڑھی کہ ہم سے بھی زیادہ بدبخت
شامی جنہوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا
اور اس کے صلے میں فرانس کی غلامی اور ۵۸ گھنٹے اس کی مسلسل گولہ
باری حاصل کی تھی۔ انہوں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ ان کی نجات کے لئے
ایک بادشاہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فیصل ابن سلطان ابن سعود پر ان
کی نظر انتخاب پڑی ہے۔ سچ ہے ملوکیت کی بدعت کی ابتدا شام ہی سے
ہوئی تھی۔ اب یزید کی ملکیت کی جگہ نجدیوں کی ملکیت کی طلب ہے۔
اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ اعصابی سوزش جہاز پر
آتے ہی بند ہو گئی۔ مگر کل دوپہر کو اور آج صبح کو تھوڑی دیر تک
محسوس ہوئی۔ لیکن یقیناً یہ آہوں کا پھل ہے سو بندرگاہ سعید تک
وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور لندن جاتے ہی فاقہ ہی فاقہ ہے۔

قطب میاں صاحب کو اور الطاف بھائی کو۔ سعید کو اور تمام فرنگی محل کو سلام شوق، بالخصوص جمال میاں اور محمد میاں اور نور میاں کو مولانا سلامت اللہ صاحب کی خیریت تحریر فرمایئے۔ دہلی میں جعفری کو پیار اور سب کو سلام شوق۔ بالخصوص مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں آداب۔ مولانا احمد سعید صاحب کو سلام و شوق اور انکی صحت کے متعلق اطلاع دیجئے۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور اسرائیلی صاحب، راشد الخیری صاحب کو بھی سلام شوق۔

آپ کی عالی ہمتی کا قدر دان۔ ہمدرد کا دعاگو

آپ کا بھائی۔ محمد علی

(۱۸)

۱۹ اگست ۲۸ء۔ لندن

پیارے ماجد میاں، ظفر الملک صاحب اور جعفری

گذشتہ ہفتہ میں جو "ہمدرد" کے پرچے آئے۔ اُن میں میرے کسی خط کا کوئی ذکر نہ تھا جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید وہ خط جو یورپ پہنچکر میں نے لکھا تھا اور ۱۲ جون کو ڈوور کے اسٹیشن پر ڈالا تھا۔ وہ ۱۱/۱۲ جولائی تک آپ حضرات کی نظر سے نہیں گذرا اور اگر ماجد علی صاحب کے خط میں صاف تصریح نہ ہوتی کہ انہوں نے حیات صاحب کو اس تاکید کے ساتھ روانہ کر دیا ہے کہ وہ اِس خط کو پڑھ لینے کے بعد فوراً جعفری کو بھیجدیں تو میرے دِل میں ضرور یہ خوف بھی پیدا ہو جاتا کہ بیگم صاحبہ نے

حیات صاحب کو وہ خط تو بھیج دیا مگر یہ لکھنا بھول گئیں کہ پڑھنے کے بعد وہ خط جعفری صاحب کو بھیج دیا جائے۔ تاکہ بہت سے مندرجہ حالات سے قارئین "ہمدرد" بھی واقف ہو جائیں ؂

جب تفصیل کے ساتھ کسی چیز کے متعلق لکھنا پڑتا ہے تو پھر ناممکن ہو جاتا ہے کہ اس کو ہر خط میں دہرایا جائے۔ اِس لئے میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ کسی نہ کسی کو ہر ہفتے مفصل خط لکھ دیا جائے اور وہ اُسے آپ حضرات تک پہنچا دیا کریں ؂

۱۲ جون کا خط اِس قدر طویل تھا اور اِسی مصروفیت کی حالت میں لکھا گیا تھا۔ کہ اس کے بعد کسی اور کو دو سطریں لکھنا بھی مشکل تھا چنانچہ بیچاری بیگم صاحبہ تک کو اس ڈاک سے علٰحدہ خط نہ روانہ کیا جا سکا۔ لیکن چونکہ ان کی اور بچیوں کی پریشانی کا سب سے زیادہ خیال تھا۔ اس لئے میں نے حیات صاحب کا خط بجائے مکتوب الیہ کو بھیجنے کے بیگم صاحبہ کے پتہ سے بھیج دیا۔ چونکہ اس ہفتے کی ڈاک کے "ہمدرد" میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اِس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید حیات صاحب اِسے بھی بھیجنا ہی بھول گئے۔ اور چونکہ آپ کو بظاہر اس خط کا علم نہیں اس لئے آپ غالباً انکو بھی نہیں لکھیں گے کہ آپ کی یاد دہانی پر وہ اسی خط کو آپ کے پاس بھیج دیں۔ اِس لئے مجبوراً میں خود آپ کو لکھ رہا ہوں۔ کہ ان سے وہ خط ضرور منگا لیں۔ وہ پہلی ستمبر کو غالباً بمبئی سے نواب صاحب بھوپال کے ہمرکاب روانہ ہوں گے۔ اِس لئے اِس خط کے ملتے ہی انکو

لکھ دیجئے کہ وہ اپنے خط میں آپ حضرات کو بھی شریک کرلیں۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے لنڈن سے جو ڈاک پہلی بار ارسال کی۔ اس میں کوئی خط آپ حضرات کے نام ارسال نہیں کیا۔ لیکن بیگم صاحبہ کو بچیوں کو اور ماجد علی صاحب کو خطوط لکھ دیئے تھے۔ اور نیز شوکت صاحب کو اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ چونکہ بیگم صاحبہ ہی کو لکھا گیا تھا۔ اس لئے اُن سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے خط کا ایک حصہ شوکت صاحب کو اور جعفری صاحب کو بھجوا دیں۔ مگر وہ اس شرکت کو گوارا نہیں کرتیں اور ان کے پچھلے خط میں لکھا ہوا آیا ہے کہ آپ میرے خط میں کسی کو شریک نہ کیجئے۔ خواہ کتنا ہی مختصر خط ہو۔ وہ میرے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔ مجھے کاتب بننے کی فرصت نہیں معلوم نہیں کہ اس کے بعد انہوں نے اس خط کی نقل جعفری کو بھیجی یا نہیں؟ بہر حال "ہمدرد" میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا۔ اور اگر وہ بھیجی بھی گئی ہے۔ تو غالباً جمعرات تک آپ حضرات کو مل گئی ہو گی۔ خیر۔ اب یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مفصل خط بالعموم آپ ہی کے نام جایا کرے گا اور جو دوسرے خطوط لکھے جایا کریں گے۔ ان میں سب کا حوالہ دیدیا جایا کرے گا۔ اور انہیں صرف اس قدر لکھ دیا جایا کریگا کہ بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہوں کہ یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت درگاہ خداوندی سے نیک مطلوب ہے۔ بڑوں کو سلام چھوٹوں کو دعا۔ تمت تمام شد ۞

پہلے اپنی صحت کے متعلق عرض کر دوں کہ اِس بار چھ دِن کے فاقہ سے جس میں نارنگی اور انگور کا عرق پینے کی اجازت تھی- میری طبیعت بہت اچھی ہو گئی - اور یہی نہیں کہ شکر نہیں آئی بلکہ باوجود چربی کے تقریباً اسی مقدار میں پائے جانے کے جو گزشتہ ہفتہ میں تھی- میرے پاؤں کے تلوؤں میں اعصابی سوزش بالکل نہیں ہوئی- البتہ گذشتہ ہفتہ کے دِن چند نوجوان طلباؑ کے ساتھ جینٹس پارک میں چڑیا گھر (Zoological Gardens) دیکھنے کے لئے جانا ہوا اور چونکہ اس دِن صبح کو بہت ہی کم پھل کھائے تھے- اِس لئے ان طلبہ کے ساتھ چائے میں شریک ہو گیا- افسوس ہے کہ یہاں شہد نہ مِل سکا اور شکر کا استعمال کرنا پڑا- اس دن میں نے خوب ہی بد پرہیزی کر ڈالی اور مکھن روٹی اور جیم کا بھی استعمال کیا اور کیک کے بھی ایک دو ٹکڑے کھائے یہ میری بد پرہیزی تھی- ورنہ کبھی شکر کا استعمال کیا اور نہ کبھی جیم کا اور نہ کبھی کیک کا- یہاں تک کہ روٹی بھی تقریباً ڈیڑھ مہینے سے نہیں کھائی- گو میرے دوست احباب کو شاید اس کا یقین نہ آئے- لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بد پرہیزی کرنا پڑی تو میں نے عمداً پیٹ بھر کر بد پرہیزی کی- تا کہ دیکھوں اس کا کیا اثر ہوتا ہے- چنانچہ چند ہی گھنٹوں کے بعد سزا بھی پائی- پورے ایک ہفتہ کے بعد تلوؤں میں اعصابی سوزش پھر شروع ہوئی اور اسکا کچھ نہ کچھ اثر کل تک رہا- البتہ ایک وقت کا فاقہ کرنے کے بعد الحمد للہ وہ کیفیت بالکل دور ہو گئی اور اس شیرین

تجربہ نے میرے یقین کو اور بھی پختہ کر دیا کہ میرے معالج غذا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً صحیح ہے۔ اِس ہفتے سوائے اِس بدپرہیزی کے میں نے اُن کے کہنے پر اس قدر اور بھی عمل کیا کہ گوشت مطلق نہیں کھایا بلکہ سوائے تھوڑی سی اُبلی ہوئی مٹر کے کوئی پکی ہوئی ترکاری نہیں کھائی اور صرف پھلوں پر گذر کیا۔ مگر پھلوں میں علاوہ نارنگیوں کے اور ناشپاتیوں کے اور خوبانیوں وغیرہ کے کچھ گریاں بھی کھائی گئیں (بادام۔ اخروٹ وغیرہ) اور لطف یہ ہے کہ کھجوریں بھی روزانہ ۲۰-۲۵ کھائی گئیں۔ اِس لئے اس پرہیز میں شکایت کا ذرا بھی موقع نہ مِلا۔ اِرادہ ہے کہ کل پھر قارورہ کیمیاوی تجربہ کے لئے بھیجوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فاقہ نہ کرنے کے بعد بھی شکر مفقود رہتی ہے یا نہیں۔ ورزش کے معاملہ میں البتہ بہت کچھ فروگذاشت ہوئی ہے۔ لیکن آج سے ارادہ کر لیا ہے کہ دِن میں کم سے کم دو تین بار ورزش ضرور کیا کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کا قول ہے کہ صحیح غذا سے زیادہ صحیح ہوا کی ضرورت ہے اور جب تک اندر کی ہوا پوری طرح باہر نہ نکالی جائے گی۔ جسم کا اندرونی حصّہ صاف نہ ہوگا۔ اور تمام ورزشیں اِسی غرض سے کرائی جاتی ہیں کہ میں صحیح طریقہ سے سانس لے سکوں۔ چربی پوری طرح سانس لینے میں مانع نہ ہوتی رہے وہ کہتے ہیں کہ اگر میری سانس لمبی ہوگی تو غذا بھی زیادہ ہضم کی جا سکے گی اور تھوڑی بہت بدپرہیزی سے بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچیگا۔ بہرحال یقیناً اِس ڈیڑھ مہینے کے عِلاج میں اتنا افاقہ ہوا ہے۔ جو اِس سے

پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور میں شوکت صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ وہ
بھی اب پھلوں پر گذارا کیا کریں اور جس طرح سے میں زمین پر لوٹ لوٹ
کر اور دوسری ورزشوں میں لمبی لمبی سانس لیا کرتا ہوں وہ بھی لیا
کریں۔ میرا وزن سات سیر گھٹ چکا ہے۔ کمر چار انچ کم ہو گئی ہے اور
سانس ایک سو ستر سے ترقی کر کے دو سو تک پہنچ گئی ہے۔ ان کا وزن
تو یقیناً ۲۰-۲۵ سیر گھٹ جائے گا۔ بلکہ اس سے بھی زائد اور وہ
تھوڑے ہی عرصہ میں مصرعہ "کمر پتلی صراحی دار گردن" کے مصداق ہو
جائیں گے۔ بیگم صاحبہ بیچاری مدت سے دبلا ہونا چاہتی ہیں۔ ان
کے لئے بھی یہی علاج مفید ہوگا۔ اور چونکہ وہ نقرس کے مرض میں مبتلا
بھی ہیں۔ اس لئے یہ طریق علاج اس مرض کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔
میں بار بار زور دے رہا ہوں کہ لڑکیوں کو لے کر وہ بھی یہیں چلی آئیں
اور ابھی اس مضمون کا انہیں تار بھی دے چکا ہوں۔ حمیدہ بی کی بیماری
نے بے حد پریشان کر دیا ہے اگر وہ یہاں آ گئیں تو حمیدہ بی کا بھی اسی
طریقہ پر یہاں علاج شروع کرا دیا جائیگا۔ لیکن دیکھئے وہ آتی بھی ہیں
یا نہیں؟ جہاں اس قدر اپنی صحت یابی کے متعلق لکھ چکا ہوں وہاں
چند سطریں ایک بزرگ قوم کی وفات کے متعلق لکھنا بھی نامناسب نہ
ہوگا۔ جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب چاہتے
تھے کہ دو دن اور فاقہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ میں امام سے وعدہ کر
چکا تھا کہ ناٹنگ ہل گیٹ کے دار الصلوٰۃ میں نماز کے بعد مصلیوں سے

اسلام کے متعلق ایک مختصر سے مقالے کی بھی ابتدا کروں اور خوف تھا کہ اگر اسی دن افطار نہیں کیا گیا تو شاید کمزوری زیادہ محسوس ہو لیکن جو حالت جمعرات کو تھی۔ اگر اس کا پہلے ذرا بھی گمان ہوتا تو میں ہرگز جمعہ کو افطار نہ کرتا اور دو چار دن اور فاقہ کرتا۔ کیا معلوم تھا۔ ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا۔ اسی وقت سید امیر علی[1] صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ وہ لندن سے کچھ دور سسکس کاونٹی کے ایک چھوٹے سے قصبے میں اس زمانہ میں آرام فرما رہے تھے۔ اور مسز امیر علی صاحبہ کے قول کے مطابق وہ آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ گو کچھ عرصہ سے وہ صاحب فراش تھے۔ اور ایک زمین کے ساتھ ہی وہ چلا پھرا کرتے تھے۔ تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔ یہاں جس طرح جینا مشکل ہے۔ اسی طرح مرنا بھی مشکل ہے۔ جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا۔ لوگ چھٹیاں منانے جا رہے تھے۔ اس لئے گذشتہ پیر کے دن بینکوں کی چھٹی تھی۔ چنانچہ تجہیز و تکفین کا سامان منگل تک نہ ہو سکا تجہیز و تکفین پیشے کرانے والے کے یہاں ایک کمپنی ہے۔ چنانچہ اس نے مرحوم کی میت کو رو ڈج سے ویسٹ منسٹر تک پہنچایا ہوگا۔ اور منگل کے دن تعطیل ختم ہونے پر تابوت بنانے کا انتظام کیا۔ اِس کمپنی کی

---

[1] رائٹ آنریبل سید امیر علی پریوی کونسلر، مصنف اسپرٹ آف اسلام وغیرہ

ایک اسپیشل ٹرین واٹرلو اسٹیشن سے منگل کے دن بارہ بجے کے قریب بروک وڈ (Brook wood) کو جو ووکنگ (Woking) اور ایلڈرشاٹ (Aldershot) کے درمیان واقع ہے روانہ ہوئی اور اس میں جنازہ اور اس کو کاندھا دینے والے روانہ ہوئے۔ یورپین رسم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہوگا۔ اس لیے کہ جب میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ میں چند طالب علموں کے ساتھ موٹر میں روانہ ہوا تھا۔ مجھے اس کا پہلے علم نہ تھا کہ لوگ اسپیشل میں قبرستان جانے والے ہیں۔ اتوار کی شب کو میر محمد رفیق صاحب سے ملا۔ تب اس کا حال معلوم ہوا اور میں اس سے پہلے ہی موٹر کا انتظام کر چکا تھا۔ احتیاطاً ہم لوگ اسپیشل سے بھی پہلے موٹر میں لندن سے روانہ ہوئے۔ لیکن بدقسمتی سے ادھر بیچ میں موٹر رک گئی۔ اور اس کے صاف کرنے میں موٹر کے مالک کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔ جس کے باعث گھنٹہ بھر راستے میں رکنا پڑا۔ بالآخر گذرتی ہوئی ایک موٹر کے چلانے والے سے درخواست کی گئی کہ آٹوموبائل ایسوسی ایشن کے سپاہی کو آگے چل کر بھجوادیں۔ یہ مالکان موٹر کی ایک جمعیت ہے۔ جس کا چندہ دو پونڈ سالانہ ہے اور اس کی طرف سے تھوڑے فاصلہ پر عمدہ وردی پہنے ہوئے سپاہی بٹھلا دیے گئے ہیں۔ جو موٹر والوں کو راستہ بھی بتاتے ہیں اور اگر کوئی حادثہ واقع ہوجاتا ہے تو موٹر والوں کی مرہم پٹی

کرتے ہیں۔ ان کے پاس موٹر بائیسکلیں بھی ہیں۔ جن میں سائڈ کار کی جگہ ایک چلتی پھرتی موٹر والوں کی ڈسپنسری ہے۔ اس سپاہی کے آتے ہی سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور ۲۰ منٹ میں ہم بروک ووڈ (Brookwood) کے قبرستان جا پہنچے۔ ووکنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے۔ البتہ اُن کے صاحبزادے وارث امیر علی صاحب معہ اپنی والدہ ماجدہ کے اس وقت تک وہیں موجود تھے۔ چنانچہ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد میں اُن کے پاس گیا اور تعزیت کی

اس قبرستان میں ہزاروں ہی قبریں ہیں اور اس شہر خموشاں کا نام بھی (Necropolis) ہے۔ ریل کی پٹڑی اس کے اندر تک آتی ہے۔ نہایت وسیع میدان میں باغ لگایا گیا ہے جس کے چاروں طرف پختہ احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ سڑکیں۔ روشنیں چلنے پھرنے والوں کے لئے بنادی گئی ہیں۔ بلکہ گھر آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ہم کو لنچ نہ ملنے کے باعث جو چار کیوقت ووکنگ جاکر انڈے وغیرہ تلوانے پڑے۔ اس کی ضرورت نہ تھی۔ اس شہر خموشاں کے اندر ایک اچھی خاصی رسٹوران بھی موجود تھی۔ جہاں لنچ کھایا جا سکتا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا حصّہ مسلمانوں کی قبروں کے لئے ہی ہے اور ایک حصّہ پارسیوں کی قبروں کے لئے اور اسی طرح ایک حصّہ ہندوؤں کی قبروں کے لئے ہے۔ مگر سید امیر علی صاحب نے حین حیات ہی ایک قطعہ اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے

اس طرف خرید لیا تھا۔ جہاں معمول عیسائی دفن ہوتے ہیں۔ یوں تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا تھا۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا۔ لیکن الحمدللہ کہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ دفن کرتے وقت قطب نما تلاش کی گئی۔ اور ایک شخص کے پاس مل بھی گئی۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر کی سمت میں صرف تھوڑی سی کجی تھی۔ زیادہ نہ تھی اور امام صاحب نے میت کا منہ صحیح طور پر قبلہ کی سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے۔ تو قبرستان میں پندرہ بیس ہی آدمی رہ گئے تھے۔ جن میں ایک لارڈ ہیڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹنٹ گورنر سرلوئی ڈین تھے۔ لارڈ ہیڈلے کے پاس ہی ایک اور بزرگ بھی تھے۔ جن کا اسم گرامی انگلستان کے اخبارات اور رسالوں میں یا تو جنگ افغانستان کے بعد یکایک نظر آنا شروع ہوا تھا یا اب پھر دو سال سے مکہ معظمہ کی موتمر عالم اسلام کے بعد سے زیادہ تر اسی سلسلے میں پھر نظر آنے لگا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ یہ سردار اقبال علی شاہ صاحب تھے۔ چونکہ اس سے ایک ہی روز پیشتر مجھ سے ان بزرگ سے ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی۔ جس کے متعلق میں ابھی کچھ عرض کر دوں گا۔ اور مجھ سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس لئے اس بار علیک سلیک کی بھی نوبت نہ آئی۔ سرلوئی ڈین صاحب نے مجھے پہچان کر اردو میں مزاج شریف کہہ کر میرا حال

دریافت فرمایا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمدللہ کہہ کر اور اُن سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا۔ مجھے امیر علی صاحب کی قبر کا اور مسلمانوں کی قبروں کا اتنے فاصلے پر ہونا اور متمول انگریزوں کی قبروں سے اس قدر متصل ہونا کچھ زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی قبریں غالباً پہلے یہاں نہ تھیں۔ جتنے کتبے ملے۔ ان سب کو میں نے پڑھا اور معلوم ہوا کہ سب سے پرانی قبر ایک خاتون ضعیفہ احمد فارسی کی ہے۔ جس وقت یہ بیچاری دفن ہوئی تھیں اس وقت شاید کسی کے پاس قطب نما بھی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قبر کی سمت صحیح نہیں ہے۔ اس کے پاس ہی بمبئی کے مشہور و معروف اور نہایت قابل مسلمان ڈاکٹر حبیب جان محمد صاحب کی قبر ہے۔ جن کا یکایک ذیابیطس کے عارضہ میں نیشنل لبرل کلب میں انتقال ہوگیا تھا۔ اسی قبرستان میں حیدرآباد کے خطیب امجد حسین کھوکھر ضلع جہلم کے شیخ عبدالحمید اور راندھیر داؤد ابراہیم موتالا کی بھی قبریں ہیں جن میں سے موخرالذکر کا موٹر کے تصادم سے اسی سال انتقال ہوا ہے اور ان کے ایک رفیق جو اسی تصادم میں زخمی ہوئے تھے۔ اس بار ہمارے شریک سفر تھے۔ انہیں قبروں میں ایک قبر مصطفےٰ صبحی منزلوی کی ہے جو مصری تھے اسکے نزدیک قبر آغا خاں صاحب کے چچازاد بھائی اور حاجی بی بی صاحبہ کے بھائی آغا شمس الدین شاہ کی بھی ہے۔ اس قبر پر غالباً آغا خان کی طرف سے یہ عبارت کندہ کی گئی ہے۔

برادر عزیزم

ز رفتن تو من از عمر بے نصیب شدم
سفر تو کردی و من در وطن غریب شدم

آغا خاں صاحب کو کون غریب کہیگا۔ لیکن ان کی "غریب الوطنی" اب ایک ضرب المثل ہے۔ نہ معلوم اس شعر میں کس وطن کی غربت کی طرف اشارہ ہے۔ ان بڑی بڑی پختہ قبروں کے علاوہ کتنی ہی کچی قبریں بھی ہیں اور چند پر بظاہر حکومت کی طرف سے دوران جنگ میں لوح مزار بھی لگادی ہیں۔ چنانچہ حسب ذیل فوجی یہاں دفن ہیں

میں ان سب کے لئے فاتحہ پڑھ کر آیا ہوں اور ان کے نام اس لئے لکھ لایا ہوں کہ اگر "ہمدرد" کے ذریعہ سے ان کے دور افتادہ پسماندوں کو جن میں سے شاید ہی کوئی ادھر آ نکلے اطلاع مل جائے کہ ایک مسلمان ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھ آیا ہے تو غالباً انہیں خوشی ہوگی ؎

ان مسلمانوں کی قبروں میں ایک عجیب قبر بھی نظر پڑی یہ ایک ہندو سپاہی کی تھی۔ جس پہ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون کی جگہ کھدا ہوا تھا۔ نہ معلوم یہ "ادم بھگوتی" نام تو نہیں اور "ادم" کی جگہ غلطی سے فقط کھد گیا ؎

مجھے اس وقت اس کی اطلاع نہ تھی کہ یہاں ہنود کا بھی کوئی قبرستان ہے۔ اور قیاس بھی اس کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ ہنود کے مردے

تو جلا دیئے جاتے ہیں - اِس لئے صرف اِس ایک ہندو کی قبر کو دیکھ کر تعجب ہوا - اس کا نام موتی رام ۱۱۲ - انفنٹری . . لکھا ہوا تھا - جب ہم وہاں سے چل دیئے تو معلوم ہوا کہ ایک حصّہ ہنود کی قبروں کے لئے بھی ہے - اور وہاں ہنود کی قبریں بھی موجود ہیں - مسلمانوں سے کچھ ہی فاصلے پر پارسیوں کی متعدد قبریں ہیں اور یہ حصّہ بہت ہی زیادہ شاندار ہے - سب سے زیادہ عظیم الشان قبر تو واڈیا صاحب کی ہے - جس کے متعلق میں ابھی عرض کروں گا - اِس کے علاوہ ایک مسقف حجرہ کے اندر سر رتن ٹاٹا کی قبر ہے اور دوسرے میں اُن کے والد ماجد جمشید جی نوشیروان جی ٹاٹا کی قبر ہے - اس کے سامنے جمشید جی کی ہمشیرہ مسز داراب جی سکلا توالہ کی قبر ہے - جس پر اُن کا مجسمہ (صرف سر اور گردن وغیرہ) پتھر کا کھدا ہوا الٹا دیا گیا ہے - داراب جی صاحب کی بھی قبر وہیں ہے - غالباً یہ شاپور جی کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کی قبریں ہیں - مسز داراب جی کے چہرہ پر اور بالخصوص آنکھ کے پاس کسی پرند کی بیٹ پڑی ہوئی تھی - جسے میں نے وہاں سے علیحدہ کر کے صاف کر دیا - اور شاپور جی کے لئے دعا مانگی کہ یہ بہادر اور سچا ہمدرد نوع انسان اور محب وطن انسانوں اور ہندوستانیوں کی کامیابی کے ساتھ خدمت کرتا رہے ⁂

مگر دیکھنے کے قابل واڈیا صاحب کی عالی شان قبر ہے اِس

شہر خموشاں میں آنسو گرانا تعجب کی بات نہیں۔ مگر ہنسی آنا ضرور تعجب انگیز ہے۔ لیکن ہم میں سے ایک بھی اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکا جب کہ ہم نے ایک جانب اس کتبہ کو پڑھا

I am Nowrosji Noshirwanji Wadia of the ancient Aryan race of Persia. A citizen of the loyal town of Bombay who lies here peacefully under the far off sky of wide famed Britain.

(اس کا ترجمہ آپ ہی فرمائیں) نہ معلوم وہ بمبئی جس میں نریمان اور بھروچہ جیسے پارسی آج بھی ہیں۔ جس میں دادابھائی نوروجی اور فیروز شاہ مہتا اور جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا اور رتن ٹاٹا جیسے پارسی گذر چکے ہیں۔ وہ واڈیا صاحب کے اظہار وفاداری اور اس پر اس قدر اصرار کے متعلق کیا کہیگا۔ کیا بمبئی میں صرف جنس وفاداری ہی ملتی ہے حق پرستی، حب وطن اور حریت کی جنسوں کا وہاں کال ہے؟ برطانیہ کی شہرت یقیناً دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے آسمان کو کیوں "دُور" کہا گیا۔ ہر جگہ کا آسمان وہاں کی زمین سے یکساں فاصلے پر ہوگا۔ یہ برطانیہ کا آسمان اس قدر "دُور" کیوں ظاہر کیا گیا؟ اس کے کتبہ کو جس نے پڑھا۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ مگر آنجہانی واڈیا صاحب

کا اس میں قصور نہیں ہے۔ "مردہ بہ دست زندہ" بظاہر ان کے
کسی "وفادار" پسماندہ نے ان توقعات کی بنا پر جو انہیں "دور دور
مشہور برطانیہ" سے ہیں برطانیہ کے آسمان اور "وفادار" بمبئی کی زمین
کی اس طرح مٹی پلید کی ہوگی۔ لیکن یہ عبارت بظاہر کسی پارسی کی بھی
تصنیف کردہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ باقی تین جانب جو اور ہیں ان
کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو زند اوستا سے
کہیں زیادہ بائیبل پر عبور ہے۔ "اہورامزد" کا نام تو صرف ایک جگہ
آیا ہے۔ لیکن Redeemer اور Saviour father of his children
کے القاب کی تکرار کی گئی ہے اور اسی طرح Lord
God کی اور ذیل کی عبارت کو پڑھئے تو صاف معلوم ہو جائے گا۔
کہ کسی عیسائی کی تصنیف کردہ ہے

"Thou who opened the gate of the morning to ascending east. O thou Sun of Righteousness arise with healing in thy wings and lift up the light of thy countenance on us that in thy light we may see the light of life everlasting.

ہم یہاں سے چلے تو لڑکوں کو بھوک لگی تھی۔ اس لئے ووکنگ
میں داخل ہوتے ہی کا یرج ہوٹل ملا۔ وہاں موٹر روکی اور ہوٹل میں
داخل ہو کر خانساماں یا "خانم ساماں" کی تلاش کی۔ ایک میم صاحبہ

جو غالباً مالکہ تھیں - نکل آئیں اور پہلے تو چائے دینے کا وعدہ فرمایا لیکن جب میں آگے بڑھا اور میں نے پوچھا کہ غ کیئے کچھ اور بھی ہمت ہو گی یہ لڑکے بھوکے ہیں - لنچ اب تک نہیں کھایا ہے - تو انہوں نے گھبرا کر چائے دینے سے بھی انکار فرما دیا - ہم سب کا قیاس ہے کہ انہیں "شیخ" سے خوف آیا اور ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں "شیخ" اپنی عبا میں ہوٹل کے چھری کانٹے اور چمچے دبا کر نہ لے جائے یا کہیں مالکہ ہی کا مالک نہ بن بیٹھے - میں نے دو تین دن ہوئے اپنے مکان سے قریب ہی سینما میں وہ فلم دیکھا - جس کا The Shaikh son عنوان ہے اور جس میں روڈلف ویلنٹینو آنجہانی مرافش کے ایک نوجوان "شیخ زادہ" کا "پارٹ" کرتا تھا - ان فلموں کو دیکھکر کچھ تعجب نہیں - اگر ان ممالک والے اس اندیشہ سے متردد ہوں کہ اگر شیخ زادوں کی درازدستیاں یہ ہیں تو نہ معلوم خود "شیوخ" کی درازدستیاں کیسی ہوں گی - جی میں تو آیا کہ ہوٹل کی مالکہ صاحبہ کو مجبور کیا جائے - کہ قانون کی رو سے وہ ہمارا مطالبہ مسترد نہ فرمائیں - لیکن ان کی سراسیمگی پر رحم آیا اور قصبے میں آگے جا کر سٹور ان میں چائے پی گئی - سلاد کھایا گیا - اور انڈوں آملیٹ (جس کو خانساماں "مالیٹ" کہتے ہیں) لڑکوں کو کھلائے گئے (کچھ میں نے بھی لیا)

اب ذرا "سردار" اقبال علی شاہ صاحب کا حال سنیئے - آپ سے

زیادہ کون جانتا ہے کہ اِن "خوردوار" نے علی برادران کے خلاف کیا کیا زہر اُگلا ہے ۔ یہ افغانوں کے اس مشہور خاندان کے ایک سپوت ہیں ۔ جو غالباً حکومت افغانستان کے خلاف کچھ کارروائی کرکے ہندوستان کو بھاگ آیا تھا اور یہاں سردھنہ ضلع میرٹھ میں آکر پناہ گزین ہوا تھا ۔ اِس خاندان کے بہت افراد سے مجھے نیاز حاصل ہے اور بعض تو علی گڈھ میں ہمارے ساتھ پڑھے بھی ہیں "سردار" اقبال علیشاہ صاحب بھی علی گڈھ کے پُرانے طالب علم ہیں اور جب میں ۱۳ء میں سید وزیر حسن صاحب کے ساتھ یہاں آیا تھا ۔ اس وقت آپ ایڈنبرا میں تعلیم پاتے تھے ۔ امتحان تو شاید یہاں ایک بھی پاس نہیں کیا ۔ مگر ایک میم صاحب سے شادی ضرور کرلی ۔ سُنا ہے کہ ایک عرصے تک تو اُن کے والد ماجد نے جو تحصیلدار تھے ۔ کچھ روپیہ بھیجا لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ ان کے علی گڈھ کے ایک رفیق کے پاس اُنکا ایک طویل طویل خط ہے ۔ جس میں انہوں نے اپنی اقتصادی مشکلات کی داستان کو دہرایا ہے اور پھر بتایا ہے کہ کس طرح غازی امان اللہ خاں کے اعلانِ جنگ کے بعد ان مشکلات کا حل اس طرح نکل آیا کہ انہوں نے یہاں کے اخبارات کو برطانیہ کی تائید میں مضامین بھیجے ۔ جو پہلے تو مسترد ہوتے رہے ۔ لیکن بعد کو انڈیا آفس کے ایما سے (اور مجھے یقین ہے کہ "اصلاح" کے بعد) شائع ہونے لگے ۔ جب میں ۱۹۲۰ء میں پھر یہاں آیا ۔ تو یہ بھی مجھ سے ملنے آئے ۔ مگر میں نے

التفات نہیں کیا۔ البتہ حیاتؒ صاحب کی مروت نے انہیں مجبور کیا کہ ملاقات سے انکار نہ کر دیں۔ اس لئے دو ایک بار آپ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ مجھ سے دہلی میں ملے اور "کامریڈ" کے اسٹاف میں نوکری کی خواہش کی اور نمونتہً ایک مضمون بھی لکھ کر دیا۔ میں اگر اُن پر اعتماد کر بھی سکتا۔ تب بھی اس مضمون نے ان کی قابلیت کی ایسی قلعی کھول دی کہ انکو نوکری دینا میرے لئے ناممکن ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کر سکا کہ ان کے سخت اصرار پر انکے مضمون کی عبارت کو بار بار اصلاح دے کر اسے "کامریڈ" میں چھاپ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے "The New Spectator" نام کا ایک ہفتہ وار پرچہ خود نکالنا شروع کیا۔ جس کو یہ میرے نام بھی بھیجتے رہے۔ پہلا پرچہ بھیجتے وقت جو خط میرے نام ارسال فرمایا تھا۔ اس میں میرے ساتھ اپنی عقیدت مندی کا بہت کچھ اظہار فرمایا گیا تھا۔ لیکن اس پرچے کے پہلے ہی صفحہ پر آپ کا پہلا ہی نوٹ شوکت صاحب کی مذمت میں تھا۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس پرچے کی اشاعت کی غرض کیا تھی۔ نواب صاحب بھوپال کے خلاف ہر پرچے میں زہر اگلا جاتا تھا اور اُن کے بھتیجے کو ریاست کا حقدار بتایا جاتا تھا۔ چند ماہ بعد آپ نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ کا یہ پرچہ میں اپنے

لہ حسن محمد حیات صاحب بی اے علیگ (پنجابی ثم بھوپالی) وفد خلافت میں مولانا کے سکرٹری

پریس میں شائع کیا کروں۔ جس سے میں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ اس کے بعد پرچہ شائع ہونا بند ہو گیا۔ اگر کسی شخص کو یہ حسن ظن ہو کہ جو مضامین آپ کے نام نامی سے یہاں کے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ دفتر "ٹگریڈیہ" اور "ہمدرد" سے "The New Spectator" کی فائل منگا کر اپنی ضعیف الاعتقادی کی اصلاح کر سکتا ہے خیالات پریشان اور رکیک عبارت بے ربط اور ناقص یہ آپ کی حقیقی قابلیت کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کو مزید ثبوت درکار ہو تو وہ مئی یا جون سنہ ۲۰ء کی "پائونیر" کی فائل اٹھا کر دیکھ لے۔ جس میں ایک پرچہ میں پڑھنے والے کو پہلے ہی صفحے پر ایک ایڈیٹوریل نوٹ ملیگا۔ جس میں میرے ایک خط کا جو میں نے یہاں سے شوکت صاحب کے نام لکھا تھا۔ مذاق اڑایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پرچہ میری نظر سے گذرا تھا۔ لیکن اس نوٹ کے بعد ایک اور نوٹ بھی ہے۔ جس میں "سردار" اقبال علی شاہ وسط ایشیا کے Expert (ماہر) کے ایک مضمون کے متعلق جو یہاں ایک مصور پرچہ میں مع چند تصاویر کے شائع ہو چکا تھا۔ درج ہے کہ اس میں جو تصویر دی گئی ہے۔ وہ یقیناً "سردار" صاحب نے اپنے سفر کے ایام میں ہرگز نہیں کھینچی تھی نہ اس مقام کی تصویر ہے۔ جس کا سردار صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ اس سے بہت دور ایک اور مقام کی تصویر ہے اور ایک انگریز

فوجی افسر کی کھینچی ہوئی ہے۔ جو اس کی ایک تصنیف کردہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اس کے فلاں صفحہ پر موجود ہے۔ اور یہ ہمارے وسط ایشیا کے محقق ایک سارق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ کے اخبار کے بند ہونے کے بعد آپ کی میم صاحبہ ہندوستان سے ولایت کو چل دیں اور اس "جنوری" کے "دسمبر" کی طرح سالہاسال ہوئے ہیں تو ہے پھیرے پھرتے۔ جنوری تو ہے اب ماہ دسمبر ہیں ہوں آپ نے تعاقب کی ٹھانی۔ سنا گیا ہے کہ والد ماجد سے روپیہ کا پھر مطالبہ کیا گیا۔ اور جب اُن غریب نے کہا کہ میرے پاس روپیہ کہاں تو ان کو دھمکی دی گئی کہ اگر روپیہ نہیں دیا گیا تو ایک دیوانی کے مقدمے میں فریق ثانی کی طرف سے اُن کے خلاف گواہی دیدی جائے گی۔ اس پہ ان کے دوستوں نے کہا کہ بھائی کہیں سے قرض دام لے کر دیدو۔ ورنہ مقدمہ بگڑ جائیگا۔ چنانچہ کچھ روپیہ اس طرح ملا۔ اس کے بعد بمبئی تشریف لائے۔ تو حبیب الرحمان خاں صاحب (نواب صدر یار جنگ بہادر) جو یقیناً انکے والد ماجد کو ان کی علی گڈھ کی تحصیلداری کے زمانہ سے جانتے تھے۔ عازم حج نظر آئے۔ پھر کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عجیب بات ہے۔ میں بھی احرام سفر باندھ کر آیا ہوں۔ مگر جدّہ کا ٹکٹ نہیں ملتا۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ایک ٹکٹ تو میرے پاس ہے۔ چنانچہ اس ٹکٹ کو لے کر آپ نے مکّہ معظمہ کا قصد فرمایا اور انہیں کے طفیلیوں میں آپ جلالۃ الملک عبدالعزیز آل سعود ملک

الحجاز والنجد وملحقاتہا کے "مہمان" بنے اور ان سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی اور ایک دِن جو غالباً پہلا ہی دِن تھا - اُن کے ہمرکاب آپ موتمر عالم اسلام میں بطور وزیٹر کے شریک ہوئے - یہ باتیں میں نے مکہ معظمہ ہی میں سُنی تھیں - مگر چونکہ میں نے خود تحقیقات نہیں کی ہے - اِس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک صحیح ہیں - مکہ معظمہ پہنچ کر آپ ہم سے بھی مِلنے آئے وہاں پہلے ہی سے متعدد جو اسپیس "دور دور مشہور برطانیہ" موجود تھے - آپکو دیکھتے ہی ہم سب بول اُٹھے - کہ آہا - آپ بھی تشریف لے آئے - آپ ہی کی کسر تھی - کم از کم مکہ معظمہ میں تو نہ انگریزی ٹوپی "برسر" تھے اور نہ لباس انگریزی "دربر" غالباً ٹوپی تو ترکی تھی اور ریشم کا لانبا کوٹ تھا اور ٹانگوں میں شلوار - لیکن اس بدبخت کی کم نصیبی کو کیا کہا جائیگا - جو اِس طرح مفت سفر کر کے بھی حج سے دو دِن پہلے جدہ کو چل دے - اور وہاں سے عازم یورپ ہو جائے -

جو "ٹائمز" میں مضامین ماجد میاں نے مجھے ارسال فرمائے تھے - اُن میں سے ایک مضمون میں ایک عبارت ہے - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موتمر عالم اسلام کے جلسے اس ترکی قلعہ میں منعقد ہوئے تھے - جو پہاڑ پر واقع ہے - حالانکہ سارے جلسے جیاد کے میدان والی کشلہ یا تیر کی فوجی بارک میں ہوئے تھے جو اس پہاڑ اور قلعے کے نیچے واقع ہے - اِس عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مضمون کا لکھنے والا کوئی ایسا شخص ہے - جس نے اس قلعے کی تصویر ہی دیکھی ہے اور غلطی سے

ترکی کشلہ کو ترکی قلعہ سمجھ گیا ہے اور خود موتمر میں ہرگز موجود نہ تھا۔ حالانکہ "سردار" صاحب ایک دن ضرور وزیٹر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ یعنی نام تو آپ کا تھا۔ مگر کام کسی انگریز کا تھا۔ آپ کا کام صرف اس قدر تھا کہ شوکت علی محمد علی کے خلاف چند جھوٹی باتیں دل سے گھڑ کر دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ ہندوستان کے ہاں آپ فروخت فرما دی تھیں اس موتمر کے بعد آپ کے نام سے نہ شائع کر دیئے گئے ہوں گے تو ۲۰-۲۵ مضامین شائع کر دیئے گئے ہوں گے۔ اور اس کے بعد آپ کا ایک لکچر ساؤتھ فیلڈ کی اس قادیانی مسجد میں زیر صدارت سر مائیکل اوڈوائر سابق لفٹننٹ گورنر پنجاب دلوایا گیا تھا جس کے افتتاح کا وعدہ کرکے شہزادہ فیصل ابن عبدالعزیز آل سعود نے بالآخر انکار کر دیا تھا اور جس کے لئے قادیان سے میرے پاس ایک تار آیا تھا کہ میں سلطان ابن سعود کو پھر آمادہ کروں کہ اپنے صاحبزادہ کو اس مسجد کے افتتاح کی اجازت دیدیں۔ مضامین اور لکچر دونوں علی برادران کی مذمت سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس مکان کی مالکہ صاحبہ نے سب سے اُوپر کی منزل سے سب سے نیچے کی منزل میں یہ کہلوا کر طلب فرمایا کہ ایک صاحب آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور ان صاحب نے فرمایا کہ میرا نام اقبال علی شاہ ہے۔ ٹیلیفون پر جو مکالمہ ہوا۔ اب اسے سنئے۔

"سردار" اقبال علی شاہ۔ مولانا السلام علیکم۔ معاف فرمائیے گا۔

میں نے آپ کو تکلیف دی ؟

محمد علی - وعلیکم سلام -

س - ا - ع - ش - مجھے اس کا علم نہ تھا کہ آپ کو اوپر سے نیچے آنا پڑیگا - میں سمجھتا تھا کہ ٹیلی فون آپ ہی کے کمرہ میں ہے -

م - ع - ارشاد فرمایئے -

س - ا - ع - ش - فرمایئے آپ کا مزاج تو اچھا ہے -

م - علی - جی نہیں -

س - ا - ع - ش - اُمید ہے آپ نے میرا قصور معاف فرمادیا ہوگا ؟

م - علی - جی نہیں -

س - ا - ع - ش - آپ کا قلب تو نہایت وسیع ہے ؟

م - ع - مگر میرا دماغ بالکل تنگ نہیں ہے -

س - ا - ع - ش - کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوسکتا ہوں

م - علی - جی نہیں -

س - ا - ع - ش - میں تو پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ اُمید ہے کہ آپ نے میرا قصور معاف کردیا ہوگا -

م - ع - اور میں بھی پہلے عرض کرچکا ہوں کہ جی نہیں -

اِس کے بعد میں نے اِن ذات شریف کو اُن کے تمام مضامین یاد دِلائے اور انکا لکچر یاد دلایا - اور کہا کہ میں تنگ دِل نہیں ہوں

لیکن اس قدر ضعیف الدماغ بھی نہیں ہوں کہ ایسے پاجیوں سے دھوکا کھاؤں۔ مجھے تعجب ہے کہ برطانیہ کے ایسے گرگوں کو جو اس کی طرف سے ایسے گندے کام اور جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔ کیسے ہمت ہوئی کہ مجھ سے ٹیلیفون پر گفتگو کریں اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس سلسلہ کو ختم ہونا چاہیئے اور میں نے ٹیلیفون کو فوراً منقطع کر دیا۔

اب اس خط کو بھی اسی خاتمہ بالخیر پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ یہ چار ہی بیگم صاحبہ کے نام دو سطریں نہ لکھ سکوں گا۔ تمہارا جہ پٹیالہ کا لکچر اور ٹیکسی والے کی میرے ساتھ گستاخی اور اس کا ثمرہ اور اس ثمرے کا جو ثمرہ بنگالی طالب علم کو اور مجھے چکھنا پڑا۔ وہ داستان اس ہفتے بھی ملتوی رہی۔ انشاء اللہ کل پرسوں اُسے لکھ رکھوں گا۔ تاکہ اگلے ہفتے ضرور ضرور آپ تک جا سکے۔

"ہمدرد" کی اشاعت کے متعلق کوئی صاحب مجھے نہیں تحریر فرماتے۔ پرچہ ماشاء اللہ خوب نکل رہا ہے۔ خرچ ظفر الملک صاحب کی ہمت سے گھٹ گیا ہے۔ اور اس پر بھی دس صفحے نکل رہے ہیں اور بارہ کا ارادہ ہے۔ خدا اجر خیر عطا فرمائے۔ مگر یہ تو بتائیے۔ کہ قدردانی میں کس قدر اضافہ ہوا۔ اب آپ صاحبوں اور "ہمدرد" اور اسلام اور ہندوستان کے لیئے دعا پہ اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔

آپ کا بھائی محمد علی

گذشتہ جمعرات کو یعنی ۲۰ اگست کو میں دارالعوام گیا تھا۔ جمعہ کو دارالعوام کا آخری اجلاس تھا اور سکلات والا کے پیہم اعتراضوں اور سوالوں پہ لیبر پارٹی نے محض نام کے واسطے بجٹ کے سلسلہ میں ہندوستان کا مسئلہ بھی چھیڑا۔ صرف دو گھنٹے ایک شب ہندوستان کے ۳۲ کروڑ انسانوں کے لئے بھی وقف کئے گئے۔ مگر وہ بھی آخری اجلاس میں اور کنسرویٹو فرقہ والوں نے عمداً کینیڈا کو انگریزی مزدور بھیجنے کے سلسلہ میں فضول تقریریں کر کے اور وزیر محکمہ کے جواب کے بعد بھی تقریر کے سلسلہ کو جاری رکھ کر اور خلاف انتظام طے شدہ میدان کے سابق سپاہیوں کی سول سروس میں نوکری کے مسئلہ کو بھی اُٹھا کر اتنی دیر لگا دی۔ کہ ہندوستان کا ذکر خیر بجائے ۹ بجے شب کے ساڑھے دس بجے شروع ہوا اور ساڑھے بارہ بجے ختم ہو گیا۔ رات کے بارہ بجے تک کی کارروائی اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" کی فائل کے ساتھ بھیج دی ہے اور باقی کارروائی یوسف حسین خاں (برادر ذاکر صاحب جو آجکل میرے ہمراہ اسی مکان میں مقیم ہیں) خرید کر کے غالباً آج ہی آپ کو روانہ کر دیں گے۔ سکلات والے کی تقریر بے مثل تھی۔ اور وارل ونٹرٹن نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ اس کا مطلق جواب نہ دیں۔ کل مباحثہ کا حال انشاء اللہ اگلے ہفتے ارسال کر دوں گا۔

محمد علی

(۱۹)

۱۳ مارچ ۱۹۲۹ء رنگون

باتصویر جوبلی نامہ کی طبع و اشاعت میں تو مضائقہ نہیں ہمدرد کے خریداروں کے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن خود ہمدرد نے کبھی کوئی خصوصی نمبر شائع نہیں کیا ہے۔ اس لئے ہمدرد کا جوبلی نمبر مجھے پسند نہیں ہے۔ محمد علی

(۲۰)

۱۲ جون ۱۹۲۹ء

۲۵۔ راجپور روڈ۔ دہلی

پیارے ماجد میاں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

زہے سعادتِ آں بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیتِ رسول

لہ مولانا یورپ کے سفر صحت سے واپس آکر خلافت کمیٹی کے کام کے لئے مع مولانا آزاد سبحانی کے رنگون (برہما) روانہ ہو چکے تھے۔ ہمدرد کی نگرانی ابھی بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔ یورپ میں علاج کا پر مصارف سفر مہاراجہ الور کے روپیہ سے ہوا تھا۔ اب مہاراجہ کی جوبلی ہو رہی تھی۔ اور وہ لوگ چاہتے تھے کہ اجرت پر جوبلی کے مضامین ہمدرد میں شائع کرائیں۔ میں نے تار دے کر مولانا سے دریافت کیا تھا یہ اُسکا جواب ہے۔ مولانا کی جگہ کوئی دوسرا اخبار نویس ہوتا تو اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور معقول اجرت لیکر ضرور اپنے پرچہ کا ایک خاص نمبر نکالی دیتا۔

الحمدللہ کہ آپ بھی اس سعادت کو حاصل فرما کر اعزا و احباب میں آکر شامل ہو گئے۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ گیا ہوتا۔ مگر دیکھئے اب یہ سعادت کب نصیب ہوتی ہے۔ سنہ ۱۳۴۵ھ[1] سے اس وقت تک ہزاروں لاکھوں گناہوں کا بوجھ اور اپنے سر لے چکا ہوں اور اب تو بیحد شقی القلب ہو گیا ہوں۔ کاش پھر میدان عرفات میں سہ پہر کو بیٹھ کر دل کو بخشش کی امیدوں سے بھرتا۔ اور کاش پھر دیار حبیب پہنچ کر مولد سے مدفن مبارک کی طرف روانہ ہوتا اور روضہ پاک پر ندامت کے آنسو گراتا۔ اور پھر گھنٹوں وہاں بیٹھ کر آپ کی مدینہ منورہ کی ساری زندگی کا تصوّر کرتا اور قلب مضطر کو مسرور کرتا اور بعض وقت باوجود اس ادب کے جس نے مزار مبارک کے پردے کو بھی اپنے گندے ہاتھ نہ لگانے دیئے۔ پھر ایک بار عرض کرتا کہ ؎

رکھئے گا آج بھی دیدار سے محروم ہمیں
تھی جو اک حسرت پابوس بدستور ہے آج

رقص بسمل کی ذرا دیر اجازت دیجیے
حسن مسئول نہیں، عشق بھی مجبور ہے آج

عشق خود بدعت و سرمایۂ صد بدعت ہے
رحم کر رحم کہ عاشق ترا معذور ہے آج

---

[1] مولانا کا سال حج۔

اپنے والدین، بھائیوں اور بہن اور آمنہ[۱] کے لئے اور دوسرے اعزہ و احباب نیز اپنے پیر و مرشد[۲] کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے حمیدہ[۳] کی صحت کا سوال کرتا نیز اپنی صحت کے لئے بھی عرض کرتا اور ان سب سے پہلے اور سب کے بعد بھی مسلمانانِ عالم اور بالخصوص ہندوستان کے اس مہلک انتشار اور ان کی اس بے فکری کو دور کرنے کے لئے گڑگڑاتا۔ مگر یہ نصیب کہاں۔ نہ معلوم اب کب جانا ہوتا ہے۔ شریف حسین ہی کے قبضہ کو میں قبضۂ دشمن سمجھتا تھا اور جب جب موسم حج آتا تھا یہ کہہ کر دل کو سنبھالا کرتا تھا کہ ؎

کیا جاؤں کوئے یار میں لوں اذن غیر سے
ہے انتظار دیکھیے کب تک بلائے دوست

دیارِ حبیب کے متعلق ہزاروں سوال کرنا ہیں۔ مگر اس کے لئے تحریر بے فائدہ ہے۔ حسب وعدہ تشریف لائیے اور سب کچھ سنائیے! افسوس کہ نہ آپ کے جاتے وقت بمبئی پہنچ سکا نہ آپ کی واپسی پر آپ کا خیر مقدم کر سکا۔ جو حالات ہیں ان کو بالتفصیل شوکت صاحب کو لکھ چکا ہوں اس لئے کہ بظاہر وہ اب تک ان سے بے خبر تھے۔ دو دن صرف کر کے

---

[۱] مولانا کی محبوب لڑکی متوفیہ ۲۴ء مولانا کی ہمشیر کا انتقال بھی حال میں ہوا تھا۔ [۲] یعنی مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ۔

[۳] مولانا کی تیسری لڑکی اس وقت بیمار صاحب فراش۔

۱۴ صفحے کا خط لکھا نہ معلوم وہ آپ کو دکھایا گیا یا نہیں۔ یا عرفان صاحب سے آپ کو یہاں کے حالات کا پتہ چلا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ ۱۴ صفحے کا خط بھی بیکار گیا۔ اس لئے کہ شفیع داؤدی صاحب کا عجیب و غریب خط آیا ہے کہ آپ کی پریشانی سے سخت تشویش ہے۔ کوئی تدبیر سوچنا چاہیئے۔ یہاں آیئے تو سوچیں وہاں گرمی بھی سخت ہے یہاں بارش ہو گئی ہے۔ اگر حمیدہ اور بیگم صاحبہ نہ آسکیں تو آپ ہی چلے آیئے۔ شوکت صاحب سخت پریشان ہیں۔ میں نے انہیں کہتے سُنا ہے کہ I am collapsing now. جو اس سے پہلے کبھی ان کی زبان سے کسی نے نہیں سُنا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ فسادات بمبئی کی کمیٹی شہادت لے رہی ہے۔ میں سب سے کہتا تھا کہ ایک محمد علی ان سب کے لئے کافی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جس کے معنی یہی ہیں کہ بمبئی آکر فسادات بمبئی کی کمیٹی کے سامنے شہادت دو۔ اور شہادتیں دلواؤ۔ لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی کبھی معذور ہو سکتا ہوں اور آج اپنی علالت نہ سہی۔ حمیدہ کی علالت کے باعث معذور رہوں۔ آمنہ مرحومہ کی علالت کی تشخیص ہو چکی تھی۔ علاج تجویز ہو چکا تھا۔ تیمارداری کے لئے اپنی بیوی کو چھوڑ کر کہاں نہیں گیا؟ جب اس کی آخری گھڑیاں گنی جا رہی تھیں۔ اس وقت بھی مصطفیٰ کمال کو بھیجنے کے لئے ایک طول طویل تار کا مسودہ تیار کر رہا تھا اور الغائے خلافت کو لڑکی کی موت سے کہیں زیادہ اہم شے سمجھتا تھا۔ مگر یہاں تو حالت یہ

ہے کہ اب تک مرض ہی کوئی تشخیص نہ کر سکا تھا ۔ اِس لئے کوئی علاج
مفید ثابت نہیں ہو رہا تھا ۔ اب بخار روزانہ ۱۰۲ ۔ ۱۰۳ ۔ ۱۰۴ ۔ ۱۰۵
اور اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے ۔ ہر وقت متلی ہوتی ہے نہ غذا ٹکتی
ہے نہ دَوا ۔ نقاہت کا یہ حال ہے کہ دوا پینے کے لئے اُٹھنا بھی محال
ہے ۔ آج اس ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہوں ۔ کل دوسرے سے ۔ پرسوں
تیسرے سے ۔ ڈاکٹر ۔ لیڈی ڈاکٹر ۔ حکیم ۔ وید کوئی نہیں چھوٹا ۔ ملیریا ۔
دق Bacillus coli نسوانی امراض ہر ایک کے متعلق امتحان
ہو چکا اور ایک چیز ثابت نہ ہوئی ۔ ڈاکٹر انصاری اور مولوی عبدالقادر
قصوری (کار فرما پنجابی ٹولی و سر گروہ وہابیان) کے بھتیجے ڈاکٹر محمد جنید
قریشی نے سب جتن کر دیکھے اور مجبور ہو کر کہا کہ اب سول سرجن سے
آزادمائے طلب کرو ۔ چنانچہ ان کو دکھایا گیا اور صرف ایک چیز باقی رہ گئی
تھی ۔ سو انہوں نے احتیاطاً اس کی بھی فرمائش کی یعنی X-Ray
سے آنتوں کا امتحان ۔ لیڈی ہارڈنگ زنانہ ہسپتال میں بھی اس کا
سامان موجود تھا ۔ مگر سُنا گیا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر جو تصاویر لیتی ہیں
گرمیوں میں رخصت پر چلی گئی ہیں ۔ اِس لئے مجبوراً سول ہسپتال میں
حمیدہ کو لے جا کر تصاویر کھچوائیں ۔ یہ ہسپتال نہایت ہی گندہ اور
تکلیف دہ مقام ہے ۔ کوئی کمرہ ایکس رے کے کمرے کے پاس ایسا نہ
تھا ۔ جہاں مریضہ بارہ تیرہ گھنٹے رکھی جا سکے ۔ خوشامد اور کسی قدر
سختی دونوں کے استعمال سے ایک کمرہ Nurses quarters

میں سول سرجن سے کہہ کر لیا اور ۸ بجے صبح کو ایمبولنس کار Ambulance car میں ڈال کر حمیدہ کو سول ہسپتال لے گیا۔ خود نماز فجر کے بعد ہی سے گیا ہوا تھا۔ تب جا کر اس کمرے کو صاف کرایا۔ دھلوایا۔ خس کی ٹٹی وغیرہ کا انتظام کروایا۔ (پہلے Lumber Room کا کام دیتا تھا) پنکھا لگوایا گیا۔ دودھ ڈبل روٹی میں Bismuth ملا کر ہزاروں دقتوں سے حمیدہ کو کھلوایا گیا اور ہر وقت متلی کا خوف تھا۔ ایک معجزہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت سب کچھ نہ ڈال دیا گیا۔ اس لئے کہ جو غذا مرغوب تریں ہوتی تھی۔ وہ تک اسی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس دن اسی وقت نہ ڈالا۔ ایک تصویر اس وقت لی گئی۔ دوسری ایک بجے دوپہر کو۔ تیسری پانچ بجے۔ اور چوتھی رات کے آٹھ بجے۔ اس کے بعد حمیدہ کو لے کر ہم لوگ اس کوٹھی پر جو ماجد[1] نے ا رمئی سے ڈاکٹر شراف کے ولایت جانے پر اُن سے پانچ ماہ کے لئے کرایہ پر لی ہے۔ چلے آئے۔ دوسرے دن صبح کو ۸ بجے پھر ہسپتال گئے۔ اور پانچویں تصویر کھچوائی۔ اِن تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ غذا کتنی دیر آنتوں میں گھومتی ہے۔ پانچ بجے کے بعد دودھ کی برف دی گئی تھی۔ وہ آدھ گھنٹے بعد ڈال دی گئی اور متلی پھر ہر روز کی طرح ہوتی رہی۔ ڈاکٹر نعیم انصاری نے جو ابھی دہرہ دون میں ایکس رے

---

[1] ماجد علی خان۔ حمیدہ بی کے شوہر۔

کا کام سیکھ رہے تھے - کہا کہ یہ تصاویر اچھی نہیں بنیں اور تقریباً سو
روپیہ بیکار ضائع ہوا - سول سرجن ان کو ناقص تو نہیں بتاتے - مگر
ان سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچے - البتہ گمان کرتے تھے کہ آنتوں میں ق
ہے - نعیم انصاری کی صلاح تھی - کہ دہرہ دون میں پھر تصاویر لیجائیں
مگر جس دن یہ تصاویر لی گئیں - اسی دن سول سرجن نے احتیاطاً
Bacillus Coli کے امتحان کے لئے پھر قارورہ بھیجا یا تھا اور
گورنمنٹ کے Analyst کی رائے ہے کہ Bacillus Coli کی
Cultural Growth ہوئی - حالانکہ اواخر مارچ میں ڈاکٹر
سین نے قارورہ کا امتحان کیا تھا تو باوجود ڈاکٹر انصاری کے گمان
کے رپورٹ کی تھی Cultural Growth نہیں ہوئی - اور یہ
بیسی لس موجود نہیں ہے - اس رپورٹ کے بعد علاج میں بالکل کایا
پلٹ ہو گئی ہے - اور اب پھر Bacillus Coli کا علاج
جاری کیا گیا ہے - حالانکہ ڈاکٹر انصاری اور قریشی اس علاج کو چھوڑ چکے
تھے - اب اسی قارورہ سے Vaccine تیار ہو رہا ہے - اور چار
پانچ روز کے بعد مل جائیگا تو ٹیکے لگوانے شروع کئے جائیں گے - ڈاکٹر
انصاری نے پہلے پہاڑ جانے سے روک دیا تھا - ورنہ اپریل ہی میں
منصوری بھیج دیا جاتا - مگر اب تاکید ہے اور سول سرجن زور دے رہے
ہے - ماجد بیچارہ صفدر علی صاحب قدوائی کے . . . کے باعث
سخت پریشان ہے - حکم کے سامنے مقدمہ ہو رہا ہے اور کوئی امید تصفیہ

کی نہیں اور انہوں نے سب ریاستوں کو لکھ کر بلوں کی ادائیگی رکوا دی ہے - خود وقتاً فوقتاً اپنے لیے - اپنی بیوی بچوں کے لئے اور نیز اپنی ایک ..... تک کے لئے رقمیں لیتے رہے مگر اب Malarial Suppliers کی Firm ماجد کی Bills کے نام آ رہی ہیں - اور چار پانچ روز سے سخت تقاضے ہو رہے ہیں اور روپیہ ہر جگہ بند پڑا ہے - وہ مارا مارا پھرتا ہے اور میں بھی کوچہ چیلاں میں اپنا بندھا بندھایا سامان چھوڑے ہوئے یہاں تیمارداری کرتا ہوں اور رات کو پہرہ دیتا ہوں - اب پہاڑ بھی مجھ ہی کو جانا پڑے گا - یہاں ہی مکان کو تبدیل کرنا چاہتا تھا مگر پریس کو اکھڑوانا ناممکن ہے اس کی فروخت کی اجازت Debenture holders سے لینا ہے اور پھر فروخت کرانا ہے - مگر مالک مکان صرف پریس کا حصہ کرایہ پر پہلے کی طرح نہیں دیتے - اور وہ بہت ہی سست مجھے گھر سے نکال رہے ہیں - مگر میرا نکلنا آسان نہیں - پریس کو کہاں لے جاؤں ؟ کل وکیل کی معرفت ان کا نوٹس آیا ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں خالی کر دو - یہ تو تھا ہی - اب منصوری میں مکان کی تلاش ہے - اور اگر وہاں گیا تو پریس کو فروخت کون کرے گا ؟ ان حالات کو پیش نظر رکھئے اور شفیع داؤدی صاحب کے اس تدبیر کو سوچئے - کہ اس لڑکی کو یوں ہی چھوڑ کر بمبئی چلے آؤ - اور فسادات بمبئی کی شہادتیں دلواؤ ؞

میری صحت اب ایسی ہے کہ مجھ کو بھی اب زندوں میں نہ سمجھئے -

اس پر بھی آریہ سماج راجپال کے قتل کے بدلے میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور ابھی لاہور سے اس Red letter کے لونڈھ نے ایک Carbon Paper copy ارسال فرمائی ہے کہ چونکہ تم نے علم دین کی مدد نہیں کی ہے اس لئے ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے[1]۔ دونوں پاؤں بیکار ہیں اور روز حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ بائیں آنکھ پہ پانی آ رہا ہے اور Contract بن رہا ہے۔ ہاتھوں میں لکھتے وقت اور یوں بھی احساس کی کمی ذرا سی معلوم ہوتی ہے ؎

سب سے آخر میں رزق کا سوال ہے اور نہیں جانتا کہ جو روپیہ آج ہے اس کے ختم ہونے پر کہاں سے آئیگا۔ چاہتا تھا کہ ایک سال کے لئے قوت لایموت کا سامان ہو جائے تو ایک کتاب انگریزی میں اور ایک اردو میں اسلام پر لکھوں۔ پچھلے سفر کے حالات اس سے پہلے لکھ ڈالوں اور کچھ روپیہ سال بھر کے لیئے کما لوں مگر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

---

[1] لاہور کے ایک آریہ سماجی کتب فروش راجپال نامی نے رسول کریمؐ کی شان میں ایک نہایت گستاخانہ کتاب لکھ ماری تھی مسلمان قدرتاً سخت مشتعل ہوئے اور ایک پُر جوش پنجابی علم الدین نے جا کر اس گندہ دہن کو قتل کر ڈالا۔ مقدمہ چلا اور فیصلہ وہی ہوا جو غیر اسلامی قانون اور غیر اسلامی عدالت کو کرنا ہی تھا۔ اب مولانا کی قوم کے لوگ اپنے مولانا ہی سے بیزار ہونے لگے۔ کہ انہوں نے علم الدین کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کی ؎

برما سے واپسی پر مولانا . . . صاحب ایک . . . پر لٹو ہو گئے رنگون ہی میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر حسن پرستی اور غزل گوئی کیا کرتے تھے - اب تو جہاز پر بھی غزل کا زور شور تھا - انہیں کی طرح مجھ سے دو شعر زبردستی نکل آئے - میں تو سوائے جیل خانے کے کہیں اور شعر نہیں کہا کرتا - مگر واپسی میں ریل میں یہ دو شعر نکلے - انہیں سے میری حالت کا اندازہ کر لیجئے - وہ یہ ہیں

ہوا محسوس جب سے - ہے خوشی تیری خوشی اپنی
نہ اپنی موت ، موت اپنی ، نہ اپنی زندگی اپنی
کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے ، پھر تو ہی بتلا دے
اسے بے چارگی تیری کہوں یا بے کسی اپنی؟

آپ کا تار آتے ہی گمان ہوا کہ آپ اسی دن یا دوسرے تیسرے دن بچیوں کو لینے حیدرآباد جا رہے ہوں گے - اس لئے تار کا جواب نہ دیا - اب بیمہ کے ساتھ . . . اور خط ملا - حیران ہوں کہ رسید کہاں بھیجوں اور اس عطیہ کی شکایت اور پھر شکریہ کس پتہ پر ارسال کروں جب ہمدرد کے آخری پرچہ کی طلبی کا کارڈ لکھنؤ سے آیا[1] - تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد جا رہے ہیں - آج . . . وقت نکال کر بڑی مشکل سے یہ خط لکھا ہے اور دریاباد بھیج رہا ہوں - کارڈ جعفری کو بھجوا دیا -

---

[1] میری اس سفر حج کی غیر حاضری کے زمانہ میں مولانا ہمدرد کو بند کر چکے تھے

اور تاکید کر دی کہ اس کی تعمیل کر دو - مگر نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا - دفتر کا سارا سامان بریس کے حصہ میں بند پڑا ہے - کل نماز جمعہ کے لئے شہر جاؤں گا تو کوشش کر کے اپنے فائل میں دیکھوں گا کہ شاید اسی میں اوپر وہ پرچہ مل جائے مگر ؎

جلا ہے جسم جہاں ، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

آپ نے روپیہ کیوں بھیجا؟ خدا گواہ ہے کہ صرف اس خیال سے کہ آپ بُرا مانیں گے - اُسے واپس نہیں کیا - حمیدہ بی کو اسی وقت دے دیا - مگر وہ اور اُن کے شوہر بھی واپس کر رہے تھے - بڑی مشکل سے روکا ہے - اگر آپ مجھ سے دوستی قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدارا یہ ہرگز نہ بھیجئے - ہاں جب ضرورت ہوگی اور میرے مصارف آپ سے کم ہوں گے تو ضرور منگوالیا کروں گا - شکایت کے بعد شکریہ بھی قبول ہو - جِجن بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب - بچیوں کو پیار - خدارا جلد آؤ - اگر منصوری گیا تو وہاں بلاؤں گا - جس میں اور زحمت ہوگی - اگر یہیں آجاؤ تو کیا اچھا ہو - دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سُننے کو کان ؛

لیجئے - ابھی خط ختم کیا تو صفحات بے ترتیب ہو گئے اور پاؤ گھنٹہ میں ترتیب دے سکا - اور ابھی اطلاع ملی کہ حمیدہ کا بخار بہت بڑھ گیا اور جاڑا آگیا - دعا کیجئے - خدا رحم کرے آپکا دلدادہ محمد علی

(۲۱)

۱۵ / جولائی ۲۹ء البرٹ لاج منصوری

برادر محترم مکرم حاجی الحرمین الشریفین ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے خط پیہم آرہے ہیں۔ کارڈ آرہے ہیں اور یہاں سے ایک حرف بھی جواب میں نہیں جاتا۔ پہلے آخری بات سنیئے۔ پھر ابتدائی مراحل طے کروں گا۔ ڈاکٹر انصاری و سول سرجن اور ڈاکٹر بجرا اور ایک لیڈی ڈاکٹر مسنز ڈالٹن نے خوب دیکھ لیا اور آخری جواب دیدیا۔ صرف مجیب الدعوات کے جواب کا انتظار ہے اس لئے نہ بمبئی جا سکا نہ اس وقت تک دہلی جا سکوں گا۔ جب تک مجھے اپنے "حکیم" سے جواب نہ مل جائے۔ دن اور رات ہم لوگوں کو مریضہ کی چارپائی کے پاس ہی گذر رہے ہیں۔ جس کو جس وقت کچھ سونے کو مل جاتا ہے سو لیتا ہے۔ ایک انگریزی نرس دن بھر رہتی ہے مگر یا اثر نہیں۔ مجھی کو اصرار کرکے دوا (حقیقتاً دوا نہیں بلکہ غذا اس لئے کہ اب یہی دوا رہ گئی ہے) پلانا پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہے کہ ایک طرف سے شوکت صاحب بمبئی کسی ملکی یا ملی کام کے لئے بلاتے ہیں۔ دوسری طرف شفیع داؤدی صاحب سے تقاضا کرایا جاتا ہے۔ تیسری طرف سیٹھ سلیمان مٹھا اسی پر اصرار کرتے ہیں۔ اور مجھے میرے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے ہیں۔ اس وقت بظاہر میرا اسلامی فرض یہی ہے کہ

مریضہ کی پٹی کے پاس بیٹھوں۔ پرادرم کیا کہوں بعض وقت نماز تک قضا ہو جاتی ہے۔ اِس لئے براہِ کرم آپ منصوری ہی تشریف لائیے میرے دہلی جانے کا کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میں سہارنپور کو لکھنے ہی والا تھا۔ کہ کارڈ ملا کہ دریاباد ہی کو خط لکھو۔ چنانچہ دریاباد کو لکھ رہا ہوں۔

اب ابتدائی مراحل سنئیے۔ ڈاکٹر انصاری اور زفرلشی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ (پہلے Bacillus coli کا پھر آنتوں کی دق کا علاج کیا تھا)، تو انہوں نے کہا کہ اب سول سرجن سے رجوع کرو اور اس کو آزادانہ رائے قائم کرنے دو۔ اس نے بھی کوئی رائے قائم نہ کی بلکہ کہا کہ ہر چیز کا تو تم امتحان کرا چکے ہو۔ آنتوں کی تصویریں بھی لوالو۔ اِس لئے بڑی سخت محنت اور رگفت و شنید بلکہ تہدید کے بعد نیم انگریز نرسوں کے کمروں میں ایک کمرہ گودام کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ وہ ملا۔ ورنہ دھوپ اور لو میں پچاس گز اسٹریچر پر اسے ایک نہایت ہی تنگ۔ مردوں سے گھرے ہوئے Private X-Ray Room سے اس کے کمرے میں لانا پڑتا۔ سخت محنت کے بعد اس کو صاف کرایا۔ اس میں پنکھے اور خس کی ٹٹی کا انتظام کرایا گیا سب سے مشکل مریضہ کو وہ دودھ ڈبل روٹی کھلانا تھی۔ جس میں Bismuth بہت سا ملایا گیا تھا۔ تاکہ تصاویر میں دیکھا جا سکے کہ چار چار گھنٹے بعد کھاتا کس کس جگہ نظر آتا ہے۔ رو رو کر مریضہ

نے کھانا کھایا - خدا کا بڑا شکر تھا کہ کھاتے ہی ڈال نہ دیا - اس لئے کہ رونہ یہی ہو رہا تھا - بہر حال تصاویر اس دن صبح کو آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک لی گئیں - پھر دوسرے دن صبح کو آٹھ بجے لی گئیں - اور ان تمام پریشانیوں اور دقتوں کے بعد نعیم انصاری نے ان کو دیکھ کر کہا کہ بیکار ہیں - سول سرجن نے تو کوئی خرابی ان میں نہ بتائی - مگر مرض کے متعلق مذبذب تھے Bacillus coli کے لئے قارورہ کا امتحان اواخر مارچ میں ہو چکا تھا - مگر کچھ نہ نکلا تھا - احتیاطاً سول سرجن نے سرکاری Laboratory میں امتحان کرایا اور میجر تلسی رام آئی - ایم - ایس نے فرمایا کہ ہے اور اسی بنا پر Auto Vaccine تیار ہوا اور ٹیکے لگوانا پھر شروع کئے اور یہی تشخیص قرار پائی کہ B. coli ہے - جو پہلے انصاری صاحب کا بھی قیاس تھا - جس کی بنا پر انہوں نے Stock Vaccine سے ٹیکے لگوائے تھے - اور یہ نتیجہ دیکھ کر قیاس کیا تھا کہ آنتوں کی دق ہو گی - سول سرجن کا اصرار تھا - کہ دہلی کی لو سخت مضر ہے پہاڑ جاؤ پہاڑ جاؤ - ماجد کا روپیہ الور میں پھنسا ہوا تھا اور صفدر علی صاحب کی عنایت سے ان کا دیوالہ نکلا جا رہا تھا - وہ الور گئے تھے - بڑی مشکل سے دو ہزار

لہ وہی مولانا کے داماد جن کی بیوی بستر مرگ پر ہیں ؛

روپیہ (چالیس پچاس ہزار میں سے ملے)، تو منصوری میں مکان کے لئے انتظام کیا جانے لگا۔ میں پہلے ہی سے نصف مصارف ادا کرنا طے کر چکا تھا۔ سول سرجن نے اس قدر اصرار کیا کہ دہرہ دون تو فوراً لے جاؤ۔ وہاں جا کر مکان ملنے کا انتظار کرنا۔ چنانچہ یکایک ۱۹ جون کو فیصلہ ہوا کہ ۲۰ کی شب کو چل دیں گے۔ میں نے ۱۹ ہی کو کہ عشرہ محرم تھا۔ قرول باغ میں مکان تلاش کر کے مغرب کے وقت مالک سے کرایہ وغیرہ طے کیا اور ۲۰ کی صبح کو خود ہی جا کر ۵ موٹر لاریوں اور ۸ ٹھیلوں میں سب سامان دہلی سے قرول باغ کو ڈھلوایا۔ اسی دن رخت سفر باندھا۔ اسی دن اور گزشتہ شب میں Through carriage میں ایک درجہ reserve کرایا (جو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ گاڑی دہلی سے نہیں لگتی بلکہ جھانسی سے لگتی ہے) اور اسی شب کو مریضہ ماجد کے بچوں اور اپنے اہل و عیال کو لے کر دہلی سے روانہ ہو گیا۔ پانچ دن دہرہ دون پڑا رہنا پڑا۔ اور سخت تکلیف رہی۔ اس لئے کہ گرمی تھی اور اس مکان میں پنکھے نہ تھے۔ مریضہ کے سر پر رکھنے کے لئے برف مشکل سے ملتا تھا۔ ماجد کو معمولی کرایہ کا مکان نہ مل سکا۔ مگر ایک بیش کرایہ مکان والی کو کرایہ دار نہ مل سکا تھا۔ اس لئے کہ اس کی دو منزلہ کوٹھی جو ڈیڑھ دو ہزار کو جاتی تھی۔ سات سو میں مل گئی۔ مگر ہمارے لئے تو یہ بھی ہزاروں تھے۔ ۲۶ کو مریضہ کو لے کر میں یہاں آیا۔ سول سرجن کا علاج شروع

ہوا - یکم جولائی کو ڈاکٹر انصاری بیچارے گورکرن ناتھ معرا کو دیکھنے یہاں آئے تھے - چونکہ اصلاح مرض مطلق نہ ہوئی تھی - اِس لئے سول سرجن نے انہیں بھی دکھایا اور دونوں کی رائے ہوئی کہ Bacillus Coli نہیں ہے - اور غالباً آنتوں کی دق ہے - اب اس کا علاج پھر شروع ہوا اور جب افاقہ نہ ہوا تو لیڈی ڈاکٹر کو بھی دکھایا گیا اور اب قطعی رائے ہوئی کہ آنتوں کی دق ہے اور ڈاکٹروں کے تیور بدلے اور اُمید کم نظر آنے لگی - جب اس کے بعد بھی حالت خراب ہوتی گئی تو سول سرجن سے کہہ کر ڈاکٹر بجر سے بھی مشورہ لیا گیا - گذشتہ جمعہ کو یعنی پرسوں اُنہوں نے کہا کہ کوئی امید نہیں ہے ایک ہی موقع اصلاح کا ہے کہ ہم پیٹ پھاڑ کر دیکھیں کہ وہ کیا چیز ہے جو حائل ہو گئی ہے اور کھانے کو آنتوں میں نہیں جانے دیتی - ہر چیز جو کھائی جاتی ہے ڈال دی جاتی ہے مگر مریضہ میں اب اتنی جان باقی نہیں ہے کہ یقیناً اس کی متحمل ہو سکے - غالباً صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے گی اِس وقت شوکت صاحب کو تار دیا گیا - کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا ہے کہ امید باقی نہیں ہے - ہماری امید خدا پر ہے - ہفتہ کو حالت کسی قدر اچھی رہی اور مریضہ نے اتوار کو ہوا خوری کے لئے علی الصباح ڈانڈی اور رکشا میں جانے کے لئے اصرار کیا - اور کپڑے بدلے کہ دفعتاً Hysteria کا سخت دورہ پڑا اور حالت اتنی خراب رہی کہ رات ہم لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی - عجیب بات یہ ہے کہ کل ہی

ماجد کی پہلی اہلیہ مرحومہ کی برسی تھی اور مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں
اسی طرح نہ ہو کہ میرے سسر عظمت خاں صاحب اسی شب میں
انتقال کیا۔ جس کی مغرب کے وقت میرے والد مرحوم کی برسی کی فاتحہ
ہو رہی تھی ۔

حکیم محمد احمد صاحب کو دہلی سے بلایا ہے۔ کل نہیں تو پرسوں
غالباً آئیں۔ دیکھئے اس وقت تک کیا ہوتا ہے۔ آپ آنے میں
تکلف نہ کریں۔ آپ گھر والے ہیں۔ مہمان نہیں ہیں۔ پوری ایک
منزل مکان کی خالی ہے اور آپ تسکین و تسلی دے سکیں گے۔
میں آپ سے ناراض ہوں کہ باوجود میرے لکھنے کے آپ نے
. . کا بیمہ اپنی خورشید امن صاحبہ کے نام سے بھجوادیا۔ آدھ
گھنٹہ کھوئے بغیر سوچتا رہا کہ واپس کروں یا نہیں۔ وہ آپ کی
امانت رکھی ہوئی ہے۔ مختصراً سب کو سلام دعا پیار۔

آپ کا پریشان حال مگر صابر و شاکر بھائی
محمد علی

(۲۲)

تار

منصوری

۲۰ رجولائی ۱۲ ربج کر ۲۰ منٹ

حکیم محمد احمد خاں کو دہلی سے دوبارہ بلوایا گیا۔ نسوانی شکایات
تشخیص کیں۔ علاج قابلہ کے ذریعہ سے بتایا۔ بچ جانے کی اُمید

تو ولا رہے ہیں۔ لیکن حالت ہے بدستور نازک۔ٹ محمد علی

(۲۳)

تار

۲۱ر اگست ۸ بجکر ۳۵ منٹ دہلی

کیا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جنوبی افریقہ کی روانگی سے پہلے ملاقات ہو سکے۔ روانگی ۲۳ر کو ہے لے محمد علی

(۲۴)

۲۸ر اکتوبر ۲۹ء گلی قاسم جان۔ دہلی

جناب مکرم۔ السلام علیکم

دہلی میں علماء و زعما کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کہ ۲۷ر اکتوبر ۲۹ء کو ایک مجلس مشاورۃ منعقد کی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک وفد لے جانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو وائسرائے اور ان کی حکومت کا طرز عمل مسلمانوں کے اس عام جوش

لے میرے جوابی تار کا جواب ہے ؂

ٹ یہ دوسری بیٹی بھی عاشق زار کو دلشاد تڑپتا چھوڑ چل بسی تھیں۔ کامریڈ اور ہمدرد دونوں پہلے بند ہو چکے۔ غمزدہ اور اپنے سن سے کہیں زیادہ بوڑھے محمد علی شہر سے باہر حمیدہ مرحومہ کے شوہر ماجد علی خان کی کوٹھی میں مقیم ہیں۔ جنوبی افریقہ کے غیور مسلمانوں نے مولانا کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے ؂

وخروش کے متعلق معلوم کرے - جو مسلمانوں میں شاردا ایکٹ کے نفاذ سے اپنے تئیں مستثنیٰ کرانے اور شریعت اسلامیہ کو مداخلت سے محفوظ رکھنے کے باب میں پھیلا ہوا ہے اور یہ کمیٹی ان مسلمانوں کی ایک کانفرنس منعقد کرے جو اس مقصد سے اتفاق رکھتے ہوں - چنانچہ ابتدائی کام کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنادی گئی۔

جناب والا بھی اس کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے ہیں - اُمید ہے کہ جناب جائنٹ سیکرٹری کے پتہ پر اپنی منظوری سے اطلاع بخشیں گے بذریعہ تار جواب مرحمت فرمایئے -

(مولانا) محمد علی صدر - قرول باغ - دہلی[1]

(۲۵)

۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء - دارالخلافت - لولین - نزد بائیکلا برج - ہنرگاؤں - بمبئی

برادرم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

آپ کے تین کارڈ اور آج ہی جبکہ آپ کو عریضہ لکھنے والا تھا - ایک لفافہ بمعہ سب مجھے موصول ہوئے - چونکہ لکھنے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے - اس لئے ارادہ کیا تھا کہ جب گلنار[2] کی شادی کی تاریخ

---

[1] گشتی خط ہے۔

[2] مولانا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جن کی شادی شعیب قریشی صاحب کے ساتھ طے پائی ہے۔

مقرر ہو جائے گی تو آپ کو بلالوں گا اور زبانی لکھے پڑھے گفتگو میں سب کچھ کہہ دیا جائیگا۔ مگر گلنار کی شادی کی تاریخ شعیب کے اور ہم سب کے رفیق شفیق عبدالرحمٰن[1] صدیقی کی ولایت سے آمد پر موقوف ہے اور متعدد تاروں کے تبادلے کے بعد وہ یورپ سے ۱۰ اپریل کو تو چل پڑے۔ مگر زیارت روضہ پاک اور حج بیت اللہ کے بعد ہندوستان پہنچیں گے۔ اور ہم سب اسی اُمید پر جی رہے ہیں کہ وہ ذی الحجہ ہی کی کسی تاریخ کو دہلی پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ محرم میں شادی نہ ہو سکیگی اور صفر میں حمیدہ مرحومہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ زمانہ بھی ناموزوں ہو گا۔ یوں تو کون عبدالرحمٰن کے حج سے خوش نہ ہو گا بالخصوص جب کہ ان کی صحت بالکل غارت ہو گئی ہے اور وہ متعدد امراض میں گرفتار ہو گئے ہیں اور سخت تکالیف اور درد میں مبتلا ہیں۔ لیکن ہم سب چاہتے ہیں کہ گلنار کی شادی جلد سے جلد ہو جائے۔ اور صرف عبدالرحمٰن ہی کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے ورنہ مارچ ہی میں عقد کر دینے کا خیال تھا۔ خط اب تک نہ لکھنے کی وجہ میں نے بیان کر دی مگر اب خط لکھ رہا ہوں تو باوجود آنکھوں کی بصارت اس درجہ تک کھو بیٹھنے کے جی نہیں مانتا۔ کہ مفصل خط نہ لکھوں اور سب باتوں کا جواب نہ دوں اور کچھ شکایات بھی نہ کروں جو ایام سرما

---

[1] عبدالرحمٰن صاحب سندھی بی۔ اے علیگ سابق منیجر کامریڈ شعیب صاحب کے خاص دوست۔

میں دل کو جلا رہی ہیں ؎

پہلے اسراف کے متعلق سُن لیجئے - اب میرے پاس ہے ہی کیا جو گلنار کی شادی میں اسراف کروں گا - برادرم . . . میں نے پہلے بھی اِن رسوم میں اسراف سے کام نہیں لیا تھا - زہرہ اور آمنہ مرحومہ کی - نہ اِن دو بچیوں کی کبھی کوئی رسم ادا کی جو اس اسراف کا الزام مجھ پر لگ سکتا ہے - چونکہ نہ عقیقہ میں نہ بسم اللہ میں - نہ نشرہ میں نہ منگنی میں کوئی رسم ادا کی تھی - اور در حقیقت اس زمانے کا اکثر حصہ قید و بند میں گزرا تھا - رسم ادا بھی کس طرح کرتا - صرف نکاحوں کے موقعوں پر میری اہلیہ نے کچھ خوشی منالی - وہ بھی نہ اس طرح کہ ناچ رنگ ہوا ہو یا شب گشت ہوئی ہو یا کسی اور طریقہ پر برات نکلی ہو - جب سے پہلی دو بچیاں پیدا ہوئی تھیں - ان کی ماں عورتوں کے طریقہ پر اُن کے لئے کچھ نہ کچھ میری نہایت محدود تنخواہ میں سے بناتی یا خریدتی ہی رہتی تھی اور وہ بھی زیور نہ تھا بلکہ معمولی روزمرہ کے استعمال کے کپڑے اور برتن بھانڈے - جب میں اکتوبر ۱۹۲۰ء میں یورپ سے واپس آیا تو ایک لڑکی ۱۸ کی تھی اور دوسری ۱۷ سے کچھ ہی کم ہوگی - میں تو ایک ہی کا نکاح کرنا چاہتا تھا اور اس کا بھی اس وقت نہیں - لیکن میری بیوی نے سب انتظام

؎ میں نے بر بنائے اخلاص و نیازمندی بغرض کیا تھا کہ ہر طرح کے اسراف سے احتیاط رہے ؎

میرے ولایت سے آنے سے قبل ہی کر لیا تھا اور انہوں نے کہا کہ تمہارے قید و بند کا زمانہ اب پھر آگیا - میں تنہا دو جوان لڑکیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتی - دو مسلمان نوجوانوں کو اس ذمہ داری میں شریک کرتی ہوں - آمنہ کی عمر ابھی اٹھارہ کی نہیں ہے جس سے قبل تمہارا ارادہ کسی لڑکی کے نکاح کا نہ تھا - لیکن اس کو ہسٹیریا کا مرض ہو گیا ہے اور حکیم اجمل خاں صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے ہے کہ نکاح کرنا ہی بہترین علاج ہے - دوسرے اتنا روپیہ کس کے پاس ہے کہ ہر سال ایک نکاح کیا جائے - میں ان دلائل سے قائل ہو گیا اور نکاحوں کی اجازت دی - مگر مجھ کو جامعہ ملیہ کے آغاز کے باعث ایک منٹ کی فرصت نہ تھی - اس لئے نکاح سے دو تین روز پیشتر مہمان داخل آکر مرادآباد میں معظم صاحب اور عبدالسلام اور مسعود کے مکانوں میں بیٹھ رہا - سوائے مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کو بھی مدعو نہ کیا - انصاری وغیرہ دہلی سے بلا دعوت کے آگئے اور کچھ دے ہی گئے - مہمانوں کو معمولی کھانا کھلایا گیا - صرف رامپور سے برات آنے پر انہیں ریشم کا پلاؤ - زردہ - قلیہ - قورمہ کھلا دیا گیا - جو بہ ظاہر نکاح کے کھانے کے لئے اسی طرح ضروری ہے - جس طرح عیدالفطر کے لئے سویاں اور شب برات کے لئے حلوا - میں نے اس شادی میں بجز شرکت کے کوئی حصہ نہیں لیا - اس لئے مجھے حق بھی نہ تھا کہ بیگم صاحبہ سے جن کے حسن انتظام کے ہم سب قائل ہیں

کچھ کہتا - یہ تھی میرے گھر کی پہلی رسم - آمنہ مرحومہ اور والدہ ماجدہ مرحومہ کی ہوئیں دوسری اور تیسری رسم تھیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اسراف سے کام لیا۔ درحقیقت کوئی رسم ادا نہیں کی گئی اور جو کچھ کیا بھی گیا تو خیرات نقد کی گئی اور جمعیتہ خلافت وغیرہ کی نذر کر دی گئی - یا محلہ کی مسجد میں برقی روشنی کا انتظام کر دیا گیا جو الحمد للہ اس وقت تک جاری ہے - آمنہ کا سارا زیور خلافت کو دے دیا گیا۔ یہی بڑی خیرات تھی - چوتھی رسم حمیدہ مرحومہ کی شادی تھی جو بڑی دو بہنوں کے تقریباً آٹھ برس بعد ہوئی - اس کے لئے بھی باوجود ہماری قید و بند کے میری بیوی نے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا تھا - مگر وہ انہیں کافی معلوم نہ ہوا اور نہ معلوم مرحومہ کو اپنی آنے والی موت کا پہلے ہی سے کچھ اندیشہ تھا یا کیا (اور ہو بھی تو کیا عجب ہے کہ تین سال سے حرارت اور درد گردہ میں مبتلا تھی اور حکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور انصاری دونوں کا اصرار تھا کہ شادی کے بعد ہی نسوانی علاج ہو سکیگا - کیونکہ اس نے گھر میں آئی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کو فیس دے کر امتحان اور معائنہ کے بغیر رخصت کر دیا تھا) خود مرحومہ نے کسی نہ کسی طریقہ پر اپنی ماں پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ دھوم دھام چاہتی ہے - میرے پاس کچھ نہ تھا - ایک صاحب نے ڈیڑھ یا تین سو روپے دیئے تھے - مدراس کانگریس میں اسی کی عمدہ کھدر خرید لی تھی اور ایک دوست کی دکان سے چینی کے برتن اور گلاس وغیرہ

قرض لے لئے تھے۔ اور بس۔ مگر اس کی ماں نے اپنے بھائی معظم کو لکھا کہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے ۲۲ برس میں انہوں نے ایک بار کوئی دو ہزار روپیہ آمنہ مرحومہ کے مکان کے لئے زمین خریدنے کو لئے تھے۔ جو اب تک یوں ہی پڑی ہے اور ایک بار ۱۹۲۶ء میں اپنے اور میرے حج کے لئے دو ہزار لئے تھے۔ اب انہوں نے تین ہزار معظم کو لکھ کر منگوائے اور ساری خرید و فروخت خود کی۔ اِس بار چونکہ ماجد مالی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ اِس لئے رام پور سے بھی سب عزیزوں کو نہ بلایا گیا۔ معظم کی بیٹیاں اور میری بہن اور شوکت صاحب کی بچیاں ہی شریک ہوئیں۔ باہر سے بھی کسی کو مدعو نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک شب کو دہلی سے کوئی سو پچاس احباب کو کھانے پر مدعو کر لیا گیا۔ یہی اسراف ہوا تھا یا مرحومہ کے لئے کچھ کپڑا لیا گیا تھا۔ پہلے اسراف کا کفارہ یہ کیا گیا کہ جامعہ ملیہ کو پانسو، جمعیت خلافت اور جمعیتہ العلماء وغیرہ کو چند سو نقد دیئے گئے۔ دوسرے اسراف کا کفارہ یہ کیا جا رہا ہے کہ مرحومہ کے کپڑے اور برتن بھانڈے غریب لڑکیوں کو ان کے عقد نکاح کے موقعوں پر دیئے جا رہے ہیں۔ الحمد اللہ خیر مطلاً۔ گلنار کی شادی کی مجھے سب سے زیادہ خوشی ہے کہ شعیب جیسے صالح مسلمان کے ساتھ خاندان کی رسم کو توڑ کر جوڑا جا رہا ہے۔ اور خدا اس کی عمر دراز کرے۔ توکل تو خدا ہی پر ہے لیکن اب اپنی صحت کا خیال کر کے بھی قدرے مطمئن ہوں۔ کہ اس مذاق

حقیقی نے جو مسبب الاسباب ہے - میری بیوی اور بچیوں کے لئے
ایک یار و مددگار بھی پیدا کر دیا۔ مگر اب خوشیاں منانے کی ہمت
ہی نہیں - دو جوان لڑکیوں کے نکاحوں کے اتنے جلد بعد انکا انتقال
ہو گیا کہ شادی و خانہ آبادی کے نام سے ڈر لگتا ہے - میں نے جو
کچھ اسراف کیا ہے وہ والدۂ مرحومہ اور آمنہ مرحومہ کی قبروں کے
بنوانے میں کیا ہے - کوئی قبہ نہیں بنوایا - سینے پر سوائے خاک اور
گھاس کے کچھ نہیں - مگر ایک جگہ سنگ سبز کا فریم سا بنوا دیا ہے
اور ایک جگہ سپید سنگ مرمر کا اور لوح مزار کو خود (DESIGN) کیا
ہے - آمنہ کی قبر پر "پیام محبس اور دعائے اسیری" کا ایک شعر
کندہ کرا دیا ہے

تیری صحت ہمیں مطلوب تھی، لیکن اس کو
نہیں منظور، تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

حمیدہ کی قبر بھی سپید سنگ مرمر کی اسی طرح تیار کرائی جا رہی ہے
اور اس پر اسی زمانے کے کہے ہوئے یہ دو شعر انشاءاللہ کندہ ہونگے

ہوا محسوس جب سے ہے خوشی تیری خوشی اپنی
نہ اپنی موت اپنی نہ اپنی زندگی اپنی
کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے پھر تو ہی بتلادے
اسے بے چارگی تیری کہوں یا بے کسی اپنی

صبر کے سوا اب بھی چارہ نہیں - مگر اب یارائے ضبط کم ہے تو

کیا کروں ؎

تو ناگفتہ دانی بگفتن چہ سود

نکاح پڑھانے کا مسئلہ میرے اختیار کا نہیں ہے۔ شعیب کی جو مرضی ہو گی۔ کیا جائیگا۔ گو میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ میرے صاحب السجن[1] اور آپ کے پیر و مرشد ہی نکاح پڑھائیں[2]۔ بہرحال انشاء اللہ مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علمائے ہند نکاح نہ پڑھائینگے

(۲۶)

۱۱ اپریل ۳۰ء

بھائی۔ تم اگر نہ بھی لکھتے[3]۔ تب بھی میں شریعت حقہ کے احترام کو قائم رکھنے کی خاطر ان مفسدوں کا مقابلہ ضرور کرتا۔ جو اسمبلی میں جا کر اپنے تئیں مصلحین کہتے ہیں۔ انہیں پر سورہ بقر کی وہ آیات

---

[1] میں نے مشورہ دیا تھا کہ نکاح مولانا حسین احمد صاحب پڑھائیں۔ کراچی کے مشہور مقدمہ میں دونوں صاحب ایک ساتھ اسیر ہوئے تھے۔ اور ایک ساتھ ہی سزایاب۔ اس وقت تک یہی باہمی تعلقات کو غنیمت تھے۔

[2] مولانا سے اس وقت تک مفتی صاحب سے سخت بے لطفی ہو چکی تھی۔

[3] ساردا ایکٹ دقانون امتناع ازدواج کم سنی، بنا تھا۔ ہندوؤں کے لئے گھڑ چپک دیا گیا مسلمانوں کے سر۔ میں نے لکھا ہے کہ اس عظیم الشان فتنہ کے مقابلہ کے لئے آپ سی جیسے قائد کی ضرورت ہے۔

صادق ہیں کہ واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین - میں نے پربھنی[1] میں ایک لمبا چوڑا برقی پیغام تیار کرنا شروع کر دیا تھا - مگر ٹائپسٹ نہ ملنے سے اور خود علیل ہونے کے باعث اُسے ٹائپ کر کے بھجوا نے نہ پایا تھا کہ اندور میں معلوم ہوا کہ کونسل آف سٹیٹ نے بھی شاردا بل کو پاس کر دیا - تب تو خود ہی بیٹھ کر ٹائپ رائیٹر پر وائسرائے کو ایک طول طویل اور سخت خط لکھا - مگر وہ بدبخت منظوری دے ہی چکا تھا اور عازم یورپ ہو گیا - میں بھوپال میں تھا کہ دہلی کے جلسے کی اطلاع ملی اور میرے پاس جمیل میاں[1] کا تار آیا - کہ داعیوں میں مفتی صاحب کا - اِن کا اور میرا نام ہو گا - اجازت درکار ہے - ہفتہ کو تار ملا - رخصت تار کے دام کہاں سے لاتا - ارادہ کیا کہ پیر کو معمولی تار دیدوں گا مگر بھول گیا - حالانکہ اس دن کا خط بھی پیر تک پہنچ جاتا - بعد کو بمبئی سے گھومتا گھامتا احمد سعید کا خط آیا کہ آپ کا پتہ معلوم نہ تھا - اِس لئے خلافت کی معرفت لکھا جا رہا ہے - بہرحال میں جواب دینا بھول گیا مگر جلسے کی شرکت کے لئے دو دن پہلے ہی دہلی پہنچا - احمد سعید تعین عمر کی

---

[1] یعنی حکیم محمد جمیل خاں دہلوی فرزند حکیم اجمل خاں مرحوم ؁

[1] پربھنی علاقہ نظام دکن - مولانا وہاں اپنے ایک دوست کے ہاں، سکون، صحت اور تبدیل آب و ہوا کے سلسلہ میں مقیم تھے ؁

کمیٹی کے سامنے تائید کر چکنے کے بعد خود ہی میری جگہ داعی بن بیٹھے تھے۔ میں آتے ہی دوبارہ ان کے اور مفتی صاحب کے گھر گیا اور ایک بار دفتر جمعیت۔ مگر نہ ملےؔ۔ دوسرے دِن جمعیۃ کا جلسہ تھا۔ جس میں سیاست (سطحی) بہت کچھ تھی۔ مگر مذہب کا قطعی فقدان تھا۔ شام کو دوسرے جلسہ کے متعلق جمیل صاحب کے ہاں مشورہ تھا۔ مگر مفتی صاحب اور احمد سعید ویہ میں آئے۔ اور لوگ مشورہ کرتے رہے اور سب کی رائے یہی تھی کہ میں اِس جلسے کا صدر بنوں۔ وائسرائے کو ایک وفد کے ذریعہ الٹی میٹم دے دیا جائے۔ مسلمان اس ایکٹ سے مستثنے نہ کئے جائیں تو کانپور کانفرنس منعقد کی جائے اور تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم۔ پر عمل کر کے ہر کلمہ گو کو جو اس مداخلت فی الدین سے بیزار ہو دعوت دی جائے اور اس مصیبت پر خدا کا شکر کر کے انتشار و افتراق کو دور کیا جائے۔ اِس لئے باوجود میرے صدر جمعیتہ خلافت ہونے کے میں نے صرف خلافت کمیٹی کا جلسہ طلب

ؔ خوب یاد رکھیے۔ کہ یہ وقت کون سا تھا جمعیتہ العلما اور مولانا کے اختلافات اس وقت تک نہایت درجہ تلخ ہو چکے ہیں۔ مولانا کا دل اپنے اِن سابق رفیقوں کی طرف سے بہت ہی جلا ہوا ہے اور وہ بچ گئے خط میں خون کے آنسو رو رہے ہیں پھر خود بھی ہر طرح کی جسمانی آلام اور قومی و ذاتی صدمات سے چور چور رہیں۔ لہجہ کی کرختگی اور خشونت ایسی حالت میں بالکل درگذر کے قابل ہے ؂

نہ کیا۔ کیونکہ "معتدلین" نہ آتے۔ نہ شیعہ اور قادیانی شریک ہوتے۔ اتنے میں مفتی صاحب اور احمد سعید آگئے۔ پہلے صدارت کے متعلق پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کس کا صدر ہونا مناسب ہوگا۔ مفتی صاحب کا جواب بیحد (SIGNIFICANT) ہے۔ خود ہی داعیوں میں شامل ہیں اور خود ہی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس کے متعلق بالکل خالی الذہن ہوں۔ مگر احمد سعید نے اِس خلائے محض کے پُر ہونے کا بھی ثبوت دے دیا اور کہا کہ "مگر یہ جلسہ تو جمعیتہ العلماء کا بلایا ہوا ہے۔ اسی کا مستقل اور ذاتی صدر اس کا بھی صدر ہوگا۔" تب جاکر چند دہلی والوں نے جو اس وقت موجود تھے۔ کہا کہ جلسہ تو اہل دہلی کا طلب کردہ ہے۔ جمیل میاں بھی داعی ہیں۔ اہل دہلی نے مہمانوں کے لئے خود ہی چندہ کیا ہے۔ آپ کو اسی لئے دیدیا ہے کہ جمعیتہ العلما کی کمیٹی منتظمہ کا بھی جلسہ ہونے والا تھا۔ اپنے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مہمانوں کا بھی انتظام کردیجئے گا۔ بالآخر دعوت نامے منگا کر دیکھے گئے تو صاف درج تھا کہ یہ جلسہ جمعیتہ کے جلسے سے بالکل الگ تھا۔ یہ دعوت نامہ خود مفتی صاحب کا تحریر کردہ تھا۔ مگر احمد سعید صاحب کا تحریر کردہ دعوت نامہ جو جمعیت والوں کو بھیجا گیا تھا۔ اس میں اسے جمعیت ہی کا جلسہ بنایا گیا تھا۔ اس تضاد دو تابین کا اقبال انھوں نے بھی کیا۔ بہرحال میرا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا اور بلاعذر تسلیم کیا گیا۔ گو چہرہ دل سے معلوم ہوتا تھا

کہ یہ دونوں علمائے کرام اسے کرہاً قبول کر رہے ہیں۔ آپ کو نہ معلوم وہ گندہ قصتہ یاد ہے یا نہیں کہ ایک میرٹھ کے بنیئے کی دکان پر سے اس کی غیر حاضری میں چنے لوٹ رہا تھا۔ وہ پیشاب کر رہا تھا۔ پیٹھ پھیر کر دیکھا۔ تو یہ نظارہ نظر آیا۔ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مرد ہے یا عورت۔ گھبرا کر چیخ اٹھا کہ سارے چنے لوٹ گیا۔ سارے چنے لوٹ گئے . . . مفتی صاحب نہ پورے دیندار نکلے نہ پورے دنیادار۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ محمد علی کا نام صدارت کے لئے بہ حیثیت داعی جلسہ پیش فرمائیں اور جمیل میاں بہ حیثیت داعی دوم اس کی تائید کر دیں گے تو فرمایا کہ جمیل میاں پیش فرمائیں۔ میں تائید کر دوں گا۔ باوجود سب کے اصرار کے انہوں نے تحریک کرنے سے انکار کیا۔ مگر تائید کرنے کا اقرار کیا۔ نواب اسمٰعیل خان[1] نے اس حیرت انگیز انکار و اقرار پر ایک سیدھا سوال کیا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو کچھ نہ فرما سکے۔ جواب دیا تو یہ کہ تحریک پر اصرار کیوں ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جو سلوک مولانا محمد علی کے ساتھ جمعیتہ العلماء کے جلسہ میں حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کیا اور باوجود ان کے رکن جمعیت اور اس کی انتظامیہ اور عاملہ دونوں مجالس کے رکن ہونے کے اپنی تقریر میں کہا کہ میں محمد علی

---

[1] میرٹھ والے۔ بیرسٹرایٹ لا۔ اس وقت بھی قومی کاموں میں پیش پیش تھے۔ اب مسلم لیگ کے رکن اعظم ہیں ؛

کو تو جمعیت کا رکن ہی نہیں تسلیم کرتا اور جس طرح مسلم لیگ کے جلسے میں جو گذشتہ اواخر مارچ میں ہوا - انہوں نے لیمیز اللہ الخبیث من الطیب کی آیتہ کریمہ پڑھ کر نہرو رپورٹ کے مخالفین کو "خبیث" کا لقب عطا فرمایا تھا - اور نہرو انیوں کو "طیب" کا اور جس طرح مقدم الذکر جماعت کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر محمد عالم کو صدر تجویز کر کے بلا رائے لئے ہوئے کرسی صدارت پر بٹھا دیا تھا اور اسی طرح ایک تجویز نہرو رپورٹ کے متعلق پاس کر لی تھی - اس سے خطرہ ہے کہ جلسے کے لئے لوگوں کے آتے ہی حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے بھائی نعیم خود آپ کا نام صدارت کے لئے پیش کر دیں گے - اس لئے ضرورت ہے کہ آپ خود ہی بہ حیثیت داعی جلسہ محمد علی کا نام پیش فرمائیں تاکہ وہی بے لطفی پیدا نہ ہو جو مراد آباد میں جمعیت العلماء کی صدارت کے لئے ان کا نام پیش کئے جانے کے باعث کانپور کے سالانہ جلسہ جمعیت العلماء کی مجلس استقبالیہ کو آجتک نصیب ہو رہی ہے .. اس کے بعد انہیں کی طرف سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ صدر کا انتخاب تو حاضرین جلسہ کے ہاتھ میں ہے تو اُن سے عرض کیا گیا کہ یہ کلیہ نہیں ہے - خود جمعیتہ کے سالانہ جلسے کے لئے خلافت کانفرنس - کانگرس - مسلم لیگ وغیرہ کے لئے پہلے ہی انتخاب کر لیا جاتا ہے - تاکہ اس قسم کی ناگوار حالت نہ پیدا ہو جو کانگرس کو صورت میں ۱۹۲۰ء میں پیش آئی تھی - دہلی میں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس آپ نے منعقد کرائی تھی - اس کے لئے آغا خان کا انتخاب ان کے ولایت سے چلے جانے سے

بھی پیشتر کر کے انکو مدعو کیا گیا تھا - آپ لوگ بحیثیت داعیان کے انتخاب کر لیجئے اور اسی حیثیت سے جلسہ کا آغاز کل صبح فرما کر محمد علی سے صدارت کرا لیجئے - یہ معاملہ صرف فتویٰ دینے کا نہیں ہے - فتویٰ تو جمعیت العلماء دے ہی چکی ہے - اب مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنےٰ کرانے کی تدابیر پر غور کرنے اور ہر عقیدے اور ہر سیاسی روش کے مسلمان کو متحد کر کے شریعت کے احترام کرانے کا ہے - اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ اچھا ہم تینوں داعی اس کا فیصلہ کر لیں گے کہ محمد علی کا نام میں پیش کروں یا جمیل میاں پیش کریں اور میں تائید کروں - چونکہ ہم نے اعلان کر دیا تھا کہ میں اسی شب کو مسجد جامع میں فلسطین - افغانستان - سارداایکٹ وغیرہ کے متعلق بالتفصیل تقریر کرنا شروع کروں گا - اور دو تین روز تک اس سلسلہ کو جاری رکھوں گا - تاکہ ایک عرصہ سے میری دہلی کی غیر حاضری کے باعث اظہار خیالات کا جو موقع نہیں مل سکا ہے - وہ مل جائے اور یہاں خلاف توقع صرف صدارت ہی کے مسئلہ پر دیر تک بحث چھڑ جانے کے باعث ہمیں مولانا نثار احمد وغیرہ کو مسجد جامع کا جلسہ شروع کر دینے کے لئے بھیجنا پڑا - اس لئے اب ہم لوگ اٹھ کر مسجد جامع کو چلے گئے - جہاں دہلی کے مسلم رضاکاروں کی ایک جمعیت نے تین راتوں کے لئے جلسوں کا پوسٹر وغیرہ کے ذریعے سے اعلان اور روشنی وغیرہ کا انتظام کر دیا تھا - اور مفتی صاحب وغیرہ کو جمیل میاں کے پاس چھوڑ گئے - وہاں پہنچے تو دیکھا مولانا عبد الحلیم صدیقی ناخواندہ

مہمان کی حیثیت سے بیچ میں کود پڑے تھے۔ اور جمعیۃ العلما اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی فضیلت میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے وعظ دے رہے تھے۔ اور مولانا نثار احمد صاحب کو لب کشائی کا بھی موقع نہ دیا تھا۔ دوسرے دِن بجائے مفتی صاحب کے جلسے کا بہ حیثیت داعی کے آغاز کرنے کے احمد سعید نے آغاز کر دیا اور یعقوب کی اور مولانا عبد الحلیم کی تقریریں ہونے لگیں۔ جس کے باعث یوں ہی فضا مکدر ہو گئی۔ اب حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مفتی صاحب کا نام پیش کر دیا۔ نعیم نے بھی اسی طرح کی تقریر کی (میں اب نہیں کہہ سکتا کہ کس کس نے تقریر کی مگر جہاں تک ایک مریض کا حافظہ کام دے رہا ہے لکھ رہا ہوں) بالآخر خواجہ غلام السبطین نے جو انتظامات جلسہ اور دعوت ناموں کے اجرا میں احمد سعید کے ساتھ شریک مقرر کئے گئے تھے۔ دات کا فیصلہ مفتی صاحب کو یاد دلایا۔ اور مفتی صاحب نے مبہم طریقہ پر اس کی ایک حد تک تصدیق کی۔ مگر یہ نہ کہا۔ کہ ہم یہ طے کر چکے ہیں کہ بہ حیثیت داعی ہم خود ہی صدر کو منتخب کریں گے۔ کہا تو یہ کہ مجھے اس وقت تک فرصت نہیں ملی کہ جمیل میاں سے طے کرتا کہ وہ محمد علی کا نام پیش کریں اور میں تائید کروں یا میں خود تحریک کروں اور وہ تائید کریں۔ اب بحث اور بھی چھڑ گئی اور گلابی وہابیوں کی تائید ایک پکے وہابی مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے اس طرح فرمائی کہ خود مجھ سے اپیل کیا کہ میں اپنا نام واپس لے لوں۔ میں نے مجبور ہو کر ایک تقریر کی اور اس کے آخر میں یہ کہہ کر

اپنا نام واپس لے لیا کہ مجھ پر اس اپیل کے خلوص کا تو مطلق اثر نہیں ہوا۔ مگر جو حالات پیش آئے ہیں ان کے بعد اس جلسے کی صدارت کرنا میں اپنی توہین سمجھوں گا۔

برادرم! جو ذہنیت ان دینداروں کی اور جو ہکاری ان کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اسے اس طرح ایک ایسے معاملہ میں بھی دیکھ کر جس میں ہمیں اپنی شریعت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے غیروں کو بھی حاملین شریعت کے افکار اور ان کے اعمال سے متاثر کرنا تھا اور ہر عقیدے اور طبقے کے مسلمانوں کے اس امر میں اتحاد و اتفاق کو عالم آشکارا کرنا تھا۔ میرا دل رو رہا تھا۔ میں نے جمعیتہ العلماء کی صدارت کا کبھی بھی خیال نہ کیا تھا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ ایک خاص جماعت کو اس پر اصرار ہے اور بلا مجھ سے استمزاج کئے ہوئے انہوں نے چند ماہ پیشتر ہی میرا نام مجلس استقبالیہ کی طرف سے بھجوا دیا تھا۔ اور اس کے بعد سے علماء کرام میں عجیب عجیب ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں۔ تو میں نے کانپور سے خط آنے پر اور مجلس استقبالیہ کے اصرار پر صرف اس کا وعدہ کیا تھا کہ خود انکار نہ کروں گا۔ اور نہ خود کوئی کوشش کروں گا اگر منتخب ہو گیا تو مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور جمعیتہ کی از سر نو ترتیب کے متعلق جو عرصہ دراز سے میرے خیالات ہیں۔ انہیں بصد عجز و ادب جمعیت کے سامنے پیش کر دوں گا۔ مگر جو کارروائی کہ مراد آباد میں ہوئی اور اس سے پیشتر جو مضامین اور خطوط الجمعیتہ میں تشفیع وادری اور

شوکت صاحب کے خلاف صوبہ بمبئی کی جمعیتہ العلماء کے جلسہ کی صدارت کے بارے میں بطور پیش بندی کے شائع کیے گئے۔ اور جس طرح کانپور والوں کے ساتھ صریح اور مسلسل بے ایمانی کی گئی ہے اور اب جس طرح بلا حصول رائے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب خود کھسک کر مسند صدارت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اس کے بعد میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ان حضرات سے کوئی توقع اصلاح کی رکھوں۔ جب جلسہ شروع ہو گیا تو میرے پاس متعدد درخواستیں آئیں کہ جلسہ سے ہم سب اٹھ کر چل دیں۔ مگر میں نے انکار کیا اور سب کو روکا۔ تاکہ حکومت کو اور ہنود کو اس نفاق و شقاق کا نظارہ نہ دکھایا جائے۔ سب بیٹھے رہے۔ البتہ یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ شام کے جلسے میں نہ آئیں گے۔ ہم نے کوئی احتجاج نہ کیا اور جو بیان اِن تمام واقعات کے متعلق تیار کیا گیا۔ اس کے حرف حرف کو صحیح اور درست کرنے کے بعد خود میں نے اس کی اشاعت کو روک دیا۔ جن لوگوں نے جمعیت العلماء سے استعفٰے دیئے۔ ان کے استعفوں کو بھی اس وقت نہ بھجوانے دیا۔ ہماری جماعت نے والسرائے کے پاس جو وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میں بھی علاوہ مولانا حسین احمد صاحب اور دیوبند کے اکابر کے خود مفتی صاحب کو بھی شامل کیا۔ میں شام کے جلسے میں لیبل بھی نہ آسکتا تھا۔ کیونکہ علیل ہو گیا تھا۔ مفتی صاحب اِن تمام بیہودگیوں کے بعد اشک شوئی کے لئے میری عیادت کے نام سے تشریف لاتے۔ اور میں نے انہیں ناشتہ کرایا اور وفد میں جانے

کے لیئے نواب اسمعیل خان نے اُن سے کہا اور نہ انہوں نے اقرار کیا - مگر دوسرے دِن یہ لکھ کر علٰحدہ ہو گئے - کہ شاہم کو میری جماعت (جمعیت نہیں - اِس لیئے کہ اس نے اس کے خلاف کوئی قرار داد نہیں کی) نے کہا کہ تم نہ جانا - تاہم میں نے اُن سے احکام شریعت دوبارہ نکاح حاصل کیئے - اور گو مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عنایت اللہ صاحب کے بیانات نے جو بیحد مفصل اور مرتب تھے - مجھے اس سے مستغنی کر دیا تھا - تاہم میں نے بار بار مفتی صاحب سے ان کے بیان کا تقاضا کیا اور ان سے باوجود اپنی علالت کے ملنے گیا - مولانا حسین احمد صاحب شاہجہانپور جا رہے تھے - اور وہاں کئی روز وعظوں میں تھے - تاہم میرے اصرار پر تشریف لائے - اور اسٹیشن سے سیدھے گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے - مولانا حبیب الرحمان صاحب مرحوم[1] نے آنیکا وعدہ فرمایا تھا - گر مرض الموت نے نہ آنے دیا اور طیب[2] کو اپنی جگہ بھجوایا - لیکن مفتی صاحب اور ان کے حواریوں کا رویہ دیکھیئے کہ مولانا عبدالحلیم صدیقی نے ایک تقریر فرمائی - جس میں ارشاد فرمایا کہ خدارا ہمیں گورنمنٹ کے آستانہ پر سر جھکانے کے لیئے نہ لے جائیے - ہم پر رحم کیجئے - حالانکہ احمد سعید (Age of Consent Committee)[3] کے سامنے غلط سلط شہادت

---

[1] مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم دیوبندی ناظم دارالعلوم دیوبند ،

[2] مولانا محمد طیب دیوبندی موجودہ ناظم دارالعلوم دیوبند ۔

[3] کمیٹی برائے عمر رضامندی ۔

دینے کے لئے بلا تامل چلے گئے تھے۔ بہار کے سجاد نے ہم پر وائسرائے کی دست بوسی کی تہمت لگائی اور احمد سعید نے بھی الجمعیتہ میں دروغ بافیوں کا عرصہ تک سلسلہ جاری رکھا۔ (جو حقیقتہً آج تک جاری ہے) آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان ہم دونوں کو بیگار سمجھ کر سارا کام ہمیں پر چھوڑ دیا کرتے ہیں مگر یہ سن کر آپ کو بھی حیرت ہو گی کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو اسی جاہل مطلق نے جا کر سوتے سے جگایا تھا اور ہمدرد میں میرا ہی مضمون اواخر مارچ ۲۸ء میں اس بل کے خلاف شائع ہوا تھا اور اسی کو لے کر میں صدر جمعیتہ العلما کی خدمت میں خود حاضر ہوا تھا۔ اور اس پر بھی ان کی غفلت کا وہ عالم رہا۔ کہ نہرو رپورٹ کے معاملے میں تو یہ اس کی تائید میں در پردہ کوشش کر رہے ہیں۔ مگر شریعت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے سارد ایکٹ کے منظور ہو جانے تک اس قدر کم کام کیا کہ نہیں کرنے کے برابر ہے۔ بہرحال اب باوجود بصارت اور اعصاب کی اس حالت کے اور بخار جاڑے کے دو تین دن میں میں نے (Age of Consent) کمیٹی کی رپورٹ پڑھی اور ۵۲ ٹائپ کے صفحات کا تحریری بیان تیار کیا اور ساری رات اور سارے دن خود ہی جاگ کر اور آرام لئے بغیر اسے ٹائپ کر کے ایک دن پہلے وائسرائے کے سیکرٹری کو دے آیا۔ مسلمانوں کی قوم میں ایک ٹائپسٹ بھی نہ ملا۔ کہ اس کام کو کرتا ؛ تین بجے شام کو یہ بیان وائسرائے کو ملا۔ بیچارے کو گھنٹہ بھر

بھی اس کے دیکھنے کو نہ ملا ہوگا۔ دوسرے دن گیارہ بجے وفد پہنچا۔ جو جواب دیا۔ اس کا جواب ہمارے تحریری بیان میں پہلے سے موجود تھا۔ جب اس نے کہا کہ آپ کے بیان پر میں اس وقت تک صرف ایک سرسری نظر ڈال چکا ہوں تو میں نے اس اقبال سے فائدہ اُٹھایا۔ اور کہا کہ آج ہم آپ سے جواب لینا نہیں چاہتے۔ جب آپ اُسے دوبارہ اچھی طرح پڑھ لیں گے۔ تو آخری جواب اس وقت لیں گے۔ چنانچہ ۱۵ ر نومبر کو باوجودیکہ وہ اُسی دن دکن کے دورہ پر جا رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ اس سے مفصل اور صاف صاف گفتگو رہی اور وہ قائل ہو گیا کہ ہم اپنے عقائد اسلامی پر قائم رہتے ہوئے اس قانون کو قبول نہیں کر سکتے۔ گو ہنود کے باعث اپنی مجبوری کا بھی اظہار کیا (اس کو راز ہی میں رکھئے) دوسرے ہی دن وہ نواب صاحب سے ملا اور کہا کہ اگر محمد علی نے Test Case اس بنا پر جیت لیا کہ میں نے جس بل کے پیش ہونے سے پیشتر اس کے پیش ہونے کی اجازت دی تھی (جس کے بغیر کسی کے مذہب یا مذہبی رسوم و رواج کے متعلق کوئی مسودہ پیش ہی نہیں ہو سکتا) وہ صرف ہنود کے لئے تھی تو میرے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر اس کا نفاذ کسی دوسرے بل کے ذریعے سے نہیں ہونے دوں گا۔ میں وائسرائے سے ملنے سے پیشتر مفتی صاحب اور احمد سعید کے سامنے جامع مسجد میں مسلمانوں کو جتا کر گیا تھا کہ کیا کہنے جاتا ہوں اور واپس آکر مسجد جامع میں نماز مغرب سے قبل جو گفتگو

ہوتی تھی۔ سب دہرادی اور دونوں کو گھر سے بلوا کر انہیں کے سامنے سب کچھ کہا۔ تاہم ان کی حرکات ملاحظہ ہوں کہ ایک مجلس ناموس تحفظ شریعت بناتے ہیں۔ جس میں نہرو انی جماعت[۱] کے حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ نعیم اور ظفر علی خان تک ہیں۔ لیکن میرا نام تک نہیں۔ انکی بے سود ہڑتال کی میں نے مخالفت نہیں کی۔ گو اسے بے سود اور غیر موثر سمجھا۔ تاہم مجھے بدنام کیا گیا۔ پھر جب اس سے بھی کام نہ نکلا۔ تو جلوس نکالا۔ مجھ سے آکر ملے اور امداد چاہی تو میں نے اس جلسہ میں بھی ان کی صدارت میں تحریک پیش کی۔ گو انھوں نے میری رائے پر عمل نہ کیا اور جلوس کو چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کی کچہری تک نہ لے گئے۔ اس کے بعد ان حضرات کے پاس کچھ نہ تھا۔ میرے گھر آئے۔ میں نہ تھا۔ دوسرے دن میں اسمٰعیل خان اور شفیع[۲] کو لے کر ان کے گھر گیا تو انہوں نے کہا کہ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ تب میں نے وہی تدبیر بتائی جو میں اندور رہی کے قیام میں طے کر چکا تھا کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی جائے۔ مگر اس طریقہ پر نہیں۔ جس سے شریعت بدنام ہو۔ یعنی

---

[۱] یعنی پنڈت موتی لال نہرو کی جماعت کے لوگ۔ نہرو رپورٹ والی کمیٹی کے بھی ممبر رہے تھے۔

[۲] مولانا حاجی شفیع داؤدی ایڈووکیٹ مظفر پور (بہار) سابق صدر خلافت کمیٹی۔ مولانا کے خاص مخلصوں میں تھے۔

محض خلاف ورزی کی خاطر بلاضرورت گڈے گڑیا کا بیاہ کرنا - بلکہ جس لڑکے کو جس کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی ہو تو توقان کے باعث نکاح کی ضرورت ہو اور وہ اس حالت میں فرض یا کم سے کم واجب ہی ہوتا ہو - ایک ۱۵ یا ۱۶ برس کی تندرست اور بالغ لڑکی سے اس کا نکاح کرا دینا یا نابالغہ کا نکاح اس کے ولی کے حکم سے کرانا جبکہ اسے اپنی عمر یا سفر کے باعث اندیشہ ہو کہ اگر وہ مر گیا تو لڑکی یا اس کا مال متاع خراب لوگوں کے ہاتھ میں پڑ جائیگا اور اس لئے وہ اس کے سسر وغیرہ کے سپرد کرنا چاہتا ہے - یا ایسی حالت میں جبکہ لڑکی کی ماں زندہ نہیں ہے - یا بڑی بہن کی شادی ہونے کے بعد وہ رخصت کر دی جائے گی اور اس کی تربیت کے لئے ساس کے سوا کوئی عورت میسر نہیں ہے یا ولی اس قدر غریب ہے کہ بچی کی پرورش نہیں کر سکتا اور سسر کے حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں - صرف انہیں حالتوں میں نکاح پڑھوا کر اور رخصت کرا کے ساردا ایکٹ کی خلاف ورزی کی جائے ۱

یہاں تک ۱۱ اپریل کو لکھا جا چکا تھا - مگر اتنا لکھنے کے بعد اس قدر تھک گیا کہ دوسرے دن کے لئے مجبوراً ملتوی کرنا پڑا - لیکن دوسرے دن آنکھوں کے (SPECIALIST) کے پاس گیا اور اس نے

---

۱ اس کے آگے خط کسی اور کے قلم کا ہے ∴

بہت محنت کے ساتھ آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ بائیں آنکھ تو بالکل جا ہی چکی ہے اس سے بالکل مایوس ہو جانا چاہیئے۔ لیکن سیدھی آنکھ کی حالت بھی نہایت خطرناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے حال ہی میں نگاہ پر زیادہ زور ڈالا ہے۔ یا جوش کی حالت میں کسی سے باتیں کی ہیں۔ اِس لئے کہ خون کی ایک دو پھٹکیں تازہ نظر آ رہی ہیں۔ غالباً یہ اِسی عریضے کے متعلق ڈاکٹر کا خیال تھا یا ایک اور خط کے متعلق جس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جو میں نے سپرو[۱] کو خود ہی بیٹھ کر مسلسل چھ گھنٹے میں ٹائپ کیا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر کا بیان ہے کہ آنکھ کی (Blood Vessel[۲]) دیواریں پھٹنے کے بعد اب اتنی کمزور ہو گئی ہیں کہ اب ہر وقت دوبارہ پھٹنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت تک خدا کا بڑا فضل ہوا ہے۔ کہ گو ہر طرف خون کی چند دو پھٹکیں" موجود ہیں۔ جو بصارت کو دھندلا کر رہی ہیں۔ مگر بیچ کے دائرے میں جسے (Macula) کہتے ہیں ایک پھٹک بھی موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ اِسی آنکھ کی بصارت ہے۔ اگر آپ نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا یا تقریر کی تو نہیں کہہ سکتا کہ چند سیکنڈ یا چند منٹوں یا چند گھنٹوں میں آپ بالکل اندھے ہو جائیں۔ آپ کی آنکھ کے لیے

---

۱ ہندوستان کی لبرل معتدل پارٹی کے مشہور لیڈر سر تیج بہادر سپرو۔

۲ شریان خون ۔

کوئی دوا نہیں جو مفید ثابت ہو۔ سوائے اصل مرض کے علاج کے جو ذیابیطس ہے اور سال دو سال کے مسلسل آرام کے۔ یہیں تو کہوں گا کہ آپ نوکر کو بھی کمرے میں سے نہ پکارا کریں۔ بلکہ اسے کمرے ہی میں بیٹھے رہنے دیں تاکہ اشارے سے بلا سکیں۔ اس لئے کہ اس کو پکار کر بلانے سے بھی آنکھ کے کسی نہ کسی Blood Vessel کے پھٹنے کا اندیشہ ہے۔ اگر (Hemorrhage)[1] ہو گیا اور خون کی پھٹک آنکھ کے سامنے آگئی تو آپ بالکل اندھے ہو جائیں گے۔ کامل ایک گھنٹے کے امتحان کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے (Eye specialist)[2] کی یہ رائے ہے۔ مجبور ہو کر سب کام چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر ڈاکٹر نے جو مزید شرط لگائی ہے کہ تفکرات کو دور رکھو۔ اس کا کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بالخصوص اس زمانے میں جبکہ بظاہر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانان ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ وہ مسلمان جو ہماری قید و بند سے کبھی متاثر ہو کر ہماری منت و سماجت پر ہم سے متفق نہیں ہوتے تھے۔ اور انگریزوں کی غلامی ترک کر کے ہندوؤں سے مصالحت کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض باوجود ہماری آجکل کی منت و سماجت کے ہندوؤں کی غلامی کی طرف جھپٹے چلے جا رہے ہیں۔ اور صرف اس لئے کہ اگر ہندو اس جنگ میں جیت گئے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ اور ان ستیہ گرہی سورماؤں کو اپنی حفاظت

---

[1] سیلان خون [2] ماہر امراض چشم

کا سوائے اِس کے کوئی طریقہ نہیں نظر آتا۔ کہ علی برادران پر حملہ کریں
اِن نبرد آزماؤں کو اس کا بھی خیال نہیں کہ وہ ایک مریض پر بھی جو
اِن کا جواب نہیں دے سکتا۔ متواتر حملے کر رہے ہیں اور اس کے
خلاف گندے سے گندے اور جھوٹے سے جھوٹا پروپیگنڈا کر رہے ہیں
اور لطف تو یہ ہے کہ حاملین شریعت حقہ یعنی علمائے کرام اِن نبرد
آزماؤں کے قائد اور رہنما ہیں اور الجمعیتہ[1] کے کالم اس کے لیے
وقف ہو گئے۔ اب اِن جملہ ہائے معترضہ کو میں یہیں ختم کرتا ہوں اور
اپنے عریضے کا سلسلہ دوبارہ شروع کرتا ہوں۔ میری بتائی ہوئی
تدبیر پر خوب جرح و قدح کی گئی اور جو تدبیریں اور بتائی جا رہی
تھیں یعنی شراب کی دکانوں پر پکٹنگ وغیرہ۔ اس پر بھی غور کیا گیا۔
اور آخر کو یہی طے پایا کہ دہلی میں ہم سب مل کر متفقہ طور پر متذکرہ
بالا قسم کا ایک نکاح پڑھوا کر شارداایکٹ کی خلاف ورزی کریں
اور جب ہم پر مقدمہ چلایا جائے تو عذر پیش کریں کہ اس قانون کا
نفاذ مسلمانوں کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لئے کہ یہ ہماری شریعت
کے خلاف ہے اور ایسے قانون کو مجالس مقننہ میں پیش کرنے سے پہلے
گورنر جنرل سے

(مکتوب اس مقام پر اچانک ختم ہو گیا ہے۔ اِس کے آگے کے

---

[1] جمعیتہ العلما کا ہفتہ وار اخبار۔

فقرے پھر مولانا کے قلم کے ہیں)

برادرم۔ ایک اپاہج بھائی نے جس قدر لکھا یا لکھوایا جا سکا۔
کیا گیا۔ مگر اتنے دن کے انتظار کے بعد مجبور ہو کر اس عریضے کو اسی
طرح نا تمام بھیج رہا ہوں۔ میری آخری تحریر یہ ہے۔ آخری تقریر بی اماں
کے مولد امروہے میں ۳، ۴، ۵ کو کروں گا۔ براہ کرم وہاں تشریف
لے آئیے۔ کانپور آنے کا وعدہ فرمانے کے باوجود انتظار ہی دکھایا۔[2]
اگر میں واقعی اب بھی اس قابل ہوں کہ آپ جیسا مسلمان مجھ سے مل
سکے تو ضرور آئیے۔ آپ کا اپاہج بھائی

محمد علی

(۲۷)

۲۳ مئی ۳۰ء ۔ اقبال منزل۔ قرول باغ دہلی

برادرم ماجد میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ایک نہایت ہی طویل مگر اپنی بینائی کے باعث نا تمام عریضہ مدت
ہوئی ارسال کر چکا ہوں۔ مگر اب تک رسید نہیں ملی۔ کانپور

---

[1] امروہہ میں جمعیۃ العلماء جدید کا جلسہ تھا۔ یہ انتہائی حسرت و یاس کے لفظ مسلمانان ہند کے سب سے بڑے لیڈر کے قلم سے کُل ۵۲ سال کی عمر میں نکل رہے ہیں۔

[2] کانپور میں مجبوراً مولانا کو اپنے جدید رفیقوں کے ساتھ مل کر ایک جدید جمعیت العلما بنانا پڑی تھی۔

آنے کا وعدہ کر کے نہ آئیے - حالانکہ اس وعدے میں بھی مجھ سے علیحدگی کا اعلان تھا - اب امرو ہے بلایا تب بھی نہ آئے - سنا ہے - بہن کی طبیعت ناورست ہے - اگر یہ ہے تو دست بدعا ہوں گو ع

کیا کہوں میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول

ورنہ خود حالت اس قدر خراب کیوں ہوئی - گلنار کا نکاح چھبے بجے شام کو بتاریخ ۲۹ ذی الحجہ ۲۹ مئی قرار پایا ہے - مع بہن اور بچوں کے تشریف لائیے - آپ کا سخت انتظار ہے - علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا انتقال ہو گیا - عالی حضرت نواب صاحب رام پور سخت علیل ہیں - مگر اپنی مجبوریوں کے باعث معذور ہوں - یہ سخت مارچ سے ٹلتے ٹلتے آخر مئی تک آ پہنچی ہے - تشریف آوری کے وقت سے مطلع فرمائیے -

ہمدرد کے نام پیسہ آتا تھا جو بند ہو گیا - تعجب ہے کہ پیسہ میرے نام جاری نہ ہوا -

آپ کا بھائی محمد علی

لہ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ کانپور حاضر ہونے کو آمادہ ہوں - آپ کے نیازمند کی حیثیت سے - قومی حیثیت سے شرکت کے لیے معافی چاہتا ہوں ؎

ےہ یعنی میرے گھر میں - مولانا انہیں بہن ہی کہا کرتے تھے - بڑی اور اصلی وجہ میری عدم حاضری کی غالباً یہی تھی ؎

ےہ مولانا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی - انہیں کا نکاح شعیب قریشی کے ساتھ ہو رہا ہے ؎

(۲۸)

۳ جون ۱۹۳۰ء ۔ وڈنارڈ لاج ۔ کارٹ روڈ شملہ

برادرم محترم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہوچکیں غالب بلائیں سب تمام   ایک مرگ ناگہانی اور ہے ۔

میرے امراض کی فہرست یوں بھی طویل ہوچکی تھی ۔ صرف مرگِ ناگہانی کا انتظار اور تھا ۔ اب قلب پر بھی ریاح کا بار بار حملہ ہو رہا ہے اس نے مرگ ناگہانی کا بھی انتظام کر دیا ۔ ارادہ کر چکا تھا کہ گلنار کے عقد نکاح کے بعد ہی یہاں آجاؤں گا ۔ مگر ایک وہابی کی نالش نے پندرہ دن تک روکے رکھا ۔ ۱۵ کو چل کر ۱۶ اپریل کو یہاں پہنچا ۔ راستے میں درد اٹھا ۔ دوسرے دن یہاں بھی شب کو وہی حالت رہی ۔ تیسرے دن صبح کو بھی وہی حالت تھی ۔ ڈاکٹر کو بلایا ۔ اب طبیعت قدرے سدھری ہے ہیں اب ظفر الملک صاحب کے مضامین اور عطا اللہ کی تقاریر و کفایت اللہ صاحب و احمد سعید صاحب کی سازشوں کے جواب دینے کے قابل کہاں جو جلسوں میں شریک ہوں ۔ ڈیڑھ ماہ آرام اور کچھ کام کی غرض سے یہاں آیا ہوں ۔ آئیے تو یہاں آئیے تاکہ دل کھول کر باتیں ہوں ۔

آپ کا عقیدت مند بھائی   محمد علی

۱؎ یعنی اس زمانہ میں یعنی نیشنلسٹ مسلمان اخباروں میں اس لب مرگ ضعیف و ناتواں کی بیماریوں پر بھی مضحکہ ہو رہا تھا ۔ ۲؎ یعنی مولانا عطا اللہ شاہ بخاری ۔ حاجی ظفر الملک صاحب بھی ۔ اب مولانا کے مقابلہ میں قلم در کف تھے ۔

(۲۹)

۲۰ ستمبر ۴۳ء گیسٹ ہاؤس بھوپال

برادرم محترم۔ السلام علیکم و برکاتہ[۱]

آپ کا محبت نامہ ۲؍ اگست مجھے کوئی ۷، ۸؍ اگست کو غالباً مل گیا تھا۔ لیکن چونکہ محض عبادت نامہ نہ تھا بلکہ سیاست نامہ بھی تھا۔ اسلئے جواب کی ہمت اس وقت نہ کرسکا اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن کے حکم سے اس وقت تک انتظار کیا۔ جبکہ خود گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ کر خط لکھنے کے قابل ہو جانے کی امید تھی۔ جوں ہی حالت اس قابل ہوئی۔ سیدھی آنکھ نے بھی تقریباً جواب دے دیا۔ اور جس بیمار کو نئے نواب صاحب رام پور اور شوکت صاحب کی طلبی پر رام پور جانے سے ڈاکٹر صاحب نے روک دیا تھا اور نواب صاحب بھوپال نے معذرت کا تار بھیج کر اس کی وجہ بیان کردی تھی۔ اس کو دوسرے ہی دن بمبئی بھاگنا پڑا۔ کہ ڈاکٹر چشتم کو پھر آنکھ دکھائے اور اندھا بننے سے بچ سکے۔ اُسی دن سے آجتک آنکھ اس قابل نہیں ہے کہ کچھ بھی لکھ پڑھ سکوں۔ دوسروں کا محتاج۔

---

[۱] مولانا اب بھوپال میں ہیں مجموعہ امراض و آلام۔ یہ مکتوب کسی سے لکھوایا ہوا ہے صرف آخر میں دستخط مولانا کے قلم کے ہیں۔ ہائے افسوس اسکے بعد پھر کبھی مولانا کے قلم کی کوئی چیز موصول نہ ہوئی۔ ملک ہیں نے ڈرتے ڈرتے کچھ مشورے عرض کئے تھے۔ حقیقتاً اس وقت مولانا قابل رحم تھے۔ کوئی سخت سے سخت طنز اور طعن مولانا کے لئے اُٹھ نہیں رہا تھا۔ خود مسلمانوں کے ہاتھوں۔

آپ نے میری صحت کے متعلق ۲۱ اگست کو لکھا تھا کہ "میری دعاؤں سے خدا خدا کر کے آپ کے افاقہ کی خبر سنائی دی"۔ یقیناً میری بیماری میں افاقہ ہوا تھا۔ مگر نہ اس قدر جتنا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا۔ اور حقیقتاً افاقہ کا زائد حصہ خود شملہ کی بلندی سے نزول تھا۔ سولن پہنچتے ہی جبکہ ہوا اس قدر رقیق نہ رہی۔ اس سے زائد افاقہ ہو گیا اور پہلی بار اتنی بھوک لگی کہ میں نے دوسروں کو چائے پیتے دیکھ کر خود بھی ایک پیالی چائے مانگی۔ باقی افاقہ پلنگ پر پڑے رہنے سے ہوا۔ شاید کسی قدر دواؤں سے بھی ہوا ہو گا۔ رہا دعاؤں کا معاملہ میں کب آپ کی دعاؤں کی تاثیر کا قائل نہ تھا۔ البتہ اگر اب بھی صاحب فراش ہوں تو ممکن ہے۔ کہ دیوبند تو نہیں مگر شاید تھانہ بھون کی مقدس ہستیوں کی آپ کی دعاؤں میں شرکت کا اثر ہو۔ اگر آپ کو افاقے کے متعلق غلط فہمی نہ ہوتی ہوتی تو آپ ہرگز مجھ سے نہ پوچھتے کہ میں ۱۵ اگست کو لکھنؤ آرہا ہوں یا نہیں ؁ "ہنوز دلی دور است"۔ اب تو میرے مذہب میں گول میز کانفرنس ؁ ہی کی شرکت کے لئے جائز رہ گیا ہے۔ جس کے متعلق ابھی عرض کروں گا۔ میں آج ہی مع اپنی اہلیہ کے دہلی جانا چاہتا تھا۔ تاکہ رخت سفر باندھ سکوں۔ لیکن گذشتہ دو ہفتوں میں خون کا دباؤ کسی قدر بڑھ رہا

؁ مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسہ میں خلافت کمیٹی کا وجود اب تک باقی تھا۔ ہو سکتا ہو۔

؁ پہلی گول میز کانفرنس جو لندن میں منعقد ہو رہی تھی ؎

اور ضیق النفس بھی کسی قدر رہا۔ اس کے باعث ڈاکٹر عبدالرحمن نے پھر حکم امتناعی جاری کر دیا اور اب صرف میری اہلیہ دو ایک دن میں چلی جائیں گی۔ ارادہ تھا کہ رامپور جاتے وقت آپ کو تار دے کر کم از کم وہیں بلا لوں اور نہ معلوم واپسی ہو یا نہ ہو[1] چلتے وقت آپ سے مل لوں۔ لیکن آپ سے اتنا قرب بھی اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ بھوپال تشریف لائیں اور خلافت کمیٹی کے جلسے میں جو ۲ اور ۳ اکتوبر کو ہونے والا ہے بمبئی جا کر شریک ہوں۔ میں انشاء اللہ ۲۹ یا ۳۰ تک بمبئی چلا جاؤں گا بشرطیکہ گول میز کانفرنس کے التوا کا حکم نہ آیا۔ براہ کرم ضرور آ کر مل لیجئے۔ گو اب میں بزدل اور غدار ہوں اور آپ کے پیر و مرشد کی طرح ایسا ہندو پرست نہیں رہا جیسا کہ وہ تین سال پہلے مجھ کو کہتے تھے۔ تاہم چونکہ آپ کو نہ صرف دیوبند سے بلکہ تھانہ بھون سے بھی عقیدت ہے۔ اس لئے بزدلوں اور غداروں سے ملنا بھی آپ کے مذہب میں ناجائز نہ ہو گا۔ پانیر میں جو مضمون نکلا تھا[2] وہ خود لغو تھا۔ اس کا لکھنے والا بھی لغو۔ یہ ایک متعصب ہندو کا لکھا ہوا ہے جو ان بزرگوں کی طرح سے خوب جانتا ہے کہ جیناؔ اور سر محمد شفیع بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ مگر محمد علی انمول ہے۔

---

[1] مولانا کو اس درجہ اپنے قرب وفات کا یقین ہو گیا تھا۔

[2] ۱۲ جولائی کے پانیر میں مولانا پر ایک مفصل مضمون کسی کا نکلا تھا۔ عنوان تھا قابل مگر ناکام لیڈر۔ میں نے اپنے خط میں اس مضمون کی فی الجملہ داد دی تھی۔

قرآنِ پاک

کا پڑھنا کارِ ثواب

اس کا سمجھنا موجبِ خیر و برکت

اور

اس پر عمل کرنا ذریعۂ نجات

ہے،